دو قرآن (۲)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق
ایم اے پی ایچ ڈی

مکتبہ امتِ مسلمہ (ہند) امرتسر

دو قرآن

ڈاکٹر غلام جیلانی برق
ایم اے، پی ایچ، ڈی

شائع کردہ

مکتبہ اُمّتِ مُسلمہ توحید باغ۔ امرتسر

دوسرا ایڈیشن

غیر مجلد عام

ترتیبِ مضامین

پیش نامہ

یہ ۱۹۳۸ء کی بات ہے:

میں اُمتِ مسلمہ لائبریری، امرتسر میں بیٹھا بعض پرانے اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ روزنامہ "انقلاب" کا کوئی خاص نمبر، میرے سامنے آگیا چند صفحے اُلٹے تو میری نگاہ ایک عنوان ——— "قرآن حکیم اور علم الآفاق" پر جم کر رہ گئی۔ مضمون پڑھا تو پسند آیا۔ لکھنے والے کا نام تھا، پروفیسر غلام جیلانی برق، جو اُن
۱۹۴۔ دنوں محض ایم اے تھے اور اب تو ماشاءاللہ ایم اے، پی ایچ، ڈی ہیں۔ ڈاکٹری کی یہ سند انھوں نے کہیں بعد میں حاصل کی۔

میں نے سوچا: کیا ہی اچھا ہو اگر وہ اس قسم کے مضمون "البیان" کے لیے بھی لکھا کریں ——— کچھ عرصے کے بعد میں نے اُن کے نام رسالہ جاری کر دیا اور اس کے ساتھ ایک خط بھی لکھ دیا۔ چند ہی روز کے اندر اندر اُن کا پہلا مضمون دفتر میں پہنچ گیا۔

آج پھر کئی برس کے بعد سوچتا ہوں، قدرت کے وسیلے کتنے عجیب و غریب ہیں! مجھے کیا معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے قلم سے، قرآن مجید کے معارف پر ایک ایسی کتاب نکلے گی، جو اردو لٹریچر میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہوگی، وہ مجھے اس کا دیباچہ

لکھنے کے لیے کہیں گے اور سچ مچ اس کا شرف مجھے ہی حاصل ہوگا ـــ کبھی خواب میں بھی یہ باتیں نہ سوچی تھیں ـــ لیکن قدرت کے وسیلے کتنے حیرت انگیز ہیں! اُن بوسیدہ اخبارات کی ورق گردانی اور اس حسین و جمیل کتاب کی اشاعت کے درمیان اتنا تعجب انگیز رشتہ! ایسی غیر مرئی کڑیاں!

دو اڑھائی برس تک ان کا کوئی نہ کوئی مضمون دوسرے چوتھے مہینے 'البیان' میں ضرور شائع ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۲ء کے اوائل میں اُن کی طرف سے "دو قرآن" کے مسودے کی ایک قسط موصول ہوئی۔ شروع میں خیال تھا کہ دوسرے طویل مضمونوں کی طرح یہ بھی زیادہ سے زیادہ دو چار قسطوں میں ختم ہو جائے گا۔ لیکن نہیں، ایک دفعہ یہ سلسلہ شروع ہوا، تو پورے چودہ مہینوں کے بعد ختم ہوا ـــ اور جب ہم نے پہلی قسط دیکھی کر یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکا کہ یہ سلسلہ اتنا طویل ہوگا۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُن کی محنت 'البیان' کے پڑھنے والوں کی طرف سے اتنی بے قرار شکر گزاری کا خراج حاصل کرے گی کہ عین اس زمانے میں جب کہ کاغذ نہ صرف انتہائی طور پر گراں ہے، بلکہ گراں قیمت پر بھی ملنا مشکل ہے۔ جناب کے مسلسل تقاضوں سے متاثر ہو کر ان مضامین کو ایک مستقل کتاب کی شکل دینا پڑے گا۔ "دو قرآن" کے مصنف ہم سب کے دلی شکریے کا مستحق ہے کہ اس نے ایسے نامساعد حالات کے باوجود اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

"دو قرآن" میں، جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، بتایا گیا ہے کہ قرآن ایک نہیں، دو ہیں: ایک وہ، جو کتاب کی شکل میں ہر مسلمان کے گھر میں موجود، ہر حافظ کے سینے میں محفوظ ہے اور دوسرا وہ جو کائنات ارض و سما کی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ دھرتی، یہ سورج، یہ چاند، یہ اَن گنت تاروں بھری کہکشاں، یہ

بادل اور ہوائیں، یہ پانی سے لدی ہوئی گھٹائیں، یہ مہکتے ہوئے پھول، یہ چہکتے ہوئے پرندے، سمندر اور خشکی کے یہ مہیب جانور، یہ سونے، چاندی، ایلومینیم، کوئلے اور لوہے کی کانیں، یہ سربفلک پہاڑ، یہ لق و دق صحرا اور وسیع و بسیط سمندر، یہ سب کے سب اُس قرآن کی آیات ہیں۔ ایک قرآن میں لکھی ہوئی آیتیں ہیں اور دوسرے میں عمل و حرکت کرتی ہوئی آیتیں۔ ایک قرآن، اصول و قوانین کا ضابطہ ہے اور دوسرا اس کی عملی تشریح!

قرآن حکیم اور صحیفۂ فطرت کی آیات کا یہ حیرت انگیز تطابق ہی تو ہے جس پر غور و فکر کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے، لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی کہ انھوں نے مظاہر فطرت اور عجائباتِ عالم کے اندر چھپی ہوئی سچائی سے مُنہ موڑ کر زندگی سے باہر کسی دوسری سچائی کی تلاش شروع کر دی، مگر زندگی اور سچائی دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔ تاریک حجروں میں کوئی روشنی نہیں ہے، خانقاہوں اور قبرستانوں میں موت کے پہرے ہیں، زندگی کے نشان نہیں ہیں، اوراد و وظائف میں انسانی کرامات ہیں، بازوؤں کو شل کر دینے والی سردی اور دماغوں کو منجمد کر دینے والی برودت ہے، عمل و حرکت پر آمادہ کرنے والی حرارت و تمازت نہیں ہے۔ اُس قوم کی بدقسمتی میں کیا شک ہے جس نے مچلتی ہوئی زندگی کے ساتھ بغل گیر ہونے کے بجائے سوئی اور ٹھہری ہوئی موت کے پہلو میں لیٹنا گوارا کر لیا!

قرآن، برائے نام مسلمانوں کا مذہب نہیں ہے، تمام انسانوں کا مذہب ہے، تمام زمانوں کا مذہب ہے اور تمام جہانوں کا مذہب اور زیادہ صحیح لفظوں میں زندگی کا مذہب ہے۔ وہ کتاب، جو انسان کو زندگی اور اس کے مظاہر سے الگ کسی "ناقابلِ فہم سچائی" کی ترغیب دیتی ہے، خالقِ کائنات کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔

قرآن، کس طرح فطرت کی مہیب سے مہیب اور حقیر سے حقیر چیزوں کی طرف انسانی

ذہن کو متوجہ کر کے اُسے سبق اندوز ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کی پوری تفصیل تو آپ کو آیندہ صفحات میں ملے گی۔ البتہ اشارے کے طور پر میں بھی ایک بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ چند ہی روز کا ذکر ہے کہ میں سورۂ نحل کی ان آیات کی تلاوت کر رہا تھا، جن میں نوع انسان کو شہد کی مکھی کے کارناموں کی طرف متوجہ کر کے یہ لکھا ہے کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ، یعنی شہد کی مکھی کے اِن اعمال میں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں، نشانی موجود ہے۔

اتفاقاً اُسی روز میں نے ایک انگریزی کتاب میں شہد کی مکھی پر ایک مختصر مضمون بھی پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ انسان اپنی زندگی کے لیے زیادہ سے زیادہ تین خواہشیں کر سکتا ہے، صحت، دولت اور عقل۔ یہ تینوں چیزیں شہد کی مکھی کو میسر ہیں، اس لیے کہ وہ سورج کی روشنی، تازہ ہوا اور خوب صورت پھولوں اور پھلوں میں گھومتی رہتی ہے اور سخت محنت کر کے شہد کے ذخیرے جمع کرتی رہتی ہے۔ اس مختصر مضمون کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے اپنے دل سے سوال کیا "کیا درحقیقت مکھی کے اعمال میں انسانوں کے لیے سبق موجود نہیں ہے؟"

"زندگی ہی مذہب ہے!" یہ بنیادی اصول ہے، جسے آپ ذہن میں رکھ کر اس کتاب کا مطالعہ کریں گے۔

جناب برق نے یہ کتاب لکھ کر درحقیقت قرآن پاک کی اتنی زبردست خدمت سرانجام دی ہے، جس کی سعادت اس سے پہلے ہندوستان کے کسی مسلمان کو حاصل نہیں ہوئی۔ مظاہر فطرت کے متعلق کوئی آیت ایسی نہیں ہے، جسے انھوں نے سائنس کی روشنی میں پیش نہ کیا ہو۔ اس کارنامۂ عظیم کے لیے نہ جانے انھوں نے کتنی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، کتنی سخت محنت کی ہوگی، کتنا وقت صرف کیا ہوگا۔

مَیں ان تمام مسلمانوں کی طرف سے، جو قرآن کے سرچشمے سے، سائنس کے پیالے میں پانی لے کر اپنی پیاس بجھانا چاہتے تھے، ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔
مصر میں یہ کام علامہ طنطاوی جوہری نے سرانجام دیا تھا۔ عربی زبان سے نابلد ہونے کے باعث، ہندوستان کے مسلمان، اس سے مستفیض نہیں ہو سکے۔ ہندوستان کے مسلمان اب فخر کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاں بھی ایک طنطاوی ہے۔

مَیں نے قلم اٹھایا تھا، کتاب کا دیباچہ لکھنے کے لیے، لیکن نہیں لکھ سکا۔ پھر سوچا، دیباچہ نہ سہی، تعارف ہی سہی، لیکن تعارف بھی نہیں لکھ سکا۔ پھر سوچا، تعریف ہی سہی، تعریف بھی نہیں کر سکا، اس لیے کہ اچھی چیزیں تعریف سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ مَیں زیادہ سے زیادہ مسرت اور حیرت کا اظہار کر سکتا ہوں اور وہ بھی اتنا نہیں جتنا مَیں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔

محمد اقبال سلیمانی

بیت نگر۔ ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۳ء

باب ۱

تمہید

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دو چیزوں: کتاب الٰہی اور صحیفہ فطرت یعنی کائنات، ہر دو کو اللہ کی آیات کہتا ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق تو ظاہر ہے:

تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (یوسف ۱) | قرآن کے حصے کتاب مبین کی آیات ہیں۔

دلیل اول | اور دوسری طرف صحیفہ کائنات کے مختلف مناظر کو بھی بار بار آیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ (آل عمران ۱۹۰) | ارض و سما کی تخلیق اور اختلاف لیل و نہار میں عقل مندوں کے لیے آیات ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ | ارض و سما کی تخلیق، اختلاف لیل و نہار، سمندروں میں تیرنے والی مفید کشتیوں

......وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	......اور اُس گھٹائیں جو زمین و آسمان کے درمیان
C لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (بقرہ ـ ۱۶۴)	خیمہ آرا ہے، ارباب عقل کے لیے آیات موجود ہیں۔
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ	زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور
B اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (روم ـ ۲۲)	رنگوں کا اختلاف اللہ کی آیات میں سے ہے۔
وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ	تمہاری پیدائش اور چوپاؤں کی افزائش نسل میں اہل
B لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ (جاثیہ ـ ۴)	یقین کے لیے آیاتِ الٰہی موجود ہیں۔

دلیل دوم | قرآن اور صحیفۂ کائنات ہر دو بظاہر بے ترتیب ہیں۔ قرآن حکیم میں ربطِ آیات و سُوَر مفسرین کے لیے ہمیشہ ایک معما بنا رہا اور کائنات کی ظاہری بے ترتیبی عیاں ہے۔ ستاروں کی بکھری ہوئی محفل، سلسلۂ کوہستان کی بلند و پست چوٹیاں، انسانی دنیا میں الوان و طبائع کا اختلاف، اقلیم اشجار میں ظاہری بے نظمی اور حشرات و حیوانات کی بے آہنگی، طلبائے کائنات کو ہمیشہ پریشان کرتی رہی۔ ہر دو بظاہر بے ترتیب ہیں، لیکن در اصل ایک زبردست نظام کے حامل ہیں جس طرح اسرارِ قرآن انسانی فہم سے وراء الوراء ہیں، اسی طرح صحیفۂ فطرت باوجود عیاں ہونے کے ازبس ادق ہے۔ علماءِ مغرب، افعالِ الٰہی (کائنات) کے مطالعہ پر عمریں صرف کر چکے ہیں، لیکن ان بزرگوں کی ہر کوشش انہیں پیامِ درماندگی دے رہی ہے اور وہ قدم قدم پہ یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ

"معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد"

دلیل سوم | جس طرح دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عالِم، قرآن کی ایک آیت نہیں بنا سکتا، اسی طرح بڑے سے بڑا سائنس دان ایک پتّے اور ذرّے تک کی تخلیق سے عاجز ہے۔

اہمیت مطالعۂ فطرت | جس طرح قولِ خدا (قرآن) کا مطالعہ فرض ہے، اسی طرح

عملِ خدا (کائنات) کا مطالعہ بھی اس لیے لازمی ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔ (عنکبوت ۲۰) | اے رسول! دنیائے انسانی کو حکم دے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھے کہ خدا کس طرح آفرینش کی ابتدا کرتا ہے۔

جس طرح قرآن سے اعراض باعثِ ہلاکت ہے:

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ .... (آلِ عمران) | ان لوگوں نے کلامِ الٰہی سے منہ پھیر لیا....

اسی طرح صحیفۂ کائنات سے اعراض بھی عذابِ الٰہی کا باعث بنتا ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف ۱۰۵) | ارض و سما میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں جن سے غافل لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

ایک مقام پر تو صحیفۂ کائنات کے مطالعے سے اعراض کی سزا قومی موت تجویز کی گئی ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِي مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ (اعراف ۱۸۵) | کیا یہ لوگ آسمان و زمین وغیرہ کی تخلیق پر غور نہیں کرتے؟ اور عجب نہیں کہ ان کی موت قریب آ گئی ہو۔

مطالعۂ کائنات کی اہمیت کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق، قرض وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں اور مطالعۂ کائنات کے متعلق سات سو پچاس۔ قرآن حکیم ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے آخری پیامِ الٰہی ہے۔ اگر آج یہ کتاب ہمیں معادنِ ارضیہ، دفائنِ جبال اور خزائنِ بحار سے مستفید ہونے کا درس نہیں دیتی اور ترقی یافتہ اقوام کا ہمدوش نہیں بناتی، تو یہ کتاب (خاکم بدہن) صراحتًا ناقص و نامکمل ہے اور اس کا دعویٰ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (نعوذ باللہ) بے بنیاد ہے۔ آج اہلِ مغرب لوہے، تانبے، بارود اور دیگر خزائنِ ارضی سے فائدہ اٹھا کر فلکِ علم و ہنر پر آفتاب بنے ہوئے ہیں، ہواؤں میں اڑ رہے ہیں، دریاؤں پر تیر رہے ہیں،

زمین کے بعید ترین اطراف کی خبریں لمحوں میں سن رہے ہیں عمل تبخیر سے ریلیں دوڑا رہے ہیں، آنے والے حوادثِ سماویہ (باد و باراں) کی خبریں دے رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ صحیفۂ کائنات کے مطالعہ کرنے کے بعد اس کے قوانین و آیات کو اپنی بہتری کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہمارا مذہبی رہنما یعنی ملّا اعمالِ خدا سے اس قدر جاہل، منشاءِ الٰہی سے اس قدر کورا اور مطالعۂ کائنات سے اس قدر بیگانہ ہے کہ اُسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہوا میں چراغ کیوں بجھ جاتا ہے اور آگ کیوں بھڑک اٹھتی ہے؟ دل کیوں دھڑک رہا ہے؟ سانس کی آمد و رفت کیوں ہے؟ دست و پا، دل و دماغ، حواس و اعصاب اور عروق و عضلات میں اللہ کے کون کون سے معجزات موجود ہیں؟ رحمِ مادر میں بچے کی تخلیق کس طرح ہوتی ہے؟ مرورِ زمانہ کا کرۂ ارض پر عمل کیا اور کیوں ہے؟ الغرض ملّائے اسلام اعمالِ الٰہی سے یکسر غافل، معجزاتِ تخلیق سے قطعاً ناآشنا، فطرت کے ایمان افروز کارناموں سے بالکل بے گانہ ہے اور پھر بھی علم کا مدعی ہے۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا	غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ
وَغَرَابِيبُ سُودٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ	کے پتھروں کی تہیں موجود ہیں نیز انسانوں، چوپاؤں
وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ	اور مویشیوں کے مختلف رنگوں کا مطالعہ کرو اور یاد
B مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۷/۲۸)	رکھو کہ اللہ سے اُس کے بندوں میں سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔

اس آیت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصلی علم صحیفۂ کائنات کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے اور کشف یا خشیۃ اللہ صرف علمائے کائنات ہی کا حصہ ہو سکتا ہے، جس طرح شکسپیئر، روسو، لقمان، سعدی، بوعلی سینا اور اقبال کی صحیح عظمت کو سمجھنے کے لیے اُن کے اعمال (تصانیف) کا مطالعہ ضروری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صحیح عظمت و

رفعت، لرزہ فگن کمالِ تخلیق، ہیبت خیز عقل کامل، پُرشکوہ نظام ربوبیت اور حیرت انگیز نسق کائنات کو سمجھنے کے لیے صحیفۂ فطرت میں غور و تدبر کرنا پڑے گا۔ اگر کسی مصنف کی تعریف اس کی تصنیف پڑھے بغیر ہو سکتی ہے تو اللہ کی حمد و ثنا بھی اس کے حیرت انگیز اعمال پر تدبر کیے بغیر ممکن ہے۔

ایک بھوکا روٹی ملنے پر، پیاسا پانی حاصل کرنے کے بعد اور جاہل دولتِ علم سے بہرہ ور ہو کر شکریہ ادا کرتا ہے حضرت ابراہیمؑ اولاد ملنے پر یوں شکرِ الٰہی ادا فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ط (ابراہیم-۳۹)	اُس اللہ کا شکر ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے دو بیٹے اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ عطا فرمائے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام زنداں سے رہا ہو کر فرماتے ہیں:

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ ط (یوسف-۱۰۰) | اللہ نے جیل خانے سے نکال کر مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

الحمد للہ اذ لم یاتنی اجلی — حتی اکتسبت من الاسلام سربالا

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے موت سے پہلے مجھے لباسِ اسلام سے مزین کیا

لیکن مسلمانوں کو محض ذاتی فائدے کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کے رب العٰلمین ہونے پر شکریہ ادا کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ الحمد للہ رب العلمین۔

غور فرمائیے کہ مطالعۂ کائنات کی طرف دعوت دینے کے علاوہ کس وسیع ہمدردی کا پیام دیا گیا ہے۔ اللہ کو صرف حقیقی حمد و ثنا پسند آتی ہے، اس لیے آج بعض ایسی اقوام معزز کر دی گئیں، جو خدا کی صحیح معنوں میں ثنا کر رہی ہیں اور ہمیں ریاکارانہ زبانی حمد و ثنا کی سزا ذلت و غلامی کی صورت میں دی گئی، حالانکہ ظاہری سجدوں اور مصلیوں سے ہماری مساجد معمور ہیں، لیکن:

۵ قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ۝ (سبا ۱۳) | میرے حقیقی شکرگذار بندوں کی تعداد بہت کم ہے۔

زمین کے اندر معدنیات کا ایک حیرت انگیز سلسلہ موجود ہے۔ فضا میں مخفی قوانین سمع و بصر (ریڈیو و ٹیلی ویژن) محوِ عمل ہیں۔ آج بجلی اور اُس کے کرشموں، جرِ ثقیل اور اس کے معجزوں، سٹیم اور اس کے عجائبات، پیٹرول اور اس کے کمالات سے دیگر اقوام فائدہ اٹھا رہی ہیں، حالاں کہ:

۶ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۝ (بقرہ ۲۹) | تمام کائنات و خزائن ارضی تمھارے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

قدرت کی طرف سے ہمیں آنکھیں، کان اور دل و دماغ عطا ہُوا، لیکن ہم نے ان اعضا کا صحیح استعمال نہ کیا اور آج اسی جُرم کی سزا بھگت رہے ہیں:

۷ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ (بنی اسرائیل ۳۶) | انسان سے آنکھ، کان اور دل کے صحیح یا غلط استعمال کے متعلق باز پُرس ہوگی۔

زمین پر انسان، اللہ کا قائم مقام ہے، جس طرح اللہ مادے کو توڑ پھوڑ کر ہر روز تخلیق کے نئے نئے مناظر دکھلاتا ہے، اسی طرح انسان کو بھی اللہ کی پیروی کرنا چاہیے اور لوہے، تانبے اور دوسرے معادن سے موٹریں، جہاز اور دیگر قوت کے سامان تیار کرنا چاہییں:

اَطِيعُوا اللهَ | تم اللہ کی اطاعت کرو۔

اسلام میں تفکر و تدبر کو بہترین عمل قرار دیا گیا۔ حدیث میں وارد ہے، تفکر ساعۃٍ خیرٌ من عبادۃ سنۃٍ (صحیفۂ کائنات میں گھڑی بھر تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے)

ایک صبح بیدار ہونے کے بعد آپ حضرت صلعم نے فرمایا:

لہ دیگر اقوام نے اقوالِ خدا سے رُوگردانی کی اور صرف اعمالِ خدا کا مطالعہ کیا، اس لیے وہ پورا فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ ہم نے اقوال و اعمال دونوں کو پسِ پُشت ڈال دیا، اس لیے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ (مدیر البیان)

لَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَیَّ اللَّیْلَۃَ اٰیَۃٌ وَیْلٌ لِّمَنْ قَرَأَھَا وَلَمْ یَتَدَبَّرْ۔ وَیْلٌ لَّہٗ ثُمَّ وَیْلٌ لَّہٗ۔ | آج رات مجھ پر ایک آیت اُتری ہے۔ ہلاکت ہو اُس پر جو اُسے پڑھے اور غور نہ کرے۔ اس پر دوبارہ و سہ بارہ ہلاکت ہو۔

پھر یہ آیت پڑھی:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ٥ (بقرہ ۱۶۴)

زمین و آسمان کی تخلیق اور رات اور دن کے اختلاف میں اور کشتیوں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر چلتی ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان گھرے رہتے ہیں، اہلِ دانش کے لیے آیات موجود ہیں۔

قرآنِ حکیم مومنین کو بلندی و رفعت کی بشارت دینے آیا تھا:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ٥ (آلِ عمران ۱۳۹) | اگر تم ایمان وار ہو تو دنیا میں سربلند رہو گے۔

آج دنیا میں وہی قوم بلندی، آزادی اور عزت حاصل کر سکتی ہے، جو صحیح معنوں میں فیض رساں اور خادمِ خلق ہو۔ جو مخازن و معادن کو استعمال میں لا کر رفاہِ عامہ کے لیے گاڑیاں چلائے، دریاؤں پر پل باندھے، نہروں اور سڑکوں کا جال بچھائے، سمندر کی طغیانیاں مسخر کر کے انھیں تجارت کے قابل بنائے جن کی تلاش و جستجو سے ایک عالم فائدہ اٹھائے، جو آبشاروں سے بجلی پیدا کر کے دنیا کو روشنی اور طاقت عطا کرے، جو کوئلے اور پٹرول کا صحیح استعمال جانتی ہو اور جس کے فولادی اسلحہ اعدائے انسانیت کے لیے تباہی و ہلاکت کا پیام ہوں:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (حدید۔ ۲۵) | ہم نے فولاد پیدا کیا جو ایک پُر ہیبت اور نہایت مفید معدن ہے۔

قرآنِ حکیم میں ہمیں امر بالمعروف کا لقب دیا گیا ہے معروف یہی ہے کہ ہم کائنات کے اسلحہ خانہ سے قوت وہیبت کا وُہ سامان پیدا کریں کہ شیطان کا چراغ ہمیشہ کے لیے گُل ہو جائے۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (انفال ۶۰)

تم وہ سامانِ قوت پیدا کرو اور تھانوں پر تمہارے گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمن اور اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔

تامرون بالمعروف میں تامرون کا لفظ صاف صاف اعلان ہے اس حقیقت کا کہ خیر الامم وُہ ہے، جو دنیا میں معروف یعنی نیکی، عدل، مساوات اور صلح و آشتی کا حکم دے سکے حکم دینا حاکم کا کام ہوتا ہے، لہٰذا خیر الامم کے لیے حاکم ہونا ضروری ہے اور اس زمانے میں کوئی حکومت معادنِ ارضی کے استعمال کے بغیر ایک دن کے لیے بھی باقی نہیں رہ سکتی منکر کے لفظ میں ہر قسم کی بدی شامل ہے۔ دنیا میں غلامی سب سے بڑی بُرائی ہے۔ یہ ذلت، بدکاری، جہالت اور فلاکت کی آخری منزل ہے۔ ایک غلام قوم میں معروف کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ وہ بکریوں کا ایک ریوڑ ہوتی ہے، جس طرح بکری کا دودھ، گوشت، چمڑا، ہڈیاں، مینگنیاں اور بال تک فروخت کیے جاتے ہیں، اسی طرح ایک حاکم قوم محکوم قوم کی تمام پیداوار، سرمایہ، اجناس، زمین اور جان تک صرف اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ کیا ایسی قوم خیر الامم کہلا سکتی ہے؟

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔ (آل عمران ۱۱۰)

مسلمانو! تم خیر الامم ہو اور دنیا کی بہتری کے لیے اٹھے ہو۔ تمہارا کام معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے۔

"اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ خیر الامم بننے کے لیے تمام دنیا کی بہبودی پر توجہ صرف کرنا پڑے گی اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے پاس نفع رسانی کے تمام اسباب موجود ہوں۔ ہم عالم گیر علم، ہیبت خیز اسباب قوت اور جاذبِ قلوب

متاعِ اخلاق کے مالک ہوں۔ اگر ایک طرف دنیا ہمارے اخلاق کی ثناخواں ہو تو دوسری طرف ہماری شمشیرِ خاراشگاف سے ہفت اقلیم کی طاغوتی طاقتیں رعشہ براندام ہوں۔ یہی معروف ہے اور یہی وہ قبائے زرّیں ہے جو خیرالامم کے قامت پر راست آتی ہے۔

ہمارے واعظوں نے اس انقلاب انگیز آیت کو اس قدر مسخ کر رکھا ہے کہ معروف کے معنی ڈاڑھی، نماز[1] اور منکر کے معنی ڈاڑھی منڈانا اور مثلاً صاحب کی ضیافت کرنا قرار دیے ہیں۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (نساء ۴۶) یہ لوگ الفاظ کو صحیح معنوں سے ہٹا دیتے ہیں۔

ایک حقیقت جس طرح سورج مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف سفر کرتا ہے اور دوسری صبح پھر مشرق سے نمودار ہوتا ہے، اسی طرح علم و تہذیب کا آفتاب بھی گردش کرتا رہتا ہے۔ محققین اس امر پر متفق ہیں کہ تہذیب کا آفتاب پہلے مشرقی ممالک پر چمک چکا تھا۔ چین، اور ہندوستان، بابل اور مصر کی تہذیبیں اولین قائم ہیں۔ رفتہ رفتہ مغرب کا ایک خطہ یعنی یونان علم و عرفان کا مرکز بن گیا۔ سنہ ۳۳۶ ق م میں سکندرِ اعظم نے ایرانی سطوت کا خاتمہ کیا اور سنہ ۳۳۲ ق م میں مصر پر قبضہ جمایا۔ سکندر کی وفات کے بعد یونان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا اور خانہ جنگی کے شعلے اطراف ملک میں بھڑک اٹھے۔

سنہ ۲۳۰ ق م میں پارتھیا[2] بیدار ہوا اور تھوڑی سی مدت میں ایک طاقت ور سلطنت

---

[1] نماز کے معروف ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن جب تک ایک آدھ حقیقی معروف ساتھ نہ ملایا جائے، چند مصنوعی معروف عظم نہیں بن سکتے۔ (بدیع البیان)

[2] پارتھیا، خراسان و استرآباد کے درمیان پانچ سو میل لمبے علاقے کا نام تھا۔ جو سکندر کے قبضے کے بعد آنتی اوکس بروشس میں جنگ چھڑ گئی تھی تو پارتھیا نے بروشس کی حمایت کی تھی۔ (برق)

بن گیا۔ تقریباً دو صدیوں کے بعد روم میں آثارِ حیات پیدا ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک زبردست سلطنت بروئے کار آگئی۔ روم نے پارتھیا کو پہلی شکست ۵۳ ق م میں اور دوسری ۱۴۳ء میں دی۔ ۲۲۶ء میں پارتھیا کے آخری آثار دنیا سے مٹ گئے اور آفتابِ تہذیب پوری آب و تاب سے مغرب پر چمکنے لگا۔

کچھ عرصے کے بعد ایران میں زندگی نے ایک نئی کروٹ لی۔ ساسانی خاندان کا علم مدائن پر لہرانے لگا۔ دوسری طرف روما الکبریٰ کے طوفانِ بے پناہ میں آثارِ جزر نظر آنے لگے، یہاں تک کہ ساتویں صدی کے وسط میں ریگستانِ عرب سے علم و عرفان کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا جس سے مشرق و مغرب ہر دو سیراب ہو گئے۔

چند صدیوں کے بعد آفتابِ علم و تمدن پھر مغرب کی طرف بڑھا۔ جرمنی، فرانس، ہسپانیہ اور انگلستان سے ہوتا ہوا مغربِ اقصیٰ (امریکہ) تک جا پہنچا اور اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ مشرقِ اقصیٰ (جاپان) سے آفتاب پھر نکل رہا ہے، اور ہندوستان، ایران اور ترکی میں پھر سے بیداری کے آثار عیاں ہیں۔ اس حقیقت کی طرف اللہ نے اہلِ بصیرت کو یوں متوجہ کیا ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ
مَنْ تَشَاۤءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۤءُ ؗ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۤءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۤءُ ؕ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي
الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (آلِ عمران-۲۶، ۲۷)

کہہ، اے اللہ تو جسے چاہتا ہے وارثِ زمین بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غلامی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عزت و ذلت تیرے اختیار میں ہیں۔ دنیا کی تمام بلندیاں (خیر) تیرے دستِ قدرت میں ہیں اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی تو مالک ہے، جو (تہذیب و تمدن کے) روزِ روشن کو غلامی کی کالی رات میں اور ساعات کو دن میں بدلتا رہتا ہے۔ مردہ اقوام کی خاکستر میں اخگرِ حیات پیدا کرنا اور زندہ اقوام (جو کاہل ہو چکی ہوں) کو موت کی نیند سلانا تیری سنت ہے۔

ان حقایق کو ایک بیدار آنکھ اور نورِ عرفان سے لبریز دل دیکھ سکتا ہے، لیکن وا حسرتاکہ مُسلم اس دولت سے محروم ہے۔ وَھُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ[لے] یہ لوگ آیاتِ کائنات سے اعراض کر رہے ہیں۔

مقادیر | کپاس اور گندم کی ترکیب آٹھ عناصر سے ہوئی۔ اختلافِ مقادیر سے کہیں وہی عناصر گندم کی صورت میں جلوہ گر ہوئے اور کہیں کپاس کی شکل میں۔ پانی میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہے۔ اگر اس مقدار کو ذرّہ بھر گھٹا بڑھا دیا جائے تو ایک زہر تیار ہو گا۔ اگر یہ ہر دو عناصر مساوی مقداروں میں جمع کر دیے جائیں تب بھی ایک مہلک مرکب بنے گا۔ آکسیجن و ہائیڈروجن ہر دو قاتل و مہلک گیسیں ہیں جن کے مختلف اوزان سے لاکھوں مرکبات تیار ہو سکتے ہیں اور ہر مرکب زہر ہلاہل ہوتا ہے، لیکن اگر دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ترکیب دی جائے تو ان دو زہروں سے پانی تیار ہو گا جو تمام عالم کا مدارِ حیات ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (انبیاء ۳۰) | ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا ہے۔

غور فرمائیے کہ اللہ مقادیر کا کتنا بڑا عالم ہے۔ وہ کس طرح معین مقداروں سے کائنات کی مختلف اشیاء تیار کر رہا ہے:

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ (قمر ۴۹) | ہم نے ہر چیز کو (عناصر کی) معین مقدار سے پیدا کیا ہے۔

لیموں اور کالی مرچ ہر دو ہائیڈروجن دس حصے اور کاربن بیس حصے سے تیار ہوتے ہیں، لیکن سالمات کے تفاوت سے ہر دو کی شکل، رنگ، ذائقہ اور تاثیر بدل گئی۔ اسی طرح کوئلہ اور ہیرا کاربن سے بنتے ہیں، لیکن سالمات کے اختلاف سے ایک کا رنگ کالا، دوسرا سفید، ایک قابلِ شکست اور دوسرا ٹھوس ہے:

[لے] سورۂ انبیاء آیت ۳۲

اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (حجر۔ ۲۱)	ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم معین مقدار میں ہر چیز کو نازل کرتے ہیں۔
وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ ۝ (مومنون ۱۷)	اور ہم اشیاء کی تخلیق (و ترکیب) سے غافل نہیں ہیں

کائنات کی ہر چیز عناصر کی نہایت دقیق و انسب آمیزش سے تیار ہوئی ہے۔ اگر یہ ترکیب ذرہ بھر کم و بیش ہو جائے، تو سلسلۂ حیات آناً فاناً درہم برہم ہو جائے۔ اگر آج اللہ تعالیٰ پانی کی ساخت میں سے ہائیڈروجن صرف ایک درجہ کم کر دے، تو دریاؤں اور سمندروں میں زہر کا سیلاب آ جائے اور کوئی ذی حیات باقی نہ رہے۔ غور فرمائیے کہ اللہ کا علم عناصر و مقادیر کس قدر لرزہ فگن اور ہیبت انگیز ہے۔ تمام نباتات کے عناصر ترکیبی ایک ہیں۔ یہ صرف اختلاف مقادیر کا اعجاز ہے کہ

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

حیوانات و نباتات کی ترکیب آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، نائیٹروجن اور چند دیگر نمکوں سے ہوئی۔ انھی عناصر سے ہڈیاں، پٹھے، خون اور بال تیار ہوئے اور انھی سے درختوں کے پتے، شگوفے، پھول، خوشے، رس اور پھل بنے۔ کڑواہٹ، ترشی اور مٹھاس انھی عناصر کا کرشمہ ہے اور رنگ و وضع کی یہ نیرنگیاں انھی کی بدولت ہیں۔

وَاَنْبَتْنَا فِیْہَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ (حجر ۱۹)	ہم نے ہی زمین میں سب موزون اور سنجیدہ چیزیں اگائیں۔

قرآن حکیم میں مسلمانوں کو سات سو چھپن دفعہ مناظر قدرت و قوانین فطرت پر غور کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ علامہ ابن رشد، فارابی، بو علی سینا اور فخر الدین رازی نے بھی ہمیں اس طرف متوجہ کیا، لیکن ایران کے صوفیوں اور ہندوستان کے نیم خواندہ مولویوں نے مسلمان کو مسلمان نہ رہنے دیا۔ نتیجہ یہ کہ آج دوسری اقوام برق و باد پر سوار ہو کر منازل حیات طے کر رہی ہیں اور ہم صحرائے حیات میں طوفان ریگ کے تھپیڑے

کہا رہے ہیں۔ علامہ شعرانی اسلام کے طبعی پہلو کو سمجھتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ اگر مسلمان مسلمان رہا تو وہ علم شریعت کی طرح علم فطرت میں بھی ایک نہ ایک دن کمال پیدا کر کے رہے گا۔ اسی لیے تو فرمایا تھا کہ

إِنَّ الْإِسْلَامَ فِي أَوَّلِ أَمْرِهِ كَانَ شَرِيعَةً ثُمَّ فِي آخِرِ الزَّمَانِ يَكُونُ حَقِيقَةً

اسلام آغاز میں محض شریعت تھا اور آخری زمانے میں حقیقت بن جائے گا۔

وہ آخری زمانہ یہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم آیات ارض و سما کی طرف متوجہ ہو کر اسلام کو ایک حقیقت اور ٹھوس صداقت ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (جاثیہ ۳)	زمین و آسمان میں مومنوں کے لیے حقائق و بصائر موجود ہیں۔
وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ آيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (جاثیہ ۴)	دولتِ یقین سے مالامال اقوام کے لیے خلقِ انسانی و حیوانی میں آیاتِ الٰہیہ موجود ہیں۔

شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ | مسلمانوں کی فلاح و نجات اس وقت صحیفۂ کائنات کے مطالعہ میں ہے۔ وہی اقوام آج باعلم، طاقتور اور پیشوا ہیں جنھوں نے فطرت سے قوانین قوت کا درس لیا اور اسلوب قدرت کے مطالعہ میں عمریں صرف کر دیں۔ علم آفاق سے غفلت و جہالت نے مسلم کو ذلیل کر ڈالا۔ اس کا توازن ملی جاتا رہا۔ اس کی سلطنتیں اجڑ گئیں، سرحدیں غیر محفوظ ہو گئیں اور اس کی تمام حفاظتی تدابیر خام ثابت ہوئیں۔ اگر آج ہم اپنی خامیوں کو متعین کرنے اور ان کا علاج سوچنے کے لیے کوئی کمیشن مقرر کریں تو ہماری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ اس لیے کہ اقتصادیات، سیاسیات و دیگر اصناف علم و تمدن کے ماہرین ہمارے ہاں موجود نہیں۔

یورپ میں ہر خامی کا علاج سوچنے کے لیے کمیشن بٹھائے جاتے ہیں جن کے سامنے

بڑے بڑے ماہرینِ فن شہادتیں دیتے ہیں اور یہ کمیشن تمام نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد ایک رپورٹ حکومت کو بھیجتے ہیں۔ اگر آج کسی بین الاقوامی مجلس کے سامنے تحدیدِ اسلحہ، اقتصادیات، توازنِ قوت و تقسیمِ دولت پر شہادت دینے کی ضرورت پڑے تو کیا اسلامی دنیا کے ستر کروڑ افراد میں سے کوئی ایک عالم بھی ایسا نکل سکے گا، جس کی شہادت کو کچھ بھی اہمیت حاصل ہو؟ ہمیں دنیا کی طرف شاہد بنا کر بھیجا گیا تھا:

لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ (بقرہ ۱۴۳) | ہم نے تمہیں لوگوں کے لیے شاہد بنا کر بھیجا ہے۔

بہ دیگر الفاظ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم تمام شعبہائے علم و تمدن میں وہ مہارت پیدا کریں کہ ہر مسئلے پر ہماری رائے آخری ثابت ہو، لیکن افسوس کہ جہالت کی وجہ سے ہماری رائے کو لغو اور شہادت کو مردود قرار دیا:

ملتِ بیضا کی اب دنیا میں خواری ہوگئی اس امانت دار کی بے اعتباری ہوگئی

استعمالِ اعضاء | اللہ نے آنکھیں، کان اور عقل دیکھنے، سننے اور سوچنے کے لیے عطا کی ہے۔ جو قوم ان اعضاء و حواس کو استعمال نہیں کرتی، وہ حقیقتاً اندھی، بہری اور لایعقل ہے۔ وہی لوگ صاحبِ عقل ہیں جو کائنات کے مناظر و حقائق کو ایک حقیقت رس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس آواز کو جو کائنات کے ہر ذرّے سے بلند ہو رہی ہے کان لگا کر سنتے ہیں:

اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا۔ (الحج ۴۶)	یہ لوگ مناظرِ ارضی کی کیوں سیر نہیں کرتے تاکہ اُن کے دل سمجھنے لگ جائیں اور کان سننے کی نعمت سے بہرہ ور ہوں۔

ایک قوم کا زوال دراصل زوالِ حسیات کی داستان ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى | دراصل آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ایک مردہ

الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (حج ۴۶) | قوم کے دل بے حس ہو جاتے ہیں۔

بہتر سواری | دنیا میں بعض اقوام موٹروں اور طیاروں پر سوار ہو کر جادۂ حیات طے کر رہی ہیں اور ہم یا تو پا شکستہ ہو کر ٹھنڈے سایوں میں محو استراحت ہیں اور یا آہستہ خرام ٹٹوؤں پر جھومتے جھامتے جا رہے ہیں۔ ہمارے سست رو کارواں کا بہر حال پیچھے رہ جانا حتمی و یقینی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے لیے بہترین سواریوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ٭ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔ (زمر ۱۹-۲۰) | مبارک ہیں وہ لوگ جو کسی بات کو سن کر حسن و قوی چیز کو اختیار کرتے ہیں۔

کعبہ کی اہمیت | مسلمان دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں، جنھیں باوجود اختلاف رنگ و نسب چند چیزوں نے متحد کر رکھا ہے۔ واحد خدا، واحد رسول ؐ، واحد کتاب، واحد عربی زبان (صلوات و عبادات میں) اور واحد قبلہ۔ ہمارے علماء و اغنیاء کو حکم دیا گیا تھا کہ ہر سال کعبہ میں جمع ہو کر قومی فلاح کی سبیل سوچیں اور استحکام ملت کے ذرائع پر غور کریں۔ تفکر فی الآفاق قیام امت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور ان قوانین صلاح و بقا کا علم حاصل کرنا جو کائنات میں مصروف عمل ہے، نجات و حیات کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (مائدہ ۹۷) | اللہ نے عزت کے گھر کعبہ، حرمت والے مہینے (جن میں جنگ بند کر کے وسائل حیات سوچنے کا حکم دیا گیا ہے) اور قلائد و تحائف کو امت کے قیام و بقا کا ذریعہ استحکام بنایا ہے۔ کعبہ کی تعمیر کا بڑا مقصد یہ ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اللہ کا علم ارض و سما کو محیط ہے اور کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

لیکن آج کعبہ میں کوئی ایسی درس گاہ موجود نہیں، جو اللہ کے بے پناہ اور ہیبت انگیز

سلہ مویشی، جن کے گلے میں پٹہ ڈالا جائے۔

علم (اوزان و مقادیر) کی طرف راہ نمائی کرے۔ غور فرمائیے کہ سمندر کی تہ یک گہرائیوں میں مچھلی کے انڈے سے مچھلی ہی پیدا ہو رہی ہے۔ کوہ قاف کے سیاہ غار میں ایک مچھر کا بچہ مچھر بن رہا ہے۔ بطونِ حیوانات میں قطراتِ منویہ مناسب، موزون اور صحیح اشکال اختیار کر رہے ہیں اور جوفِ صدف میں قطرۂ آب گہر بن رہا ہے نہ کہ کوئلہ۔ اللہ اکبر! اس عالم الغیب کی جہاں گیر اور ہمہ بین نگاہ سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی بچی ہوئی نہیں۔ ہر مقام، ہر محل اور ہر جگہ نہایت صحت و استحکام سے کام ہو رہا ہے۔ کائنات کی یہ کارگاہِ جلیل نہایت نظم و نسق سے چل رہی ہے۔ میزان و اعتدال سے چل رہی ہے۔ کہیں کوئی غلطی نہیں، ستم نہیں، کمی نہیں، بیشی نہیں، تفاوت نہیں، فتور نہیں

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (الملک - ۳)	بار بار دیکھو، کیا تمہیں اس لا انتہا سلسلۂ خلق میں کوئی بد نظمی نظر آتی ہے؟

کیا اللہ کے اس ہیبت انگیز علم کا اندازہ لگانے کے لیے کعبہ میں کوئی درس گاہ موجود ہے؟ نہیں! اس لیے لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ کا منشا پورا نہیں ہو رہا۔ آج حج محض ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔ وہاں انسانوں کی ایک بھیڑ جمع ہو جاتی ہے جو چند حرکات طوطی و کرہی سر انجام دینے کے بعد واپس آ جاتی ہے۔ کوئی نیا تخیل اور کوئی نیا درسِ حیات لے کر نہیں آتی۔ کعبہ کے یہ فرائض کس حد تک آج اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں سر انجام دے رہی ہیں جہاں دنیا کے ہر گوشے سے طلبۂ علم صحیفۂ کائنات کا درس لینے آتے ہیں!

مومناں را فطرت افروز است حج ہجرت آموز و وطن سوز است حج

لہ صرف لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ کی حد تک، اور آگے وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ کی حقیقت سے عالمِ انسانیت یکسر غافل ہے، اِلَّا ماشاء اللہ۔ اور حج کے یہی دو مقصد سورۂ حج میں بتائے گئے ہیں۔ اس مقصدِ ثانی کو جو حقیقی ہے، فراموش کر دینے سے مقصدِ اول بھی غیر صحیح ہوا جا رہا ہے۔ (مدیر البیان)

طاعتے سرمایۂ جمعیتے | ربط اوراق کتاب ملتے
آں کہ از تیغ گوید لا الٰہ | آں کہ از خونش بروید الا اللہ
آں سرور آں سوز مشتاقی نماند | در حرم صاحب دلے باقی نماند (اقبالؒ)

اُمَّۃً وَّسَطًا | قرآن حکیم میں مسلمانوں کو اُمَّۃً وَّسَطًا (اعتدال پسند، ترقی کا واسطہ بننے والی اور وسط دنیا میں آباد اُمت) کہا گیا ہے اور ہم کئی طرح سے اُمتِ وسطیٰ ہیں۔ ہم علوم مغرب (یونان) کو مشرق تک پہنچانے کا واسطہ بنے۔ عیسائیت، یہودیت، بدھ ازم اور ہندو دھرم جسم کو کچل کر خشک روحانیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ہم نے جسم و رُوح اور دین و دنیا میں آشتی پیدا کی جن علمائے طبیعی کو رومۃ الکبریٰ کے رُہبان کچل رہے تھے، ہم نے انھیں اپنے دامن رافت میں پناہ دی اور مذہب و ایمان کا تاج ان کے سر پر رکھا۔ پھر جغرافیائی حیثیت سے بھی ہم اُمَّۃً وَّسَطًا ہیں یعنی رُبع مسکون کے عین وسطی حصوں میں آباد ہیں۔ بہ دیگر الفاظ ہم اُس چراغ کی طرح ہیں، جو وسطِ محفل میں جل رہا ہو۔ ہمارا یہ مذہبی و جغرافیائی فرض تھا کہ ہم دنیا کو علم و عرفان کی روشنیوں سے جگمگاتے اور اقوام عالم کی نگاہوں کو تجلیاتِ معارف سے خیرہ کرتے لیکن وائے برما! کہ جہالت سے ہمارا اپنا گھر اتنا تاریک ہو رہا ہے، سینوں میں دل اندھے ہو چکے ہیں۔ آنکھیں دیکھنے اور کان سننے سے جواب دے بیٹھے ہیں۔ فرمائیے! اس قوم کا حشر کیا ہوگا:

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ۔ (بنی اسرائیل ۷۲)	جو لوگ یہاں اندھے ہیں، انھیں وہاں بھی اندھا ہی رکھا جائے گا۔

تمثیل | ایک بادشاہ اپنے محل کو جواہرات سے سجاتا ہے، دنیا کے بہترین صناع نقاشی کرتے ہیں، ایرانی غالیچے بچھائے جاتے ہیں، سنہرے پردے لٹکائے جاتے ہیں۔ بہترین پھولوں کے گلدستے سجائے جاتے ہیں اور زیب و زینت کا آخری کمال دکھلایا

جاتا ہے، پھر کتنا ظلم ہوگا اگر اس کی چہیتی بیوی بچوں، خادموں اور درباریوں میں اس زیب و جمال کو پسند کرنے کی حس ہی موجود نہ ہو اور وہ اس محل میں بیل کی طرح داخل ہو کر اس کی سجاوٹ سے غیر متاثر رہتے ہوں۔

یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ مَلِکُ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ نے طارمِ فلک کو کن خیرہ ساز نقوش سے آراستہ کر رکھا ہے۔ فرشِ زمین پر پھولوں کی کیا قیامت انگیز بہار جما رکھی ہے۔ کائنات میں حسن و شباب کا کیا طوفان اُبل رہا ہے اور کس انداز سے عطریت و صباحت ہر سو خیمہ آرا ہے لیکن حسرت ہے، ہماری آنکھیں ان حسن و جمال سے متمتع ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتیں۔ ایک بیل کو کیا معلوم کہ طلوع و غروبِ آفتاب کی رنگینیوں میں کیا حسن ہے؟ اور ایک اکھڑ دہقانی کو کیا علم کہ ساون کی اودی اودی گھٹائیں کیف و مستی کا کیا کیف انگیز پیام دے رہی ہیں:

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ۔ (صافات) ہم نے آسمان کو حسین ستاروں سے سجا رکھا ہے

ہے کوئی لطف اٹھانے والا؟ ہے کوئی پسند کرنے والا؟ اور ہے کوئی دیکھنے والا؟

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ (حجر ۱۶)	ہم نے آسمان کو کئی حصوں میں بانٹ کر اسے اہلِ نظر کے لیے سجا دیا ہے۔

تمہارے لیے اگر یہ درست ہے کہ قرآن کے اولین و آخرین مخاطب ہم ہی ہیں، تو سنیے، قرآن کیا کہتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝	اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کیے، جس نے بارشیں برسا کر تمہارے لیے پھل تیار کیے، سمندروں میں الٰہی قانون سے تیرنے والے جہاز تمہارے قبضے میں دیے، نہریں تمہارے لیے مسخر کیں،

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ (ابراہیم ۳۴-۳۳)	گھومنے والے آفتاب و ماہتاب پر تمھیں حکمران بنایا اور لیل و نہار کا سلسلہ تمہارے بس میں کر دیا نیز تمھیں وہ سب کچھ دیا جس کی تمھیں تمنا تھی

اس آیت میں لَكُمْ (تمہارے لیے) کا لفظ پانچ دفعہ استعمال ہُوا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں مسلمانوں[۱] کے لیے تھیں اور مسلمانوں کے واسطے سے باقی عالم انسانیت کے لیے لیکن آج سورج، بجلی، روشنی اور ایتھر کو فرنگ نے مسخر کر رکھا ہے سمندروں کی مہیب سطح پر اُن ہی کی حکومت ہے۔ باغات و انہار کے مالک وہی ہیں آبشاروں اور نہروں سے وہی لوگ بجلی نکال کر دنیا کو روشنی و طاقت دے رہے ہیں اور ہم بجلی کے لیمپ کو دیکھ کر صرف حیران ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (بقرہ-۲۵۸) | اللہ اپنے اوپر ظلم توڑنے والوں کو کبھی سیدھی راہ پر نہیں ڈالتا۔

فرشِ زمین | اللہ نے زمین کو ہمارے لیے بستر بنایا ہے:

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا۔ (بقرہ-۲۲) | اللہ نے زمین کو تمہارے لیے بستر بنایا ہے۔

اور مقامِ حیرت ہے کہ ہم اپنے بستر کی ماہیت تک سے ناواقف ہیں۔ ہمیں یہ قطعاً معلوم نہیں کہ یہ زمین کن عناصر سے تیار ہوئی، کب بنی، کس سہارے پر قائم ہے، اس کے بطن میں کیا ہے اور یہ اس پر پانی کہاں سے آگیا؟ ہمارا یہ "ہمہ داں" مُلّا کہتا ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی قدرت سے ہُوا، لیکن کیا اس قدرت کا علم حاصل کرنا ہمارے فرائض میں شامل نہیں؟ اگر نہیں تو اس ارشاد کے کیا معنی ہیں؟

---

[۱] مسلمان سے مراد وُہ لوگ ہیں جو ایمان، صلوٰۃ اور نفقات کی حقیقت سے واقف ہو کر کائناتِ الٰہی سے مستفید ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جیسا کہ آیتِ محولہ سے اوپر کی آیت میں مذکور ہے:
قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا الخ (مدیر البیان)

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ (مائدہ - ۹۷)	یہ اس لیے تاکہ تمھیں پتہ لگ جائے کہ اللہ کا علم ارض و سما کو محیط ہے۔

فولاد | فولاد سے تیار شدہ اشیاء مثلاً جہازوں، طیاروں، ٹینکوں اور توپوں کی ہیبت سے آج دنیا لرز رہی ہے۔ وہ قومیں کس قدر طاقت ور بنی بیٹھی ہیں، جنھیں استعمال فولاد کا علم حاصل ہے اور وہ قومیں کس قدر ضعیف و ذلیل ہیں، جو اس علم سے بے گانہ ہیں آج سے ۱۳۰۲ سال پہلے ایک اُمی (فداہ ابی و امی) نے فاران کی چوٹیوں سے مسلمانانِ عالم کو یہ پیغام سنایا تھا کہ

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (حدید ۲۵)	ہم نے فولاد اتارا جس میں زبردست ہیبت اور دنیا کے لیے بے شمار فوائد ہیں۔

لیکن درود خوان مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہ دی اور ذلت و رسوائی کے جہنم میں دھکیل دیے گئے۔ اگر آج ہماری برائے نام اسلامی سلطنتیں فولاد کے استعمال سے آگاہ ہو جائیں تو ان کا موجودہ ضعف قوت میں اور انحطاط عروج میں بدل جائے۔

ان آیات کی موجودگی میں یہ کہنے کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ قرآن تمام زمانوں کے لیے درسِ ہدایت نہیں؟ فی الحقیقت رسولِ عربی علیہ السلام کا دیا ہوا پیغام وہ عالی شان دستور العمل ہے، جس پر کاربند ہونے کا لازمی نتیجہ زندگی، قوت، حشمت، تسخیر بحر و بر اور تمکن فی الارض ہے:

"وصلی اللہ علی نورٍ کزو شد نورہا پیدا"

نکتہ | یہ امر قابلِ غور ہے کہ قرآن حکیم میں فقہی آیات عموماً يَسْــَٔلُوْنَكَ کے جواب میں ملتی ہیں، مثلاً: يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ...... يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ۝ (بقرہ ۲۱۹) وغیرہ اور مطالعہ کائنات پر نہایت تاکیدی اوامر نازل ہوئے ہیں، جن سے امر اِلٰہ

کی سزا قومی و ملی ہلاکت ہے۔

ایک تاریخی واقعہ | حضرت عزیر علیہ السلام بیت المقدس کے پاس سے گزرتے ہیں، جسے بخت نصر تباہ کر چکا تھا اور سوچتے ہیں کہ کیا اس ہلاک شدہ بستی کا احیاءِ ثانی ممکن ہے؟ تو اللہ نے آپ کو سو سال کے لیے موت دے دی اور پھر زندہ کر کے فرمایا:

فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ (بقرہ-۲۵۹)	اپنے طعام (انجیر) اور پینے کی چیز (دودھ) کی طرف دیکھ کہ سو سال کی لمبی مدت میں بھی کوئی چیز خراب نہیں ہوئی۔

دودھ اور انجیر کا اتنے عرصے تک خراب نہ ہونا کوئی معجزہ نہیں، بلکہ آج ماہرین فواکہ، اشربہ و اغذیہ کو اس قابلیت سے ڈبوں میں بند کرتے ہیں کہ سالہا سال تک خراب نہیں ہوتیں۔ اسی آیت کا مندرجہ ذیل ٹکڑا:

وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا (بقرہ-۲۵۹)	اپنے گدھے پر غور کر اور ہم تمہیں دنیا کے سامنے ایک نمونہ بنا کر پیش کرنے والے ہیں۔ پھر ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح انھیں ترتیب دے کر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

موجودہ علم التشریح کی طرف کس زور کی دعوت ہے۔ جب عزیر علیہ السلام گدھے اور اس کی ہڈیوں کی ترتیب پر غور کر چکے، تو الٰہی صناعی و تخلیق سے مرعوب ہو کر پکار اٹھے:

قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ[1] ۝ (بقرہ-۲۵۹)	تو عزیر پکار اٹھا کہ مجھے الٰہی قدرت کا علم حاصل ہو گیا۔

---

[1] اس قصہ میں تاویلِ آیات اور تعیینِ شخصیت کے لیے مفسرین نے کئی راہیں اختیار کی ہیں۔ ہمارے نزدیک قرینِ صحت وہ تشریح ہے جو حضرت خواجہ احمد الدین مرحوم کے قلب پر منکشف ہوئی۔ کما فی تفسیرہ "بیانٌ للناس"۔ ان کے نزدیک یہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایک مثالی قصہ ہے، جیسا کہ کافِ تشبیہ سے ظاہر ہے، اس کی نظیریں قرآن مجید میں ملتی ہیں، مثلاً:

كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ (انعام ۷۱)	اس شخص کی مانند جسے شیطانوں نے زمین کے اندر کسی گڑھے میں، حیران کر کے نیچے گرا دیا (اور دلدل میں پھنسا دیا) ہو۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

گویا تو مستحب قرار دیا ہے اور یا چھپایا جاتا ہے۔

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ (انعام-۹۱) | تم نے کتاب الٰہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ کچھ حصہ تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر حصہ ہڑپ کر جاتے ہو۔

کیا قرآن میں سات سو پچپن آیات، مطالعۂ کائنات کے متعلق موجود نہیں؟ تو پھر تمہارے وعظوں اور خطبوں میں ان آیات کا کیوں ذکر نہیں آتا؟ تمہارا ہر وعظ صلوٰۃ و ریش تک کیوں محدود ہوتا ہے؟ تم کیوں وسائل قوت سے بحث نہیں کرتے؟ تم فروعاتِ اختلافی پر زور دے کر حبل اللہ کے پرزے کیوں اڑاتے ہو؟ تمہارے دل و دماغ اور سمع و بصر پر کیوں پردے پڑے ہوئے ہیں؟

اُمتِ مسلمہ ایک جسم ہے جسم کے لیے ہاتھ پاؤں اور دل و دماغ کی ضرورت ہوتی ہے علماً قوم کا دماغ ہیں جس طرح دماغ کا کام حکم دینا، و سوچنا اور اعضاء کا کام تعمیل کرنا ہے، اسی طرح علماء کا منصب تمام قوم کو حکم دینا ہے۔ ایک عالم کی تباہی ایک جہان کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

اِذَا زَلَّ الْعَالِمُ ضَلَّ الْعَالَمُ | اگر ایک عالم کا پاؤں پھسل جائے تو ایک جہان گمراہ ہو جاتا ہے۔

قرآن میں بار بار مذکور ہے کہ قوم کی اصلاح کے ذمہ دار مولوی ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ (مائدہ-۶۳) | یہ مولوی اور پیر قوم کو جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ یہ لوگ بڑے بدکار ہیں۔

عِبَادَ اللّٰهِ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ۔ اللہ کے بندو! اللہ سے معافی مانگو!

انتساب: جب کوئی فرد قوم کے لیے کسی پہلو میں مفید ثابت ہوتا ہے تو اس کی یادگار باقی رکھنے کے لیے عمارت وغیرہ کو اس کے نام پر منسوب کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً سر گنگا رام ہسپتال، سر فضل حسین لائبریری، وولٹر ہوسٹل لاہور ایمرسن کالج۔ اللہ کے ہاں حشرات

دواب اور اشجار و احجار کو وہ اہمیت حاصل ہے کہ قرآن حکیم کی بعض سورتیں اُن کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ سورۂ بقرہ میں ۲۶۱۲، الفاظ اور ۲۸۶، آیات ہیں مختلف مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جنت و دوزخ کا ذکر ہے۔ ایمان و نفاق پر بحث ہے۔ مختلف پیغمبروں کے تذکرے موجود ہیں۔ بنی اسرائیل کے عروج و زوال پر تفصیلی بحث ہے اور بہت کچھ ہے، لیکن اس سورہ کا نام بقرہ (گائے) رکھا گیا۔ مومن، جنت، موسیٰ، عیسیٰ یا کتاب نہیں رکھا گیا۔

اسی طرح بعض دیگر سورتوں کے نام یہ ہیں:

نمل (چیونٹی) نحل (مگس شہد) عنکبوت (مکڑی) انعام (چوپائے) دخان (گیس، سٹیم، دھُواں) مائدہ (طعام) الکھف (غار) نور (روشنی) صافات (اُڑتے ہوئے پرندے) طور (پہاڑ کا نام) نجم (ستارہ) قمر (چاند) حدید (فولاد) قلم (آلۂ تحریر و تصنیف) الدھر (زمانہ) انفطار (پہاڑوں وغیرہ کا پھٹنا) البروج (آسمان کے حصے) الطارق (مسافرِ شب یعنی ستارے وغیرہ) الفجر (صبح) البلد (شہر) الشمس (سورج) الیل (رات) الضحیٰ (طلوعِ آفتاب کے بعد کا وقت) التین (انجیر) زلزال (کانپنا۔ زلزلہ) العصر (زمانہ) الفیل (ہاتھی) لہب (آگ کا بھڑکنا) الفلق (طلوعِ صبح) الناس (انسان)۔

غور فرمائیے! مناظرِ کائنات کو کس قدر اہمیت حاصل ہے کہ کتاب الٰہی کے کئی حصے ان کی طرف منسوب ہیں:

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد   عالمے از ذرّۂ تعمیر کرد
کوہ و صحرا، دشت و دریا، بحر و بر   تختۂ تعلیمِ اربابِ نظر   (اقبالؒ)

علم | انسانی علم کا تعلق مندرجۂ ذیل اشیاء سے ہو سکتا ہے:

(١) پانی سے۔ مثلاً اشربہ وادویہ وغیرہ تیار کرنا۔

(٢) زمین سے۔ زمین سے انہار کھودنا، معادن نکالنا، طبقات الارض کی چھان بین، پٹرول اور کوئلہ کی تلاش۔

(٣) ہوا سے۔ ہوا میں اُڑنا، ہوا کا تجزیہ، ہوا کی طاقت کو استعمال کرنا، وغیرہ۔

(٤) آگ سے۔ سٹیم بنا کر سامانِ حیات تیار کرنا، انجن بنانا، ائمۃ الکفر کے لیے آتش بار طیارے، ٹینک اور توپیں تیار کرنا۔

(٥) نباتات سے۔ تجزیۂ نباتات کے بعد خواص نباتات معلوم کرنا۔ نباتات سے علاج امراض وغیرہ۔

(٦) حیوانات سے۔ حیوانات سے سواری و باربرداری کا کام لینا، اچھی نسلیں پالنا، چمڑے رنگنا، پوستینیں تیار کرنا اور کعبہ میں ہر سال کئی لاکھ ذبح شدہ حیوانات قربانی کو بجائے نقصان رساں ہونے کے مفید بنانا۔

(٧) اجسام النّاس سے۔ علم الاعضاء، علم الطّب، تشریح الافعال وغیرہ۔

(٨) نفوس سے۔ علم العبادات، شاعری، موسیقی وغیرہ۔

گویا کائنات کا ہر منظر عجائبات کی ایک دنیا پہلو میں لیے دُبکے بیٹھا ہے۔ ہر ذرّہ ہمیں قوّت و جبروت کا ایک لازوال پیام دے رہا ہے اور ہر پتّہ بقا و صلاحیت کی حیات انگیز داستان سُنا رہا ہے، لیکن افسوس کہ ہم اِن آیات سے غافل ہیں:

يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف ١٠٥) | یہ لوگ مناظر کائنات سے آنکھیں بند کیے گذر جاتے ہیں۔

شعاعیں | ١٨٩٤ء میں "ایکس ریز" دریافت ہوئیں، جو نہ صرف انسانی پوست و استخوان سے پار ہو جاتی ہیں، بلکہ کئی انچ موٹے لوہے سے بھی گذر جاتی ہیں۔ آج اِن شعاعوں کو مسخر کرنے کے بعد اہلِ مغرب نے دنیائے طب میں ایک تہلکہ ڈال رکھا ہے۔ ریڈیم کی قدرو

قیمت سے ایک دنیا آگاہ ہے۔ آج سے چند سال پہلے یورپ کے مشہور فاضل پروفیسر ملیکن نے ایک ایسی شعاع دریافت کی، جو ریڈیم سے بھی زیادہ مفید و طاقت ور ہے۔ پروفیسر آرتھر اڈنگٹن "کاسمک شعاعوں" (Cosmic Radiation) پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جو "کاسمک شعاعیں" عالمِ بالا سے تخلیقِ ارض سے پہلے روانہ ہوئی تھیں، وہ زمین پر اب پہنچی ہیں۔ یہ مقدار میں بہت کم اور طاقت میں بہت زیادہ ہیں۔ نباتات و ازہار (پھولوں) کا تنوع انھی کی وجہ سے ہے۔ آغازِ آفرینش میں صرف ایک پھول کسی پودے پر لگا ہوگا۔ جب اس پودے کے بیج زمین پر جھڑے تو کسی بیج میں "کاسمک شعاع" داخل ہوگئی۔ فوراً اس میں ایک تغیر آگیا چنانچہ اس بیج کے پھول رنگ و صورت میں دوسرے ہم جنسوں سے الگ ہوگئے۔ یہ گل لالہ و گلاب کی مختلف قسمیں اس شعاع کی کارستانیاں ہیں۔

شعاعی جنکشن | ایک انچ بھر فضا میں سے وہ تمام شعاعیں گذر رہی ہیں جو پانی، گھاس، عمارات اور شمس و قمر سے نکل کر ہر طرف پھیل رہی ہیں۔ اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس انچ بھر جگہ میں سے کروڑوں اجرامِ سماوی کی شعاعیں ایک دوسری کو کاٹتی ہوئی گذر رہی ہیں قطبی ستارے کی ضعیف ترین شعاع آفتاب کی طاقت ور موجِ نور کو چیر کر جارہی ہے اور ایک بہت بڑا ریلوے جنکشن، اس انچ بھر فضائی مقام کے مقابلے میں برباد نظر آتا ہے۔

روشنی کی طاقت | روشنی ایک مہیب طاقت ہے، جو کرنوں کا زینہ لگا کر آسمان سے اتر رہی ہے۔ اگر ہم اُس روشنی کو جمع کر سکیں جو ٹینس کے مقام پر صرف ایک دن میں پڑتی ہے تو اس قوت سے دو سو گھوڑوں کی طاقت کا ایک انجن قیامت تک چلایا جا سکتا ہے۔

روشنی کی قیمت | ہم اپنے کارخانوں اور گھروں میں بجلی سے کام لیتے ہیں جس کا منبع اوّلین آفتاب ہے۔ یورپ کے ایک ماہر طبعیات نے اندازہ لگایا ہے کہ تمام دنیا میں ہر سال صرف ½ چھٹانک وزن کی بجلی خرچ ہوتی ہے جس کے پیدا کرنے پر ۴۰ کروڑ روپیہ لاگت آتی ہے۔ دوسری طرف جو روشنی سورج سے صرف ایک دن میں زمین پر آتی ہے اُس کا وزن ۴۴۴۸۰ من ہے۔ بجلی کے حساب سے اِس روشنی کی قیمت ۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ ڈالر بنتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ کا لطف عمیم دیکھو کہ ہم ایک پائی تک صَرف کیے بغیر طاقت کے اِس بے پناہ خزانے سے متمتع ہو رہے ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ (الرحمٰن ۱۳) | تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔

علمائے مغرب کا خیال یہ ہے کہ آفتاب ہمیں دس ارب سال تک اور روشنی دیتا رہے گا۔

گہوارۂ زمین | ابتداء میں زمین ہموار تھی اور اس پر ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اگر آج زمین کو پھر ہموار کر دیا جائے تو ہر مقام پر تقریباً دس ہزار فٹ گہرا پانی چھا جائے۔ کچھ مدت کے بعد زمین کی اندرونی حرارت سے بطن الارض کے مواد اچھل کر باہر آ گئے اور ہر سُو پہاڑ نظر آنے لگے۔ زلزلوں کے علاوہ پانیوں کی شکست و ریخت اور طول زمان نے بھی سطح زمین کو ناہموار بنانے میں کافی حصہ لیا۔ زمین کا ناہموار ہونا ایک الٰہی رحمت ہے، ورنہ یہ انسانی و حیوانی زندگی کا گہوارہ نہ بن سکتی۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا ۔ (طٰہٰ ۵۳) | اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمھارا گہوارہ بنایا۔

عادتِ الٰہیہ | بعض حیوانات بعض اعضاء کو زیادہ استعمال کرتے ہیں تو وہ بڑھ جاتے ہیں اور بعض کو کم استعمال کرتے ہیں تو وہ رفتہ رفتہ مٹ جاتے ہیں، نباتات میں بھی یہی سُنّتِ الٰہیہ جاری ہے۔ کچھ صدیاں پیشتر کیلے کی پھلی میں امرود کی طرح چھوٹے چھوٹے بیج ہوا کرتے تھے، جن کی کاشت سے کیلہ پیدا کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ کیلے کی شاخیں لگانے

کا رواج ہو گیا۔ جب قدرت نے دیکھا کہ بیج کا استعمال نہیں کیا جاتا تو آہستہ آہستہ بیج کا خاتمہ ہی کر دیا اور آج کیلے میں بیج دکھائی نہیں دیتا۔ قدرت کا ازل سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ صرف اُن اقوام کو دنیا میں باقی رکھتی ہے، جو مفید ہوں اور غیر مفید اقوام کو کیلے کے بیج کی طرح مٹا دیتی ہے۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (رعد-۱۷) | زمین میں صرف اُسی کو بقائے دوام حاصل ہوتا ہے جو دنیا کے لئے مفید ہو۔

اللہ سنتا ہے | آج ہم تموج ایثری کی بدولت ہزارہا میل دُور کی باتیں چشم زدن میں بلا تار و سلسلہ سُن رہے ہیں۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ ایثر اللہ کے دائرۂ اختیار کے اندر ہے یا باہر؟ اگر اندر ہے تو لازماً کائنات کی ہر آہٹ، ہر صدا اور ہر جنبش جو ایثر میں تموّج پیدا کر سکتی ہے، اللہ تعالیٰ سے کس طرح پنہاں رہ سکتی ہے[1]۔ نظریۂ امواجِ ایثری نے ہمیں یقین دلا دیا کہ

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ۝ | اللہ سُنتا اور دیکھتا ہے۔

امپیریل کالج آف سائنس (لنڈن) کے ایک پروفیسر مسٹر ولیم ایک دفعہ انسانی کان کی ساخت پر غور کر رہے تھے۔ الٰہی صناعی کے حیرت انگیز کمالات سے مرعوب ہو کر چلّا اُٹھے:

"He who planted ears shall He not hear?"

"جس اللہ نے کان ایجاد کیے ہیں، کیا وہ خود صفتِ سمع سے محروم ہے؟"

سبحان اللہ! پروفیسر ولیم کو اپنے علم و مطالعہ کی بدولت اللہ کی صفتِ سمع پر وُہ روح افروز ایمان حاصل ہے جس کا خیال تک ہمارے کافر گر مولویوں کو نہیں آسکتا۔

---

[1] بلکہ (نعلم ما توسوس بہ نفسہ) اللہ تعالیٰ نفسِ انسان کے وسوسوں تک سے واقف ہیں۔ (مدینۃ البیان)

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد — مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
نہ فلسفی سے نہ مُلّا سے ہے غرض مجھ کو — یہ دل کی موت، وہ اندیشہ و نظر کا فساد (اقبالؔ)

ماحول سے تطابق تمام کائنات کی ترکیب بجلی کے خورد بینی ذرات یعنی منفیوں (Electron) سے ہوئی۔ منفیوں کا اختلاط مثبت ذراتِ برقیہ یعنی مثباتیوں (Protons) سے ہوا اور یہ مرکب عقیمیہ (Neutron) کہلایا۔ چند عقیمیے مل کر جواہر (Atoms) بنے اور جواہر کا مجموعہ سالمہ (Molecule) کہلایا۔ ہر جوہر اور ہر سالمہ بجلی کا ایک چھوٹا سا خزانہ ہے۔

نباتات کی ترکیب بھی انھی ذراتِ برقیہ سے ہوئی۔ صرف نام کا فرق ہے۔ نباتات میں عنصرِ نباتی کی ترکیب خلیوں (cells) سے ہوتی ہے۔ ہر خلیہ منفیوں اور مثباتیوں کا ایک مرکب ہوتا ہے۔ جس کے اجزائے ترکیبی نباتیے (Protoplasm) کہلاتے ہیں۔ یہ خلیہ کوئی مُردہ چیز نہیں۔ بلکہ ایک نہایت حسّاس و پیچیدہ خزانۂ حیات ہے، جس کے مقابلے میں گھڑی یا مطبع کی مشین از بس سادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہر نباتیے میں ماحول کے ساتھ بدلنے کی حیرت انگیز استعداد موجود ہے۔

آغاز میں پودے سمندر کے ساحل پر نمودار ہوئے تھے، جب اُن کے بیج جھڑے تو آندھیاں، پرندے، اور بارشیں انہیں نئے ماحول میں لے گئیں، جہاں پودوں میں کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی، جو گلاب کا پودا کسی جنگل میں اُگا تھا اور اُسے ہر وقت حیوانات کی غذا بننے کا ڈر رہتا تھا۔ قدرت نے حفاظت کی خاطر اس کے ساتھ بہت زیادہ کانٹے لگا دیے اور جو گلاب کسی باغ میں اُگا تھا جس کے ارد گرد اونچی دیوار تھی اور ایک مالی بھی حفاظت پر مقرر تھا۔ اس کے کانٹے کم کر دیے گئے۔ پھر جنگلی اور بستانی پودوں میں بلحاظ نزاکت و لطافت بھی کافی فرق دیکھا گیا۔ باغ میں پودے مالی اور نظارگیوں کی خواہش سے بھی

متاثر ہو کر زیادہ خوش نما و نازک بن گئے۔

شنر نے کہتا ہے کہ میں نے پائیں باغ کے ایک کونے میں پپی کا ایک پھول دیکھا جس کے کنارے کچھ سفیدی مائل تھے۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ یہ پھول بالکل سفید ہو جائے۔ اگلے سال یہ پھول زیادہ سفید ہو گیا اور چند سال بعد بالکل سفید۔

نباتات کی طرح حیوانات کو بھی نئے ماحول میں نئے اعضاء و آلات مل جاتے ہیں۔ پرندے کی چند ہڈیاں صرف گیس سے پُر ہوتی ہیں تا کہ ہوا میں اپنا بوجھ آسانی سے اٹھا سکے۔ مینڈک کی وہ تھیلی جو پانی میں تیرنے کے کام آتی ہے، خشکی پر پھیپھڑے کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ اسی طرح مچھلی کو پانی میں جس قدر آلات کی ضرورت تھی، وہ سب عطا ہوئے۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ بغیر کسی قوتِ ناظمہ کے ہو رہا ہے؟ کیا کائنات کی اس حیرت انگیز مشین کو چلانے کے لیے کوئی دماغ مصروفِ عمل نہیں؟ کیا یہ اختلاط و امتزاج اور یہ ماحول کے ساتھ حیرت انگیز تطابق خود بخود ہو رہا ہے؟ کیا یہ تخلیق و آفرینش کے بصیرت افروز معجزے محض حسنِ اتفاق سے ظاہر ہو رہے ہیں؟ کیا تکوین و تدوین کے یقین انگیز شعبدے بغیر کسی آنکھ، ہاتھ اور دماغ کے سرزد ہو رہے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایک مغربی عالم کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"The idea of Mind behind and Mind within seems as rational and working hypothesis as any."

"یہ خیال کہ ایک دماغ کائنات کے اندر اور باہر مصروفِ عمل ہے، ایک معقول اور قابلِ یقین تخیل ہے۔"

رفتارِ آفرینش | زمین میں ارتقائے آفرینش پر لاکھوں صدیاں صرف ہوئیں۔ ایک وہ وقت بھی تھا کہ کائنات عقل سے محروم تھی۔ انسان کی تخلیق نے اس کمی کو پورا کیا۔

دوسرے لفظوں میں انسان کی ایجاد گزشتہ تاریخ تخلیق کا آخری و اکمل باب تھا۔ ابھی ایسے دماغ آئیں گے جن کی تمہید ہم ہیں۔ خدا جانے یہ دنیا کہاں جا رہی ہے۔ آج سے دس لاکھ بعد کیسے انسان آئیں گے اور ان کے دماغ کس قدر بلند ہوں گے، کوئی نہیں بتلا سکتا۔ برنارڈ شا کہتا ہے کہ کئی لاکھ سال بعد انسانی عقل ارتقاء کی اُس منزل تک جا پہنچے گی کہ طیاروں اور موٹروں سے ہزار گنا زیادہ تیز رفتار سواریاں ایجاد ہو چکی ہوں گی اور جس طرح کہ آج حجری زمانے کے آلات و ظروف اور ازمنہ وسطیٰ کی منجنیق عجائب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے، اُس زمانے میں طیارے وغیرہ زمانۂ جاہلیت کی یادگار سمجھ کر عجائب گھروں میں رکھ دیے جائیں گے۔ سچ ہے:

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝ (مرسلت۔ ۱۶-۱۷)	کیا ہم نے پہلی نسلوں کو تباہ کر کے اُن سے بہتر اور نسلیں پیدا نہیں کیں؟

تلافیٔ مافات انسانی بدن کی مشین پر غور فرمائیے۔ ایک ڈاکٹر اس اعتماد پر جسم میں سوراخ کر دیتا ہے کہ اندر ایک حیرت خیز مشین پوست و گوشت بنانے پر لگی ہوئی ہے۔ اگر تلافیٔ مافات کا یہ قدرتی سلسلہ نہ ہوتا تو ہزارہا مریض عمل جراحی (اپریشن) کے بغیر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک سلسلہ عالم اخلاق میں بھی کام کر رہا ہے۔ ہم گزشتہ گناہوں اور کج راہیوں کی تلافی توبہ و ندامت سے کر سکتے ہیں اور برہمنوں کا یہ اصول کہ گناہ کی تلافی نہیں ہو سکتی، درست نہیں۔

... ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (نساء ۱۰)	... جو لوگ جلدی ہی سنبھل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ خامیوں کو نظر انداز فرما دیتا ہے۔

اللہ کا دار الحکومت اگر مریخ کا کوئی باشندہ بمبئی کے بازاروں میں سرما کی کسی رات کو اتر آئے تو وہ ہر طرف بلند عمارات اور خوبصورت دکانیں دیکھے گا جن میں بجلی کے قمقمے نور

کا سیلاب امڈا رہا ہوں گے۔ موٹروں کا تانتا بندھا ہوا ہوگا۔ ہر طرف ایک چہل پہل نظر آئے گی تو کیا وہ یہ خیال کرے گا کہ یہ تمام رونق خود بخود پیدا ہو گئی؟ کیا ایک جوہری کی دکان پر چاندی اور سونے کے برتن شیشے کی الماریوں میں خود بخود قرینے سے سج گئے؟ کبھی نہیں۔ ذرا اندھیری رات میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو، ستاروں کے قمقمے کس شان و شکوہ سے جل رہے ہیں۔ نور و تجلی کا کیا سیلاب اُمنڈ رہا ہے۔ کہکشاں کی شاہ راہوں پر کروڑوں آفتاب کیسی بہار دکھلا رہے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کسی عظیم الشان فرماں روا کا دارالحکومت ہے۔

سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ | کیا یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ اس سے بہت بلند اور پاک ہے۔

کائنات کے اس لرزہ فگن سلسلے پر غور کرنے کے بعد جرمنی کا مشہور مفکر آئن سٹائن پکار اٹھا:

"The Universe is ruled by mind and whether it be the mind of a mathematician or of an artist or of a poet or all of them; it is the one reality which gives meaning to existence, enriches our daily task, encourages our hope and energizes us with faith wherever knowledge fails."

"کائنات پر ایک زبردست دماغ حکومت کر رہا ہے اور اس سے بحث نہیں کہ وہ دماغ ریاضی دان کا ہے یا مصوّر کا، شاعر کا یا ان سب کا۔ یہ ایک حقیقت ہے، جو ہماری حیات کو پُر معنی بناتی ہے، اُمیدوں کو اُبھارتی ہے اور جہاں علم کی روشنی ناکام رہے، وہاں ہمارے یقین کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہے۔"

یہی مفکر ایک اور مقام پر کہتا ہے:

"He who can no longer pause to wonder and stand rapt in awe is as good as dead and his eyes are closed."

"وہ انسان جو کائنات پر اظہارِ تعجب کے لیے ٹھہرتا نہیں اور اس پر خشیہ و تقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی، وہ مرچکا ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہوچکی ہیں۔"

آئن سٹائن کا یہ قول آیتِ ذیل کا تقریباً ترجمہ معلوم ہوتا ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ (اعراف - ۱۸۵)	کیا یہ لوگ کائناتِ ارض و سما اور دیگر الٰہی مخلوق پر غور نہیں کرتے؟ اور یہ کہ شاید ان کی اجل قریب آگئی ہو۔

ہمالہ کے بلند اور دہشت ناک سلسلے کے سامنے کھڑے ہو کر ایک انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی ہیبت انگیز جبار کے پُر عظمت دربار میں سہما ہوا کھڑا ہے۔ وہ ہر سُو وسیع و عمیق وادیاں، وہ حواس بر افگن سکوت، وہ رعب و ہیبت کی لا انتہائیاں اور وہ حیرت و تعجب کی بے پایانیاں۔ اللہ اللہ، انسانی عقل کپکپا اٹھتی ہے، کیا ان مہیب مناظر کی خالق وہی ہستی ہے، جس نے سوئزرلینڈ کے حسین و جمیل خطے کو اپنی رعنائیوں کا مظہر بنایا، یہ پھولوں کی دنیا، ندیوں کے نغمے، چڑیوں کے زمزمے، ہواؤں کی لطافتیں، فضاؤں کی ملاحتیں، دنیائے رنگ، جہانِ نیرنگ!

وہ سامنے سمندر کی پُر جبروت دنیا میں ہمالہ پیکر موجیں ایک ہولناک چٹان سے ٹکرا کر دھاڑتی ہوئی واپس آرہی ہیں۔ پانی کی یہ رعشہ انگیز دنیا کس قدر مرعوب کن ہے۔ دوسری طرف شبِ ماہتاب میں کسی خاموش، تنہا اور آسودہ جھیل کا منظر کس قدر

دل فریب ہے۔ اس کے ساحل پر وہ نیلے نیلے، اُودے اُودے پھول، عطر پتوں میں بسی ہوئی ساکن ہوا، سطحِ آب پر سویا ہوا سکون، گھاس میں نیم بیدار مگلے اور مرغابیاں۔ آہ! یہ منظر کتنا حسین، کس قدر مست ساز اور کتنا وجد آور ہے۔ ہم یوں محسوس کرتے ہیں کہ فطرت کی بہاروں میں گم ہو رہے ہیں۔ کسی مغربی فطرت شناس نے کیا اچھا کہا ہے:

"When we stand and gaze upon the scene before us we grow to feel a part of it. Something in it communicates with something in us. The communion brings us joy and joy brings us exaltation."

"جب ہم کچھ رُک کر اُن حسین مناظر پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو ہمارے سامنے حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے ہیں، تو ہم محسوس کرتے ہیں، گویا ہم ان مناظر کا ایک جزو بن چکے ہیں، اس حالت میں کائنات کا شاہدِ مستور ہم سے ہم کلام ہو جاتا ہے۔ یہ ہم کلامی کیفِ نشاط پیدا کرتی ہے اور یہ نشاط وجد و مستی میں تبدیل ہو جاتی ہے"

خیز و وا کُن دیدۂ مخمور را ۔۔۔ دُوں مخواں ایں عالمِ مجبور را
غایتش توسیعِ ذاتِ مسلم است ۔۔۔ امتحانِ ممکناتِ مُسلم است (اقبالؒ)

صدرِ محفل | ماہرینِ علم السماء نے اندازہ لگایا ہے کہ اس نیلی فضا میں ہمارے آفتاب سے لاکھوں گنا بڑے بے شمار سورج نہایت تیزی سے محوِ پرواز ہیں اور ہمارا آفتاب کائنات کے بے شمار شمسی نظاموں کے سامنے محض ایک ذرّے کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر یہ تمام شموس و اقمار مل کر قدرت کی لا انتہا دنیاؤں کی ایک چھوٹی سی کسر بنتے ہیں۔ انسان کائنات کی اس وسیع و عریض محفل میں صدر نشین ہے۔ کتنی بڑی تکریم اور کتنا بڑا اعزاز ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل ۷۰) | ہم نے انسان کو اشرفِ کائنات بنایا۔

انسان کی برادری کس قدر وسیع ہے، کہکشانی سیارے سے لے کر لالۂ صحرا تک سب کی رگوں میں ایک ہی خون (ذراتِ برقیہ) دوڑ رہا ہے سب کی پیدائش ایک ہی نفس (منفیہ) سے ہوئی، اس لیے یہ سمندر، پہاڑ اور آفتاب و نجوم انسان کے بھائی ہیں۔ گو انسان عمر اور قد میں چھوٹا ہے، لیکن "ہر چہ بہ قامت کہتر، بہ قیمت بہتر"

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اعراف ۱۸۹)	اللہ وہ ہے، جس نے تمھیں ایک نفس (منفیہ) سے پیدا کیا ہے۔

ہمیں اس پُر شکوہ کائنات کا سردار بنا کر بھیجا گیا تھا، لیکن حالت یہ ہے کہ ہم قدم قدم پر آئینِ فطرت توڑتے ہیں۔ باقی تمام کائنات اپنے دستورِ عمل کو نباہ رہی ہے اور انسان:

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ (عصر ۱ و ۲)	تاریخِ عالم (و العصر) شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ خسارے میں رہا۔

کیا یہ محض حسنِ اتفاق ہے؟ ہماری زمین آفتاب سے نکلی تھی، اس لیے ارضی برقیوں کا منبع بھی آفتاب ہے۔ سورج سے نکلے ہوئے یہ ذرات آج طیور و وحوش اور لالہ و گل کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان شعلوں کو یہ شکل کس نے دی؟ کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا؟ ہم مانتے ہیں کہ ساری دنیا میں اتفاق بھی کوئی چیز ہے، لیکن اتفاقات یا مواقع اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ پھر یہ کیوں ہے کہ تخلیقِ کائنات میں تمام اچھے مواقع استعمال کیے گئے اور بُرے اتفاقات کو چھوا تک نہیں گیا؟ اس لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ کوئی نگران آنکھ اور کوئی زبردست دماغ مصروفِ عمل ہے جو تمام تعمیری مواقع مہیا کر رہا ہے اور تخریبی مواقع سے بچ رہا ہے۔ تخلیق و تکوین کے یہی وہ ایمان افروز معجزات ہیں، جن پر غور کرنے کے بعد پروفیسر لیم میکبرائڈ چلا اٹھا تھا:

"Can anyone seriously suggest that this directing and regulating power originated in chance encounters of atoms? Can the stream rise higher than the fountain?"

"کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ خیال کرسکتا ہے کہ کائنات میں یہ نظم و ہدایت عناصر کی اتفاقیہ آمیزش سے پیدا ہوگئی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی نہر اپنے منبع سے مرتفع تر سطح پر بہ سکے؟"

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ (مومنون ۱۷) | آفرینش کائنات سے ہم غافل نہیں تھے۔

نقشۂ تعمیر | آم کی گٹھلی ایک چھوٹا سا صندوق یا فریم ہے، جس میں آم کے درخت کا مکمل خاکہ و نقشہ مع پتّوں، ٹہنیوں اور پھل کے موجود ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا سا آم جو گٹھلی میں موجود ہے، زمین، ہوا اور آفتاب سے غذا و حرارت حاصل کرنے کے بعد پورا درخت بن جاتا ہے۔ یہ گٹھلی اُس نقشے کی طرح ہے جو انجینئر تعمیر عمارت سے پہلے تیار کرتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر جب آم اُگا تھا تو نقشہ کہاں تھا؟ جواب یہ ہے کہ خالق کے دماغ میں۔

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سبا ۳) | ذرّہ یا ذرّے سے کم و بیش کوئی زمینی اور آسمانی چیز ایسی نہیں، جو کتاب مبین یعنی علم الٰہی میں موجود نہ ہو۔

مخفی طاقت | تمام کائنات پر ایک غیر محسوس طاقت کا اثر نظر آتا ہے۔ ہر چند کہ یہ طاقت غیر مرئی ہے، لیکن یقیناً موجود ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ہم ریڈیو پر دس ہزار میل سے کوئی تقریر یا ڈرامہ سنتے ہیں اور کبھی کبھی متاثر ہو کر رو دیتے ہیں۔ مقرر دس ہزار میل دُور ہے اور ہم تک اس کی آواز ایتھر کی بدولت پہنچ رہی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہم ایتھر سے

متاثر ہو رہے ہیں جو ایک غیر محسوس طاقت ہے۔ اس سے واضح مثال یہ ہے کہ ایک سیب درخت سے ٹپکنے کے بعد نہ تو آسمان کی طرف دوڑتا ہے اور نہ افق کی طرف بھاگتا ہے، بلکہ کشش ارضی (ایک غیر محسوس طاقت) کے زیرِ اثر زمین کی طرف آتا ہے۔ دیکھا آپ نے کہ سیب کی اس افتاد پر ایک غیر مرئی طاقت کا کتنا زبردست اثر ہے۔ اسی طرح کی ایک طاقت تمام کائنات میں سرگرمِ عمل ہے، جسے اللہ کہا جاتا ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ (بقرہ، ۲۵۵) | اللہ کا تختِ سلطنت ارض و سما کو محیط ہے۔

جس طرح ہندوستان کے تمام دشت و جبل، باغ و راغ اور انسان و حیوان بلکہ ہندوستانی کہلاتے ہیں اور انسان ہندوستان کا دماغ ہے۔ پھر کسی خاص موقعہ (مثلاً جلسہ، تقریبات وغیرہ) پر صرف ایک منتخب انسان صدرِ بزم بنتا ہے، جو اہلِ ہند کے جذبات و خواہشات کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کائنات کی بھری محفل میں اللہ صدرِ محفل ہے، جو قوت، طاقت، خواہشات اور جذباتِ انسانی کا منبع و مصدر ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ (دہر، ۳۰) | پہلے اللہ ایک چیز کی خواہش کرتا ہے اور پھر تم۔[1]

دنیائے مغرب کا ایک حکیم عجائباتِ تکوین سے متاثر ہو کر پکار اٹھتا ہے:

> "The more we hnow the more we find there is to know. The farther we go, the greater is our joy. The deeper we penetrate the higher is our exaltation. So on and on we shall go laymen and scientists alike we shall never stop, because the lure is too great."

---

[1] یعنی انسانی اختیار، اختیارِ خداوندی کے ماتحت ہے۔ (مدیر البیان)

"جوں جوں ہمارا علمِ فطرت بڑھتا جاتا ہے، ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی کچھ اور بھی ہے، جسے جاننا چاہیے۔ اس کیف انگیز دنیا میں ہم جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، ہماری مسرتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مطالعۂ کائنات پر صرف کیا ہوا ہر لمحہ ہمیں بلند تر کیف و مستی کا پیام دیتا ہے۔ ہم سب (عوام و علماء) اس حسین منزل کی طرف بڑھتے چلے جائیں گے اور ٹھہریں گے نہیں، اس لیے کہ شاہدِ کائنات کی تجلیاں از بس نظر فریب ہیں۔"

وحدتِ کائنات پر فرانسس تھامپسن کا خیال ملاحظہ ہو:

"All things by immortal power
near and far,
Hiddenly to each other linked are,
That thou can not stir a flower,
Without trembling of a star."

"تمام قریب و بعید اشیاء کو ایک لازوال طاقت نے مخفی طور پر یک دگر باندھ رکھا ہے، جب تم ایک پھول کو چھیڑو گے تو فضائے گردوں میں ایک ستارہ کانپ اٹھے گا۔"

حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا نکلے اگر ذرے کا دل چیریں (اقبال)

اللہ اکبر! توحید پر اس سے بہتر مضمون کوئی کیا باندھے گا۔ یہی وہ زمزمہ ہائے ثنا و عبودیت ہیں جو قرنوں کے مسلسل مطالعہ و تفکر کے بعد ان کے دل کی گہرائیوں سے نکل رہے ہیں۔ کیا اللہ ایسے انسانوں کو سپردِ جہنم کر دے گا جن کی زندگیاں افعالِ الٰہی کی تلاش میں کٹ گئیں، جنھوں نے ہر پتے پر [illegible] الٰہی [illegible] دیکھے، ہر ذرے میں آفتابِ الوہیت کا تماشا کیا، ہر قطرے میں [illegible] کی صناعیاں [illegible] جمال دیکھیں [illegible]

سمجھائیں. کیا ایسے صاحبِ دل، روشن دماغ اور اربابِ سمع و بصر جن کی آنکھیں تجلیاتِ ربانی سے خیرہ ہو گئیں جن کے کان کائنات کے ہر ذرّے سے نغمہ ہائے تسبیح و تہلیل سنتے رہے اور جن کے دل انوارِ الوہیت کے نشیمن بن گئے، معتوب و مغضوب اور سوختنی و کشتنی ہیں اور تم اے ہمارے مُلّاؤ! جن کی نگاہیں تجلیاتِ فطرت سے بے نصیب، جن کے کان حجر و شجر کے زمزموں سے محروم اور جن کے دل فہم و ادراک سے کوسوں دور ہیں، اللہ کے محبوب اور جنت کے مستحق!

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاکِ مکہ بوجہل، ایں چہ بوالعجبی است (حافظ شیرازیؒ)

اگر یہ درست ہے کہ صرف تم ہی اللہ کے محبوب ہو تو پھر تمہارا رب تمہیں سزائیں کیوں دیتا ہے؟ اور تمہارے پیروؤں اور مریدوں پر فلاکت، جہالت اور ذلت کا غضب کیوں نازل ہو رہا ہے؟

...... نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ (مائدہ - ۱۸)	وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور لاڈلے ہیں، اُن سے ذرا یہ تو پوچھو کہ اگر تمہارا دعویٰ درست ہے تو اللہ نے تمہیں اپنے عذاب کی آہنی گرفت میں کیوں جکڑ رکھا ہے؟

اللہ کی ان خیرہ ساز و مبہوت کُن دنیاؤں میں انسان کی حقیقت ہی کیا ہے؟ وہ ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جو زمین پر رینگ رہا ہے، پھر اس خالقِ ارض و سما اور قہار و جبار کی نوازش دیکھو کہ وہ اس حقیر سی مخلوق (انسان) کی طرف کبھی پیغمبر بھیجتا ہے، کبھی اپنا جمالِ معنی دکھلاتا ہے اور کبھی ہم کلامی کا شرف عطا کرتا ہے۔ ایک عبرانی شاعر کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"When I consider Thy heaven,
the moon and the stars which Thou

hast ordained, what is man that Thou art mindful of him and the son of man that Thou visited him."

تجب میری نگاہ تیرے مہیب آسمانوں، ستاروں اور مہتاب پر پڑتی ہے، جو تیری مشیت سے مقہور و مجبور ہو کر سرگرم عمل ہیں تو مجھے خیال آتا ہے کہ خدا جانے یہ انسان کیا چیز ہے جس کی تجھے اس قدر فکر ہے کہ ابن آدم کو تو نے اپنا جلوہ بھی دکھلایا۔"

لنڈن یونیورسٹی کے ماہر علم التشریح پروفیسر ڈیوڈ فریسیر نے اللہ جانے انسانی بدن میں الٰہی تخلیق کے کیا شعبدے دیکھے کہ مبہوت ہو کر بول اٹھا:

"Our minds are overwhelmed by immensity and majesty of Nature."

"صحیفۂ فطرت کی مبہوت کن و لرزہ فگن عظمت سے دل دہل جاتا ہے"

یہی شیدائی فطرت ایک اور مقام پر کہتا ہے:

"We hardly know which to admire the more, the Mind that arranged Nature or the mind which interpreted it."

"ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اُس دماغ کی جس نے فطرت کو آراستہ کیا، یا اُس دماغ کی جس نے فطرت کی ترجمانی کی یعنی علمائے فطرت"

خالقِ کائنات بے حد جدّت پسند ہے۔ ایک حقیر ذرّۂ برقی سے کیا کچھ بنا ڈالا۔ اربوں اربوں انسان پیدا ہو چکے ہیں، لیکن تنوّع پسند رب نے ایک چہرہ دوسرے سے ملنے نہ دیا گلوں کی بوقلموں رنگت، حیوانات و حشرات کی لاتنا ہی انواع، جمادات کی بے شمار اقسام،

اثمار و فواکہ کے مختلف ذائقے اور کھرب در کھرب اشجار کے مختلف اوراق و اشکال پر انسان سوچتا ہے تو عالمِ حیرت میں کھو جاتا ہے کہ اس قدر مصروف اور اتنا سرگرمِ عمل خدا۔ اس قدر مہیب نگران اور اتنا جدت پسند رب! آئنسٹائن مرعوب ہو کر چلا اٹھا:

"What a marvellous imagination God Almighty has."

"رب ذوالجلال کس قدر حیرت انگیز تخیل کا مالک ہے"

یہ حسین دنیا ایک نگارستان ہے جس میں نظر فریب نقوش و تصاویر جنت نگاہ بنی ہوئی ہیں۔ ایک البم ہے جس کا ہر شاہکار لاجواب ہے اور ایک دیوان ہے جس کا ہر شعر کیف انگیز و وجد آور ہے۔ یہی وہ حسین اشعار تھے جن کو پڑھنے کے بعد سر جیمز جینز پکار اٹھا تھا:

"The Universe looks more like a great thought than a great machine."

"یہ کائنات کوئی مشین نہیں، بلکہ کسی شاعر کا زبردست تخیل معلوم ہوتی ہے"

فطرت کی لا انتہائیت[1] پر علامہ پیسکل کا قول ملاحظہ ہو:

"The Universe is a circle whose centre is every where, and cirunnference is nowhere."

"یہ کائنات ایک دائرے کی طرح ہے جس کا مرکز تو ہر جگہ نظر آتا ہے، لیکن محیط کہیں نہیں ملتا"

۱؎ بیدل نے کہا ہے:

از قہر بہار لم یزل، جو سینہ از باغ ازل
نہ آسماں گل در بغل، یک برگ سبز نگاشتت

(مدیر البیان)

توازن | ہماری زمین کی دو حرکتیں ہیں۔ ایک اپنے گرد اور دوسری سورج کے گرد۔ زمین ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی ہے۔ لیکن توازن کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی ہچکولا محسوس نہیں ہوتا۔ زمین کے اس حیرت انگیز عدل و توازن کو دیکھ کر سر جینز پکار اٹھے:

"The trembling Universe must have been balanced with unthinkable precision."

"اس کانپتی ہوئی کائنات میں ایک دقیق اور ماوراء الادراک صناعی سے عدل و توازن پیدا کیا گیا ہے۔"

واقعہ | ایک دفعہ سر ڈوڈ مشہور سائنسدان اپنی تجربہ گاہ میں قطرۂ آبی کا مطالعہ کر رہے تھے کہ انھیں معلوم ہوا کہ پانی کے ہر جوہر (Atom) کی ترکیب گھڑی کی مشین سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ آپ پر ایک وجد سا طاری ہو گیا اور فرط حیرت میں بول اٹھے:

"Oh God! How marvellous are Thy works."

"او رب! تیرے کام کس قدر حیرت انگیز ہیں۔"

سچ ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸) اللہ سے صرف علمائے فطرت ہی ڈرتے ہیں۔

یک رنگئ کائنات | کائنات میں کئی طرح سے یک رنگی ہے:

۱۔ ماحول سے تطابق عالم گیر ہے جیسے قطب شمالی میں جانوروں کے لیے بال، گرم خطوں میں کالا رنگ، حفاظت کے لیے ضعیف خرگوش اور ہرن وغیرہ کا ہم رنگ زمین ہونا، مچھلی کے آلاتِ شناوری اور پرندے کے پر اس عالم گیر اصول کی تصدیق کر رہے ہیں۔

جو حیوانات ماحول کے مطابق نہیں چل سکتے، انھیں اسی طرح میٹ دیا جاتا ہے، جس طرح مسلمان کو جو سائنس کی دنیا میں رہ کر اوراد و وظائف اور ریش و قبا پر تمام زور صرف کر رہا ہے!

۲۔ ہر چیز کی تکوین ذرات برقی (منفیے) سے ہوئی۔

۳۔ دنیا میں باہمی احتیاج عالم گیر ہے۔ اگر مختلف نمک اور بکٹیریا موجود نہ ہوں تو نباتات فنا ہو جائیں اور اگر نباتات نہ ہوں تو حیوانات ختم ہو جائیں۔

۴۔ یک رنگی کا کمال دیکھیے کہ ہر دل ایک منٹ میں ۷۰۔۷۲ دفعہ دھڑک رہا ہے۔ ہر پھیپھڑا ایک دقیقے میں ۱۶۔۱۷ دفعہ سانس لے رہا ہے۔ پانی کی سطح ہر جگہ برابر ہے۔ ہوا ہر مقام پر پانی سے ہلکی ہے۔ بکری کے پیٹ سے ہر جگہ بکری ہی پیدا ہو رہی ہے۔ الغرض بہار و خزاں، موت و حیات اور گردشِ نجوم و شموس وغیرہ میں ایک زبردست تناسب، حیرت انگیز ہم آہنگی اور ایک ایمان افروز یکسانیت پائی جاتی ہے:

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ (ملک۔۳)	الٰہی تخلیق میں تمھیں کہیں عدم تناسب یا فقدانِ ہم آہنگی نظر نہیں آئے گا۔ بار بار دیکھو، کیا تمھیں کوئی ایسی کمی نظر آتی ہے؟

اس آیت کی بہترین تفسیر مغرب کے ایک عالمِ فطرت کی زبانی سنیے:

"One plan, many variations, one design many modifications, one truth many versions."

"یہ کائنات کیا ہے؟ ایک نظام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک نظم ہے جس میں خوش گوار اختلاف ہے اور ایک صداقت ہے جس کی کئی تعبیریں ہیں۔"

سیموئل راجرز اپنے نتائج غور و فکر کا یوں اعلان کرتا ہے:

"The verv law which moulds a tear and bids it trickle from its source, that law preserves the Earth and guides the planets in their course."

"اللہ کی وہ مشیت جو قطرے کو آنسو بنا کر آنکھ سے ڈھلکا دیتی ہے۔ وہی مشیت زمین کو فضا میں تھامے ہوئے ہے اور ستاروں کی، ان کی معینہ گذرگاہوں پر حفاظت و رہنمائی کر رہی ہے۔"

ارض و سما کے اس تناسب و توازن کو دیکھنے کے لیے ایک تہ رس نگاہ کی ضرورت ہے۔ قدوری، حنفیہ اور ہمکی روفی کے "فاضل" کیا جانیں کہ کائنات کا خشیۃ انگیز و ایمان افروز توازن کس بلا کا نام ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ (رحمٰن۔۷)	اللہ نے آسمان کو فضائی وسعت میں اٹھا کر کائنات میں توازن پیدا کر دیا ہے۔

سموئل۔ اجرز فرماتے ہیں:

"We are at a loss to know which to admire the more, the mathematical accuracy of the Universe or the beauty of its design."

"ہم فرطِ حیرت سے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اس حسابی عدل و توازن کی جو زینتِ فطرت ہے یا اس حسین و جمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے؟"

روشنی اور بجلی کے انجن | روشنی کو حرارت سے جدا کرنا ناممکن ہے، لیکن جگنو کی دُم میں

جو حیوانات ماحول کے مطابق نہیں چل سکتے، انھیں اسی طرح میٹ دیا جاتا ہے، جس طرح مسلمان کو جو سائنس کی دنیا میں رہ کر اُوراد و وظائف اور ریش و قبا پر تمام زور صَرف کر رہا ہے۔

۲۔ ہر چیز کی تکوین ذراتِ برقی (منفیے) سے ہوئی۔

۳۔ دنیا میں باہمی احتیاج عالم گیر ہے۔ اگر مختلف نمک اور بکٹیریا موجود نہ ہوں تو نباتات فنا ہو جائیں اور اگر نباتات نہ ہوں تو حیوانات ختم ہو جائیں۔

۴۔ یک رنگی کا کمال دیکھیے کہ ہر دل ایک منٹ میں ۷۰۔۷۲ دفعہ دھڑک رہا ہے۔ ہر پھیپھڑا ایک دقیقے میں ۱۶۔۱۷ دفعہ سانس لے رہا ہے۔ پانی کی سطح ہر جگہ برابر ہے۔ ہوا ہر مقام پر پانی سے ہلکی ہے۔ بکری کے پیٹ سے ہر جگہ بکری ہی پیدا ہو رہی ہے۔ الغرض بہار و خزاں، موت و حیات اور گردشِ نجوم و شموس وغیرہ میں ایک زبردست تناسب، حیرت انگیز ہم آہنگی اور ایک ایمان افروز یکسانیت پائی جاتی ہے:

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ (ملک۔۳)	الٰہی تخلیق میں تمھیں کہیں عدمِ تناسب یا فقدانِ ہم آہنگی نظر نہیں آئے گا۔ بار بار دیکھو، کیا تمھیں کوئی ایسی کمی نظر آتی ہے؟

اس آیت کی بہترین تفسیر مغرب کے ایک عالمِ فطرت کی زبانی سنیے:

"One plan, many variations, one design many modifications, one truth many versions."

"یہ کائنات کیا ہے؟ ایک نظام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک نظم ہے جس میں خوش گوار اختلاف ہے اور ایک صداقت ہے جس کی کئی تعبیریں ہیں۔"

سیموئل راجرز اپنے نتائجِ غور و فکر کا یوں اعلان کرتا ہے:

"The very law which moulds a tear and bids it trickle from its source, that law preserves the Earth and guides the planets in their course."

"اللہ کی وہ مشیت جو قطرے کو آنسو بنا کر آنکھ سے ڈھلکا دیتی ہے۔ وہی مشیت زمین کو فضا میں تھامے ہوئے ہے اور ستاروں کی، ان کی معینہ گزرگاہوں پر حفاظت و رہنمائی کر رہی ہے۔"

ارض و سما کے اس تناسب و توازن کو دیکھنے کے لیے ایک تہ رس نگاہ کی ضرورت ہے۔ قدوری، منیہ اور پچی روٹی کے "فاضل" کیا جانیں کہ کائنات کا خشیت انگیز و ایمان افروز توازن کس بلا کا نام ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ (رحمٰن-۷)	اللہ نے آسمان کو فضائی وسعت میں اٹھا کر کائنات میں توازن پیدا کر دیا ہے۔

سموئیل اجرز فرماتے ہیں:

"We are at a loss to know which to admire the more, the mathematical accuracy of the Universe or the beauty of its design."

"ہم فرطِ حیرت سے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اُس حسابی عدل و توازن کی جو زینتِ فطرت ہے یا اُس حسین و جمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے؟"

روشنی اور بجلی کے انجن | روشنی کو حرارت سے جدا کرنا ناممکن ہے، لیکن جگنو کی دُم میں

جو حیوانات ماحول کے مطابق نہیں چل سکتے، انھیں اسی طرح میٹ دیا جاتا ہے، جس طرح مسلمان کو جو سائنس کی دنیا میں رہ کر اَوراد و وظائف اور ریش و قبا پر تمام زور صرف کر رہا ہے!

۲۔ ہر چیز کی تکوین ذراتِ برقی (منفیے) سے ہوئی۔

۳۔ دنیا میں باہمی احتیاج عالم گیر ہے۔ اگر مختلف نمک اور بکٹیریا موجود نہ ہوں تو نباتات فنا ہو جائیں اور اگر نباتات نہ ہوں تو حیوانات ختم ہو جائیں۔

۴۔ یک رنگی کا کمال دیکھیے کہ ہر دل ایک منٹ میں ۷۰۔۷۲ دفعہ دھڑک رہا ہے۔ ہر پھیپھڑا ایک دقیقے میں ۱۶۔۱۷ دفعہ سانس لے رہا ہے۔ پانی کی سطح ہر جگہ برابر ہے۔ ہوا ہر مقام پر پانی سے ہلکی ہے۔ بکری کے پیٹ سے ہر جگہ بکری ہی پیدا ہو رہی ہے۔ الغرض بہار و خزاں، موت و حیات اور گردشِ نجوم و شموس وغیرہ میں ایک زبردست تناسب، حیرت انگیز ہم آہنگی اور ایک ایمان افروز یکسانیت پائی جاتی ہے:

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ (ملک۔ ۳)	الٰہی تخلیق میں تمھیں کہیں عدمِ تناسب یا فقدانِ ہم آہنگی نظر نہیں آئے گا۔ بار بار دیکھو، کیا تمھیں کوئی ایسی کمی نظر آتی ہے؟

اس آیت کی بہترین تفسیر مغرب کے ایک عالمِ فطرت کی زبانی سنیے:

"One plan, many variations, one design many modifications, one truth many versions."

"یہ کائنات کیا ہے؟ ایک نظام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک نظم ہے جس میں خوش گوار اختلاف ہے اور ایک صداقت ہے جس کی کئی تعبیریں ہیں۔"

سیموئل راجرز اپنے نتائجِ غور و فکر کا یوں اعلان کرتا ہے:

"The very law which moulds a tear and bids it trickle from its source, that law preserves the Earth and guides the planets in their course."

"اللہ کی وہ مشیت جو قطرے کو آنسو بنا کر آنکھ سے ڈھلکا دیتی ہے۔ وہی مشیت زمین کو فضا میں تھامے ہوئے ہے اور ستاروں کی، ان کی معینہ گذرگاہوں پر حفاظت و رہنمائی کر رہی ہے۔"

ارض و سما کے اس تناسب و توازن کو دیکھنے کے لیے ایک تہ رس نگاہ کی ضرورت ہے۔ قدوری ہمنیہ اور رپکی روقی کے "فاسل" کیا جانیں کہ کائنات کا خشیۃ انگیز و ایمان افروز توازن کس بلا کا نام ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ (رحمٰن۔ ۷)	اللہ نے آسمان کو فضائی وسعت میں اٹھا کر کائنات میں توازن پیدا کر دیا ہے۔

سموئل۔ اجرز فرماتے ہیں:

"We are at a loss to know which to admire the more, the mathematical accuracy of the Universe or the beauty of its design."

"ہم فرطِ حیرت سے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اُس حسابی عدل و توازن کی جو زینتِ فطرت ہے یا اُس حسین و جمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے؟"

روشنی اور بجلی کے انجن | روشنی کو حرارت سے جدا کرنا ناممکن ہے، لیکن جگنو کی دُم میں

جو حیوانات ماحول کے مطابق نہیں چل سکتے، انھیں اسی طرح میٹ دیا جاتا ہے، جس طرح مسلمان کو جو سائنس کی دنیا میں رہ کر اوراد و وظائف اور ریش و قبا پر تمام زور صرف کر رہا ہے۔

۲۔ ہر چیز کی تکوین ذراتِ برقی (منفیے) سے ہوئی۔

۳۔ دنیا میں باہمی احتیاج عالم گیر ہے۔ اگر مختلف نمک اور بکٹیریا موجود نہ ہوں تو نباتات فنا ہو جائیں اور اگر نباتات نہ ہوں تو حیوانات ختم ہو جائیں۔

۴۔ یک رنگی کا کمال دیکھیے کہ ہر دل ایک منٹ میں ۷۰۔۷۲، دفعہ دھڑک رہا ہے۔ ہر پھیپھڑا ایک دقیقے میں ۱۶۔۱۷ دفعہ سانس لے رہا ہے۔ پانی کی سطح ہر جگہ برابر ہے۔ ہوا ہر مقام پر پانی سے ہلکی ہے۔ بکری کے پیٹ سے ہر جگہ بکری ہی پیدا ہو رہی ہے۔ الغرض بہار و خزاں، موت و حیات اور گردشِ نجوم و شموس وغیرہ میں ایک زبردست تناسب، حیرت انگیز ہم آہنگی اور ایک ایمان افروز یکسانیت پائی جاتی ہے:

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ (ملک۔۳)	الٰہی تخلیق میں تمھیں کہیں عدمِ تناسب یا فقدانِ ہم آہنگی نظر نہیں آئے گا۔ بار بار دیکھو، کیا تمھیں کوئی ایسی کمی نظر آتی ہے؟

اس آیت کی بہترین تفسیر مغرب کے ایک عالمِ فطرت کی زبانی سنیے:

"One plan, many variations, one design many modifications, one truth many versions."

"یہ کائنات کیا ہے؟ ایک نظام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک نظم ہے جس میں خوش گوار اختلاف ہے اور ایک صداقت ہے جس کی کئی تعبیریں ہیں۔"

سیموئل راجرز اپنے نتائجِ غور و فکر کا یوں اعلان کرتا ہے:

"The very law which moulds a tear and bids it trickle from its source, that law preserves the Earth and guides the planets in their course."

"اللہ کی وہ مشیت جو قطرے کو آنسو بنا کر آنکھ سے ڈھلکا دیتی ہے۔ وہی مشیت زمین کو فضا میں تھامے ہوئے ہے اور ستاروں کی، ان کی معینہ گذرگاہوں پر حفاظت و رہنمائی کر رہی ہے۔"

ارض و سما کے اس تناسب و توازن کو دیکھنے کے لیے ایک تدبر نگاہ کی ضرورت ہے۔ قدوری، ہدایہ اور کچی روٹی کے "فاضل" کیا جانیں کہ کائنات کا خشیت انگیز و ایمان افروز توازن کس بلا کا نام ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ (رحمٰن۔ ۷)	اللہ نے آسمان کو فضا کی وسعت میں اٹھا کر کائنات میں توازن پیدا کر دیا ہے۔

سموئل راجرز فرماتے ہیں:

"We are at a loss to know which to admire the more, the mathematical accuracy of the Universe or the beauty of its design."

"ہم فرطِ حیرت سے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اُس حسابی عدل و توازن کی جو زینتِ فطرت ہے یا اُس حسین و جمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے؟"

روشنی اور بجلی کے انجن | روشنی کو حرارت سے جدا کرنا ناممکن ہے، لیکن جگنو کی دُم میں

قدرت نے ایسی روشنی پیدا کر دی جس میں حرارت موجود نہیں۔ آج علمائے فطرت اس قسم کی روشنی پیدا کرنے کے لیے مختلف قسم کے آلات بنا رہے ہیں۔ جگنو کا تجزیہ کر کے دیکھا جا رہا ہے۔ جگنو خود بولتا نہیں اور علما اس راز کو سمجھنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ اول تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جگنو کو روشنی دینے کی ضرورت کیا تھی۔ دوم[۵] پھر اس روشنی کو حرارت سے کیوں جدا کر دیا گیا؟

انسانوں نے بجلی حال ہی میں دریافت کی ہے، لیکن کائنات میں بجلی کے مختلف انجن آغازِ آفرینش سے موجود ہیں۔ مثلاً سمندر میں ایک مچھلی (ایل مچھلی) ہے جو بجلی سے شکار کھیلتی ہے۔ یہ مچھلی بعض مچھلیوں کو ٹکر مار کر بجلی پیدا کر سکتی ہے جس کے صدمے سے شکار بے حال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور مچھلی ہے جو اس طرح سے شکار کھیلتی ہے۔ جب وہ دیکھتی ہے کہ کوئی شکار نہیں تو جب اندھیرا ہوتا ہے تو وہ فوراً ایک قمقمہ جو اس کے سر پہ ہوتا ہے، جلا لیتی ہے جس کی روشنی میں شکار کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور وہ لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔

غور فرمائیے کہ جگنو اور ان مچھلیوں کے اجسام میں کس بلا کے انجن لگے ہوئے ہیں جو دیگر بے شمار اعمال کے علاوہ روشنی اور بجلی بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

ایک مغربی حکیم اپنی حیرت کا یوں اعلان کرتا ہے:

"We must take notice of such qualities of organism such as varying, growing multiplying, developing feeling and endeavouring. A study of such facts

---

۵ ایک عالمِ مغرب لکھتا ہے کہ اگر جگنو کی روشنی میں حرارت ہوتی تو وہ جہاں بیٹھتا آگ بھڑک اٹھتی اور تمام باغ و راغ جل کر خاکستر ہو جاتے۔ (برق)

interests, educates enriches and helps to keep alive the sense of wonder, which we hold to be one of the saving graces of life."

"ہمارا فرض ہے کہ ہم خواصِ مادہ پر غور کریں۔ مثلاً مادے کا بڑھنا، پھیلنا، ارتقاء، احساس اور کوشش۔ یہ تفکر جہاں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے، وہیں اُن جذباتِ حیرت کو جو حیاتِ انسانی کی زینت ہیں، جوان رکھتا ہے۔"

بدن کی مشین | کائنات کا ہر ذرّہ ایک ایسا رباب ہے، جس سے الٰہی دانش و صناعی کے ترانے نکل رہے ہیں۔ انسانی بدن کی مشین پر غور فرمائیے کہ بقول سر آرتھر کائتھ جب ہم چلتے ہیں تو صرف ایک قدم اٹھاتے وقت پورے سَو پٹھے مل کر کام کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پٹھا بھی بگڑ جائے تو ہم قدم نہ اٹھا سکیں۔ اندازہ لگائیے کہ باقی اعمال میں کس قدر عضلات و اعصاب کس کس رنگ میں سُکڑتے، مُڑتے، پھیلتے اور لچکتے ہوں گے۔ ہر مشین کے لیے ایک ڈرائیور، کلینر (صاف کرنے والا) تیل دینے والے، مرمّت کرنے والے اور انجینئر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان نہ تو اپنی مشین کا ڈرائیور ہے اور نہ مرمّت کنندہ۔ یہ غریب تو اس ہولناک مشین کے سمجھنے تک سے قاصر ہے۔ قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی ہستی ہے جو حیوانات کی ارب در ارب مشینوں کو چلا رہی ہے، مرمّت کر رہی ہے، تیل دے رہی ہے، صاف کر رہی ہے اور پھر یہ سب کچھ ہمارے علم کے بغیر ہو رہا ہے:

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (یونس ۳۴) | کہہ دو کہ یہ تو اللہ ہی ہے جو پہلے پیدا کرتا ہے پھر عملِ تخلیق کو دُہراتا ہے۔ تم کہاں بھٹک رہے ہو؟

انسانی علم کی انتہائی منزل | ایک گنوار اپنی بھینس، گائے، بکری، گھوڑی، بیوی

اور کھیت کے بغیر باقی سب چیزوں کو بے کار سمجھتا ہے۔ وہ ان بے شمار پودوں، درختوں، پتھروں، کانوں اور دھاتوں کے افادی پہلوؤں سے غافل ہے اور اسے قطعاً معلوم نہیں کہ کائنات کی ہر چیز کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس وقت تک تقریباً چودہ لاکھ نباتات دریافت ہو چکے ہیں، جن میں سے انسان صرف تین چار سو کے استعمال سے آگاہ ہے۔ اسی طرح جمادات اور حیوانات کی بے انتہا دنیائیں ہمارے لیے یہ دستور رازہائے سربستہ ہیں۔ ہم مکمل انسان صرف اُس وقت بنیں گے، جب کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر کے استعمال کر رہے ہوں گے۔ جب مکھی، مچھر، گھاس، پھول، پودے، پتے، ذرے اور قطرے کے مقصدِ تخلیق سے آشنا ہو چکے ہوں گے اور جب ہمارے معمل، کالج، تجربہ گاہیں اور مشاہدہ گاہیں اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہوں گی کہ دنیا کی ہر چیز کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

جانتے ہو کہ یہ تحقیق و تلاش اور مقصدِ تخلیق کا اعلان کس ملت کے فرائض میں داخل ہے۔ خود اللہ سبحانہٗ کی زبان سے سنیے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران۔ ۱۹۱)	جو اُٹھتے بیٹھتے اور سوتے الٰہی اعمال کے تصور سے غافل نہیں ہوتے اور جو کائنات ارض و سما پہ غور کرنے کے بعد یہ اعلان کرتے ہیں کہ اے ربِّ دنیا میں کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی۔

آج مسلمانوں میں وہ علماء موجود نہیں جو ایک مکھی تک کا مقصدِ تخلیق بتا سکیں اور جن کا علم، غور و فکر، تجربہ و مشاہدہ اور تجزیہ و تشریح کا نتیجہ ہو۔ مامون الرشید (عباسی خلیفہ) اسلام کے منشاء سے آگاہ تھا۔ اُس کے عہد میں ۱۷۰ رصدگاہیں اجرامِ سماوی کے معائنہ کے لیے نصب تھیں۔ حیوانات، طیور، جمادات اور نباتات پر ۸۶ ہزار کتب

ہو چکی تھیں۔ وہ گھڑیاں بنا رہا تھا۔ انجن چلانے کی کوشش کر رہا تھا، زمین ناپ رہا تھا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ معلوم کر رہا تھا، لیکن آج ایسے مسلمان نہیں۔ خالی کلمہ گوؤں کا ہجوم ہے، پیر پرستوں کی بھیڑ ہے، درود خوانوں کا اژدہام نشۂ شفاعت میں چُور اور خمارِ توکل سے مخمور قوم کا ایک میلہ سا جما ہُوا ہے، جس ہمارے مُلّا صاحب وضعی احادیث سنا سنا کر مُسلم کو اور زیادہ سُلا رہے ہیں:

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا "مُسلم" اگر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو "مولوی" کی ساحری (اقبال، رحم)

مغرب کا ذوقِ جستجو | امریکہ کی جامعۂ علومِ نباتات کے بڑے دروازوں پر یہ رُوح افروز الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

"Open Thou mine eyes that I may behold wonders of Thy creation."

"اے رب! میری آنکھیں کھول، تاکہ میں عجائباتِ تکوین و تدوین کا تماشہ کر سکوں"

صحیفہ فطرت کے چند قدیم مفسّر | یہاں اُن چند شیدائیانِ فطرت کا ذکر بے جا نہ ہو گا جن کی زندگی مطالعہ کائنات میں بسر ہوئی۔ ہرچند کہ ان بزرگوں کے پاس عہدِ حاضر کے آلات و وسائل موجود نہ تھے، تاہم ان میں سے بعض کے نتائجِ غور و فکر کو آج صحیح سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ تھیلز (۶۰۰ ق م) نے زمین کو پانی پر ایک تیرتی ہوئی ٹکیہ خیال کیا تھا۔
۲۔ انکزمینڈر (Anaximander,) کے ہاں زمین فضا میں معلّق تھی۔
۳۔ انکیمائنز (Anakimines.) کا خیال تھا کہ ستارے شیشے سے بنے ہوئے ہیں اور آسمان میں نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

۴۔ فیثاغورثیوں کے ہاں تمام کائنات زمین کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔

۵۔ اینکاغورث (Anakagores.) (۴۲۸ ق م) پہلا عالم ہے، جس نے
کو مستعار کہا تھا۔

۶۔ ہرکلائڈیس (Heraclides.) ($\frac{۱۵}{۳۸۸}$ ق م) پہلا شخص ہے جس نے زمین
متحرک مان کر کہا کہ اس کا ایک چکر چوبیس گھنٹوں میں ختم ہوتا ہے۔

۷۔ ارسٹارکس (Aristarchus.) نے بھی زمین کو متحرک تسلیم کیا اور آفتاب
کو مرکزی نقطہ مان کر تمام کائنات کو اس کے گرد گھما دیا نیز چاند اور سورج کا حجم و طول
و عرض دریافت کیا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ ناپا، لیکن اس کے نتائج آج
قابل اعتنا نہیں رہے۔

۸۔ ایراٹوستھینس (Eratosthenes.) ($\frac{۱۹۴}{۲۷۶}$ ق م) نے زمین کا قطر دریافت کیا

۹۔ ہپرکس (Hipparchus.) نے سال کی لمبائی معلوم کی۔ اس کے دریافت
کردہ سال اور ہمارے سال میں صرف چھ منٹ کا فرق ہے۔

۱۰۔ ہیرو (Hero.) (۱۵۰ء) نے سٹیم انجن اور پمپ ایجاد کیا۔

۱۱۔ لیوسی پس (Leucippus) (۴۷۶ ق م) اور ڈیموکریٹس (Democritus.)
($\frac{۳۷۰}{۴۶۰}$ ق م) نے اعلان کیا کہ ہر چیز کی ترکیب اجزاء لا یتجزیٰ سے ہوئی ہے۔

۱۲۔ ویرو (Verro.) ($\frac{۱۱۶}{۲۷}$ ق م) اپنی کتاب رس سٹکی (Res Rustical) میں
لکھتے ہیں: "گندے جوہڑوں میں جراثیم مرض پرورش پاتے ہیں۔" گویا نظریۂ جراثیم اسی عالم کا
نتیجۂ تلاش ہے۔

۱۳۔ جولیس سیزر، مشہور شہنشاہ روم نے کیلنڈر درست کیا تھا۔

۱۴۔ اہل روم آلۂ جر ثقیل اور محراب کے موجد ہیں۔

۱۵۔ کاپرنیکس (Copernicus.) نے آفتاب کو مرکز عالم تسلیم کیا تھا، لیکن
ٹائیکو (Tycho) نے پھر زمین کو مرکز مان کر تمام اجرام سماوی کو اس کے گرد
گھما دیا۔ نیز اعلان کیا کہ زمین و آفتاب کا فاصلہ ۹½ کروڑ میل ہے۔

باب (۲)

بہارِ نباتات

ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
اتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
ا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ
یَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
بِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
رَ وَیَنْعِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

(انعام ۱۱۰)

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کے نباتات اگائے، سبز رنگ پودے پیدا کر کے ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ پھلوں کے وہ گچھے لگائے جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے مختلف اور مماثل قسم کے انگور، زیتون اور اناروں کی جنتیں پیدا کیں۔ پھلوں کے لگنے اور پکنے پر غور کرو۔ ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے معجزات و اسباق موجود ہیں۔

اس آیت میں بارش و نباتات کے ذکر کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖ (پھل پر [غور کر]و) نیز فرمایا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ ..... (ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے کچھ اسباق و معجزات موجود ہیں) [اس] لیے ضروری ہے کہ ہم نباتات و اثمار پر کچھ غور کریں۔

غذائے نباتات | جس طرح حیوانات گھاس کھاتے ہیں، اسی طرح پودے زمین کو کھاتے ہیں

۴۔ فیثاغورث کے ہاں تمام کائنات زمین کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔

۵۔ اینکاغورث (Anakagores.) (۴۶۰ ق م) پہلا عالم ہے جس کو مستعار کہا تھا۔

۶۔ ہرکلائڈیس (Heraclides.) (۳۸۸ ق م) پہلا شخص ہے جس نے متحرک مان کر کہا کہ زمین کا ایک چکر چوبیس گھنٹوں میں ختم ہوتا ہے۔

۷۔ ارسٹارکس (Aristarchus.) نے بھی زمین کو متحرک تسلیم کیا اور مرکزی نقطہ مان کر تمام کائنات کو اس کے گرد گھما دیا نیز چاند اور سورج کا حجم دریافت کیا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ ناپا لیکن اس کے نتائج قابل اعتنا نہیں رہے۔

۸۔ ایراتوستھینس (Eratosthenes.) (۱۹۴ ق م) نے زمین کا قطر دریافت کیا۔

۹۔ ہپرقس (Hipparchus.) نے سال کی لمبائی معلوم کی۔ اس کے مقرر کردہ سال اور ہمارے سال میں صرف چھ منٹ کا فرق ہے۔

۱۰۔ ہیرو (Hero.) (۱۵۰ق م) نے سٹیم انجن اور پمپ ایجاد کیا۔

۱۱۔ لیوسی پس (Leucippus) (۴۷۰ ق م) اور ڈیمو کریٹس (Democritus.) (۴۶۰ ق م) نے اعلان کیا کہ ہر چیز کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے ہوئی ہے۔

۱۲۔ ویرو (Verro.) (۱۱۶ ق م) اپنی کتاب رس سٹکی (Res Rustical) میں لکھتے ہیں: "گندے جوہڑوں میں جراثیم مرض پرورش پاتے ہیں۔" گویا نظریۂ جراثیم اسی نتیجۂ تلاش ہے۔

۱۳۔ جولیس سیزر مشہور شہنشاہ روم نے کیلنڈر درست کیا تھا۔

۱۴۔ اہل روم آلۂ جر ثقیل اور محراب کے موجد ہیں۔

۱۵۔ کاپرنیکس (Copernicus.) نے آفتاب کو مرکز عالم تسلیم کیا۔ ٹائیکو (Tycho) نے پھر زمین کو مرکز مان کر تمام اجرام سماوی کو اس کے گرد گھما دیا۔ نیز اعلان کیا کہ زمین و آفتاب کا فاصلہ ۹½ کروڑ میل ہے۔

باب (۲)

بہارِ نباتات

ھُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
...اتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
...نًا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ
...نِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
...تَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
...ثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(انعام ۱۱۰)

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کے نباتات اُگائے سبز رنگ پودے پیدا کر کے ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ پھلوں کے وہ گچھے لگائے جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے مختلف اور مماثل قسم کے انگور، زیتون اور اناروں کی جنتیں پیدا کیں پھلوں کے لگنے اور پکنے پر غور کرو۔ ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے معجزات و اسباق موجود ہیں۔

اس آیت میں بارش و نباتات کے ذکر کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ (پھل پر غور کرو) نیز فرمایا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ ... (ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے کچھ اسباق و معجزات موجود ہیں) اس لیے ضروری ہے کہ ہم نباتات و اثمار پر کچھ غور کریں۔

[illegible] نباتات [illegible] جانور گھاس کھاتے ہیں۔ اسی طرح پودے زمین کو کھاتے ہیں

۴۔ فیثاغورث کے ہاں تمام کائنات زمین کے اردگرد گھوم رہی تھی۔
۵۔ اینکاغورث (Anakagores.) (۴۲۸ ق م) پہلا عالم ہے جس نے چاند کو مستعار کہا تھا۔
۶۔ ہرکلائڈیس (Heraclides.) (۳۸۸ق م) پہلا شخص ہے جس نے زمین کو متحرک مان کر کہا کہ اس کا ایک چکر چوبیس گھنٹوں میں ختم ہوتا ہے۔
۷۔ ارسٹارکس (Aristarchus.) نے بھی زمین کو متحرک تسلیم کیا اور اسے مرکزی نقطہ مان کر تمام کائنات کو اس کے گرد گھما دیا۔ نیز چاند اور سورج کا عرض دریافت کیا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ ناپا، لیکن اس کے نتائج قابل اعتنا نہیں رہے۔
۸۔ ایراتوستھینس (Eratosthenes.) (۱۹۴ ق م) نے زمین کا قطر ...
۹۔ ہپرکس (Hipparchus.) نے سال کی لمبائی معلوم کی۔ اس کا سال اور ہمارے سال میں صرف چھ منٹ کا فرق ہے۔
۱۰۔ ہیرو (Hero.) (...) نے سٹیم انجن اور پمپ ایجاد کیا۔
۱۱۔ لیوسی پس (Leucippus) (...) اور ڈیموکریٹس (...critus.) (...ق م) نے اعلان کیا کہ ہر چیز کی ترکیب اجزاء لا یتجزیٰ سے ہوئی ہے۔
۱۲۔ ویرو (Verro.) (۱۱۶ ق م) اپنی کتاب رس سٹکل (...s Rustical) میں لکھتے ہیں: "گندے جوہڑوں میں جراثیم مرض پرورش پاتے ہیں"۔ گویا نظریۂ جراثیم ... نتیجۂ تلاش ہے۔
۱۳۔ جولیس سیزر (مشہور شہنشاہ روم) نے کیلنڈر درست کیا تھا۔
۱۴۔ اہل روم آلۂ جرثقیل اور محراب کے موجد ہیں۔
۱۵۔ کاپرنیکس (Copernicus.) نے آفتاب کو مرکز عالم تسلیم کیا۔ ٹائیکو (Tycho) نے پھر زمین کو مرکز مان کر تمام اجرام سماوی کو اس کے گرد گھما دیا۔ نیز اعلان کیا کہ زمین و آفتاب کا فاصلہ ۹½ کروڑ میل ہے۔

باب (۲)

بہارِ نباتات

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ
دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

(انعام ۱۱۰)

اللہ وُہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کے نباتات اُگائے سبز رنگ پودے پیدا کر کے ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ پھلوں کے وہ گچھے اگائے جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے مختلف اور مماثل قسم کے انگور، زیتون اور اناروں کی جنتیں پیدا کیں۔ پھل کے لگنے اور پکنے پر غور کرو۔ ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے معجزات و اسباق موجود ہیں۔

اس آیت میں بارش و نباتات کے ذکر کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ (پھل پر غور کرو)، نیز فرمایا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ ... (ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے کچھ اسباق و معجزات موجود ہیں) اس لیے ضروری ہے کہ ہم نباتات و اثمار پر کچھ غور کریں۔

زمین اور نباتات | ... جس طرح جانور گھاس کھاتے ہیں، اسی طرح پودے زمین کو کھاتے ہیں

۴۔ فیثاغورث کے ہاں تمام کائنات زمین کے اردگرد گھوم رہی تھی۔
۵۔ اینکاغورث (Anakagores.) (۵۰۰ ق م) پہلا عالم ہے جس کو مستعار کہا تھا۔
۶۔ ہرکلائڈیس (Heraclides.) (۱۵/۳۸۸ ق م) پہلا شخص ہے جس نے متحرک مان کر کہا کہ زمین کا ایک چکر چوبیس گھنٹوں میں ختم ہوتا ہے۔
۷۔ ارسٹارکس (Aristarchus.) نے بھی زمین کو متحرک تسلیم کیا اور مرکزی نقطہ مان کر تمام کائنات کو اس کے گرد گھما دیا نیز چاند اور سورج کا عرض دریافت کیا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ ناپا، لیکن اس کے نتائج قابل اعتنا نہیں رہے۔
۸۔ ایراٹوستھینس (Eratosthenes.) (۱۹۴/۲۷۴ ق م) نے زمین کا قطر دریافت کیا۔
۹۔ ہپرکس (Hipparchus.) نے سال کی لمبائی معلوم کی۔ اس کے کردہ سال اور ہمارے سال میں صرف چھ منٹ کا فرق ہے۔
۱۰۔ ہیرو (Hero.) (۱۵۰ء) نے سٹیم انجن اور پمپ ایجاد کیا۔
۱۱۔ لیوسی پس (Leucippus) (۵۰۰ ق م) اور ڈیموکریٹس (Democritus.) (۳۶۱ ق م) نے اعلان کیا کہ ہر چیز کی ترکیب اجزاء لا یتجزیٰ سے ہوتی ہے۔
۱۲۔ ویرو (Verro.) (۱۱۶/۲۷ ق م) اپنی کتاب رس سٹکی (Res Rustical) میں لکھتے ہیں: "گندے جوہڑوں میں جراثیم مرض پرورش پاتے ہیں۔" گویا نظریۂ جراثیم اسی تلاش کا نتیجہ ہے۔
۱۳۔ جولیس سیزر مشہور شہنشاہ روم نے کیلنڈر درست کیا تھا۔
۱۴۔ اہل روم آلۂ جر ثقیل اور محراب کے موجد ہیں۔
۱۵۔ کاپرنیکس (Copernicus.) نے آفتاب کو مرکز عالم تسلیم کیا تھا۔ ٹائیکو (Tycho) نے پھر زمین کو مرکز مان کر تمام اجرام سماوی کو اس کے گرد گھما دیا۔ نیز اعلان کیا کہ زمین و آفتاب کا فاصلہ ۹½ کروڑ میل ہے۔

باب (۳)

بہارِ نباتات

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ
دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(انعام ۱۱۰)

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کے نباتات اُگائے سبز رنگ پودے پیدا کر کے ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ پھلوں کے وہ گچھے لگائے جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے مختلف اور مماثل قسم کے انگور، زیتون اور اناروں کی جنتیں پیدا کیں۔ پھلوں کے لگنے اور پکنے پر غور کرو۔ ان نباتات میں اہلِ ایمان کے لیے معجزات و اسباق موجود ہیں۔

اس آیت میں بارش و نباتات کے ذکر کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖ (پھل پر غور کرو)، نیز فرمایا کہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ ..... (ان نباتات میں اہلِ ایمان کے لیے کچھ اسباق و معجزات موجود ہیں) اس لیے ضروری ہے کہ ہم نباتات و اثمار پر کچھ غور کریں۔

شمس و نباتات: [illegible] طرح جانور گھاس کھاتے ہیں، اسی طرح پودے زمین کو کھاتے ہیں

۴۔ فیثاغورث کے ہاں تمام کائنات زمین کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔
۵۔ اینکاغورث (Anakagores.) (۴۲۸ ق م) پہلا عالم ہے، جس نے ... کو مستعار کہا تھا۔
۶۔ ہرکلائڈیس (Heraclides.) (۳۸۸/۱۵ ق م) پہلا شخص ہے جس نے زمین کو متحرک مان کر کہا کہ اس کا ایک چکر ۲۴ گھنٹوں میں ختم ہوتا ہے۔
۷۔ ارسٹارکس (Aristarchus.) نے بھی زمین کو متحرک تسلیم کیا اور آفتاب کو مرکزی نقطہ مان کر تمام کائنات کو اس کے گرد گھما دیا نیز چاند اور سورج کا حجم و عرض دریافت کیا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ ناپا، لیکن اس کے نتائج قابل اعتنا نہیں رہے۔
۸۔ ایراتوستھینس (Eratosthenes.) (۱۹۴/۲۷۶ ق م) نے زمین کا قطر دریافت کیا۔
۹۔ ہپرکس (Hipparchus.) نے سال کی لمبائی معلوم کی۔ اس کے دریافت کردہ سال اور ہمارے سال میں صرف چھ منٹ کا فرق ہے۔
۱۰۔ ہیرو (Hero.) (...) نے سٹیم انجن اور پمپ ایجاد کیا۔
۱۱۔ لیوسی پس (Leucippus) (۴۶۰ ق م) اور ڈیموکریٹس (Democritus.) (۳۷۰ ق م) نے اعلان کیا کہ ہر چیز کی ترکیب اجزاء لا یتجزیٰ سے ہوئی ہے۔
۱۲۔ ویرو (Verro.) (۱۱۶/۲۷ ق م) اپنی کتاب رس سٹکی (Res Rustical) میں لکھتے ہیں: "گندے جوہڑوں میں جراثیم مرض پرورش پاتے ہیں۔" گویا نظریۂ جراثیم اسی عالم کا نتیجۂ تلاش ہے۔
۱۳۔ جولیس سیزر (مشہور شہنشاہ روم) نے کیلنڈر درست کیا تھا۔
۱۴۔ اہل روم آلۂ جر ثقیل اور محراب کے موجد ہیں۔
۱۵۔ کاپرنیکس (Copernicus.) نے آفتاب کو مرکز عالم تسلیم کیا تھا، لیکن ٹائیکو (Tycho) نے پھر زمین کو مرکز مان کر تمام اجرام سماوی کو اس کے گرد گھما دیا۔ نیز اعلان کیا کہ زمین و آفتاب کا فاصلہ ۹½ کروڑ میل ہے۔

باب (۲)

بہارِ نباتات

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ
دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(انعام ۱۱۰)

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف
قسم کے نباتات اُگائے سبز رنگ پودے پیدا کرکے
ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ پھلوں کے
وہ گچھے اگائے جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے۔
اللہ نے مختلف اور مماثل قسم کے انگور، زیتون اور
اناروں کی جنتیں پیدا کیں۔ پھلوں کے لگنے اور پکنے پر غور
کرو۔ ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے معجزات و اسباق موجود ہیں۔

اس آیت میں بارش و نباتات کے ذکر کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖ (پھل پر غور کرو) نیز فرمایا کہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ ..... (ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے کچھ اسباق و معجزات موجود ہیں) اس لیے ضروری ہے کہ ہم نباتات و اثمار پر کچھ غور کریں۔

حیوان و نباتات جس طرح حیوان گھاس کھاتے ہیں، اسی طرح پودے زمین کو کھاتے ہیں

پودوں کی غذا نائٹروجن، چونا، پوٹاش اور ہائیڈروجن وغیرہ ہے۔ یہ عناصر اوراق اشجار، ہڈیوں، خون اور بالوں وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں خزاں میں پت جھڑ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے کہ یہ پتے زمین کو طاقت بخشتے ہیں۔ اس قدر وسیع زمین میں کھاد ڈالنا انسان کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی طرح ۲۵ ہزار میل لمبی زمین کو سیراب کرنا ہماری طاقت سے باہر تھا۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے خزاں میں تقریباً تمام درختوں کے پتے کھاد بنا کر بکھیر دیے اور موخر الذکر مشکل کو یوں حل کیا کہ سورج نے شعاعوں کے ڈول سمندر میں ڈالے، ہوا کے سقے ان ڈولوں کو اٹھا کر چل دیے اور ہر طرف جل تھل کا عالم نظر آنے لگا۔ اگر ایک ایکڑ زمین کو سینکڑوں سقے سیراب کرنے لگیں تو سال بھر میں بھی اس کام کو سرانجام نہ دے سکیں۔ اللہ کی رحمت دیکھیے کہ ہوائیں خلیج بنگال سے کروڑوں ٹن پانی اٹھا کر ہمالیہ کی سرزمین پر یوں برساتی ہیں کہ زمین مُردہ میں جوش نمو انگڑائیاں لینے لگتا ہے اور ریگ زار لالہ زار کھل جاتے ہیں۔

وَاللّٰہُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰہُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ ۔ (فاطر ۹)	اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو سمندروں کی طرف بھیجتا ہے، جہاں سے آبی کو ہانک لاتی ہیں اور اس طرح ہم مُردہ بستیوں کو سیراب کر

ہمارے دوست پودوں کی جڑ میں خوردبینی حیوانات (بکٹیریا) کی ایک دنیا آباد ہے، جن کا عمل کیمیاوی ہوتا ہے۔ یہ حیوانات زمین کی نائٹروجن کھا کر ایک رس سا خارج کرتے ہیں جس میں نائٹروجن کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نائٹروجن حیاتِ نباتات کا جزوِ اعظم ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نہ ہوتا تو کوئی پودا اُگ نہ سکتا۔ غور فرمائیے کہ اللہ نے ہماری تربیت کے لیے کیا حیرت انگیز انتظام کر رکھا ہے اور یہ اشرف کائنات اپنی بقا کے لیے اس "ذرۂ بے بضاعت" مخلوق کا کس قدر محتاج ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نظر آتا، تو حشرات کا نقشہ بن کر ختم ہو جاتا۔ اس کا نظر نہ آنا اللہ کی دوسری رحمت ہے۔

بکٹیریا کی کئی قسمیں ہیں، جن کے اعمال میں بھی قدرے اختلاف ہوتا ہے، لیکن مقصد سب کا ایک ہے یعنی نباتات کی تخلیق و تکمیل۔ ان کو تین انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے، (۱) بکٹیریا (۲) پروٹوزوآ (۳) سپنجی حیوانات۔ بلند و پست زمینوں میں بہ لحاظِ ضرورت ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے، مثلاً:

بلند زمین میں بکٹیریا کی تعداد

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۱۳۵۰۰,۰۰۰,۰۰۰	۲۵ سیر
پروٹوزوآ	۳۱۵۰۰,۰۰۰	۲۵۵ سیر
سپنجی جانور	۲۱,۰۰۰,۰۰۰	۸۵۰ سیر

پست زمین میں

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۶۷۵۰,۰۰۰,۰۰۰	۱۲½ سیر
پروٹوزوآ	۱۵,۰۰۰,۰۰۰	۱۱۲½ سیر
سپنجی جانور	۴۵,۰۰۰,۰۰۰	۴۰۰ سیر

زمین کے ہر ایکڑ میں ان حیوانات کا کام روزانہ بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ اگر ایک سو ایکڑ کھیت میں دس کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے۔ انصافاً فرمایئے کہ کھیتی باڑی میں انسان کا کتنا حصّہ ہے اور اللہ کا کتنا۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَـٰهُ	اے کھیتی باڑی کرنے والو! اس پہ غور تو کرو جو تم بوتے ہو، اصلی کسان کون ہے؟ تم یا ہم؟ اگر ہم چاہیں تو (بکٹیریا کا عمل روک کر)

پودوں کی غذا نائٹروجن، چونا، پوٹاش اور ہائیڈروجن وغیرہ ہے۔ یہ عناصر اوراق ا
ہڈیوں، خون اور بالوں وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں خزاں میں پت جھڑ اللہ کی بہت
ہے کہ یہ پتے زمین کو طاقت بخشتے ہیں۔ اس قدر وسیع زمین میں کھاد ڈالنا انسان
کی بات نہ تھی۔ اسی طرح ۲۵ ہزار میل لمبی زمین کو سیراب کرنا ہماری طاقت سے باہر تھا
ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے خزاں میں تقریباً تمام درختوں کے پتے کھاد ب
بکھیر دیے اور پھر اللہ نے مشکل کو یوں حل کیا کہ سورج نے شعاعوں کے ڈول سمندر میں
ہوا کے سقے ان ڈولوں کو اٹھا کر چل دیے اور ہر طرف جل تھل کا عالم نظر آنے لگا۔ اگ
ایک ایکڑ زمین کو سینکڑوں سقے سیراب کرنے لگیں تو سال بھر میں بھی اس کام کو
نہ دے سکیں۔ اللہ کی رحمت دیکھیے کہ ہوائیں خلیج بنگال سے کروڑوں ٹن پانی اٹھا
کی سرزمین پر یوں برساتی ہیں کہ زمین مردہ میں جوش نمو انگڑائیاں لینے لگتا ہے اور
لالہ زار کھل جاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ۔ (فاطر ۹)	اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو سمندروں کی طرف بھیجتا ہے، جہاز آبی کو ہانک لاتی ہیں اور اس طرح ہم مردہ بستیوں کو سیراب

ہمارے دوست پودوں کی جڑ میں خوردبینی حیوانات (بکٹیریا) کی ایک دنیا آباد
ہے، جن کا عمل کیمیاوی ہوتا ہے۔ یہ حیوانات زمین کی نائٹروجن کھا کر ایک رس سا
کرتے ہیں جس میں نائٹروجن کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نائٹروجن حیاتِ نبا
کا جزوِ اعظم ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نہ ہوتا تو کوئی پودا اُگ نہ سکتا۔ غور فرمائیے کہ اللہ نے ہماری
کے لیے کیا حیرت انگیز انتظام کر رکھا ہے اور یہ اشرف کائنات اپنی بقا کے لیے اس "نا
چیز" مخلوق کا کس قدر محتاج ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نظر آتا، تو حشرات کا لقمہ بن کر ختم ہو جا
کا نظر نہ آنا اللہ کی دوسری رحمت ہے۔

بکٹیریا کی کئی قسمیں ہیں، جن کے اعمال میں بھی قدرے اختلاف ہوتا ہے، لیکن مقصد سب کا ایک ہے یعنی نباتات کی تخلیق و تکمیل۔ ان کو تین انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے، (۱) بکٹیریا (۲) پروٹوزوآ (۳) سپنجی حیوانات۔ بلند و پست زمینوں میں بہ لحاظِ ضرورت ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے، مثلاً:

بلند زمین میں بکٹیریا کی تعداد

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۱۳۵۰۰,۰۰۰,۰۰۰	۲۵ سیر
پروٹوزوآ	۳۱۵۰۰,۰۰	۲۵۵ سیر
سپنجی جانور	۲۱,۰۰۰,۰۰	۸۵۰ سیر

پست زمین میں

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۶۷۵۰,۰۰۰,۰۰۰	۱۲½ سیر
پروٹوزوآ	۱۵,۰۰۰,۰۰۰	۱۱۲½ سیر
سپنجی جانور	۴۵,۰۰۰,۰۰۰	۴۰۰ سیر

زمین کے ہر ایکڑ میں اِن حیوانات کا کام روزانہ بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ اگر ایک سَو ایکڑ کھیت میں دس کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے۔ انصافاً فرمایئے کہ کھیتی باڑی میں انسان کا کتنا حصّہ ہے اور اللہ کا کتنا۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ٥ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ٥ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰهُ	اے کھیتی باڑی کرنے والو! اس پر غور تو کرو جو تم بوتے ہو، اصلی کسان کون ہے؟ تم یا ہم؟ اگر ہم چاہیں تو بکٹیریا کا عمل روک کر

پودوں کی غذا نائٹروجن، چونا، پوٹاش اور ہائیڈروجن وغیرہ ہے۔ یہ عناصر اوراق اشجار، گوبر، ہڈیوں، خون اور بالوں وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں خزاں میں پت جھڑ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے کہ یہ پتے زمین کو طاقت بخشتے ہیں۔ اس قدر وسیع زمین میں کھاد ڈالنا انسان کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی طرح ۲۵ ہزار میل لمبی زمین کو سیراب کرنا ہماری طاقت سے باہر تھا۔ اول الذکر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے خزاں میں تقریباً تمام درختوں کے پتے کھاد بنا کر ہر طرف بکھیر دیے اور مؤخر الذکر مشکل کو یوں حل کیا کہ سورج نے شعاعوں کے ڈول سمندر میں ڈالے۔ ہوا کے سقے ان ڈولوں کو اٹھا کر چل دیے اور ہر طرف جل تھل کا عالم نظر آنے لگا۔ اگر صرف ایک ایکڑ زمین کو سینکڑوں سقے سیراب کرنے لگیں تو سال بھر میں بھی اس کام کو سرانجام نہ دے سکیں۔ اللہ کی رحمت دیکھیے کہ ہوائیں خلیج بنگال سے کروڑوں ٹن پانی اٹھا کر پشاور کی سرزمین پر یوں برساتی ہیں کہ زمین مردہ میں جوش نمو انگڑائیاں لینے لگتا ہے اور ہر طرف لالہ زار کھل جاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ۔ (فاطر ۹)	اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو سمندروں کی طرف بھیجتا ہے، جہاں سے یہ بخارات آبی کو ہانک لاتی ہیں اور اس طرح ہم مردہ بستیوں کو سیراب کیا کرتے ہیں۔

ہمارے دوست پودوں کی جڑ میں خوردبینی حیوانات (بکٹیریا) کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے جن کا عمل کیمیاوی ہوتا ہے۔ یہ حیوانات زمین کی نائٹروجن کھا کر ایک رس سا خارج کرتے ہیں جس میں نائٹروجن کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نائٹروجن حیاتِ نباتات کا جزو اعظم ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نہ ہوتا تو کوئی پودا اُگ نہ سکتا۔ غور فرمائیے کہ اللہ نے ہماری تربیت کے لیے کیا حیرت انگیز انتظام کر رکھا ہے اور یہ اشرف کائنات اپنی بقا کے لیے اس "ذلیل ترین" مخلوق کا کس قدر محتاج ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نظر آتا، تو حشرات کا لقمہ بن کر ختم ہو جاتا۔ ان کا نظر نہ آنا اللہ کی دوسری رحمت ہے۔

بکٹیریا کی کئی قسمیں ہیں، جن کے اعمال میں بھی قدرے اختلاف ہوتا ہے، لیکن مقصد سب کا ایک ہے یعنی نباتات کی تخلیق و تکمیل۔ ان کو تین انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے، (۱) بکٹیریا (۲) پروٹوزوآ (۳) سپنجی حیوانات۔ بلند و پست زمینوں میں بہ لحاظِ ضرورت ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے، مثلاً:

بلند زمین میں بکٹیریا کی تعداد

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۱۳۵۰۰,۰۰۰,۰۰۰	۲۵ سیر
پروٹوزوآ	۳۱۵۰۰,۰۰	۲۵۵ سیر
سپنجی جانور	۲۱,۰۰۰,۰۰	۸۵۰ سیر

پست زمین میں

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۶۷۵۰,۰۰۰,۰۰۰	½۱۲ سیر
پروٹوزوآ	۱۵,۰۰۰,۰۰۰	½۱۱۲ سیر
سپنجی جانور	۴۵,۰۰۰,۰۰۰	۴۰۰ سیر

زمین کے ہر ایکڑ میں اِن حیوانات کا کام روزانہ بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ اگر ایک سو ایکڑ کھیت میں دس کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے۔ انصافاً فرمایئے کہ کھیتی باڑی میں انسان کا کتنا حصہ ہے اور اللہ کا کتنا۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ	اے کھیتی باڑی کرنے والو! اس پر غور تو کرو جو تم بوتے ہو، اصلی کسان کون ہے؟ تم یا ہم؟ اگر ہم چاہیں تو (بکٹیریا کا عمل روک کر)

خطامًا فظلتم تفکھون ٥ (واقعہ ۶۵،۶۴،۶۳) | تمھاری لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو برباد کر کے تمھارے ہوش اڑا دیں۔

کھاد جہاں پودے کی غذا ہے، وہاں ان خوردبینی حیوانات کے لیے بھی مدارِ حیات ہے، تاکہ ہر سوا ایکڑ کے یہ بارہ سو مزدور پورے انہماک اور دلجمعی سے کام میں مصروف رہیں حیوانی فضلہ و پیشاب پودوں کی بہترین غذا ہے، لیکن یہ چیزیں عموماً ضائع ہو جاتی ہیں، کچھ جلا دی جاتی ہیں۔ اور کچھ نالیوں میں بہ جاتی ہیں۔ اگر ہمیں نمک کی کوئی ایسی کان مل جائے جس میں نائٹروجن بھی موجود ہو تو ہماری زمینیں بہت زرخیز بن جائیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ نائٹروجن ایک وحشی عنصر ہے جو کسی دوسرے عنصر سے آمیزش پسند نہیں کرتا۔ کوئلے کے اٹھائیس من میں صرف اڑھائی سیر نائٹروجن ہوا کرتی ہے۔

جنوبی امریکہ کے ساحل پر دریائی پرندوں کے پَر کثرت سے جھڑتے ہیں اور کئی باراں کی وجہ سے وہیں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ حصۂ زمین نائٹروجن کی بہترین کان سمجھا جاتا ہے اور یہاں سے اب تک تقریباً دس کروڑ ٹن کھاد استعمال کی جا چکی ہے۔ ہوا میں بے شمار نائٹروجن موجود ہے۔ علماء کا اندازہ یہ ہے کہ زمین کے ہر مربع میل پر دو کروڑ ٹن نائٹروجن ملتی ہے، لیکن اب تک ہمارا علم بہت ناقص ہے اور اس وسیع خزانے سے کھاد حاصل کرنے کے لیے ہم کسی طرح کے آلات ایجاد نہیں کر سکے۔

بجلی | جب بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو ارد گرد کی آکسیجن نائٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش کے قطرے اس ذخیرے کو ہمراہ لے کر زمین پر اتر آتے ہیں۔ ۱۸۷۰ء میں ایک عالمِ فطرت مسٹر کیونڈش (Mr. Cavendish) نے ثابت کیا ہے کہ اگر ہوا اور آکسیجن کو برقایا جائے تو نائٹروجن پیدا ہوگی جس میں کچھ مقدار کھار (الکلی) کی بھی ہوگی۔ نائٹروجن دنیائے نباتات کی غذا ہے اور نباتات ہماری خوراک۔ یہ دیگر الفاظ سیاہ گھٹاؤں میں بجلی کا ہر تبسم انسانی دنیا کے لیے پیامِ حیات ہوتا ہے۔

آج کل بہت سی بیماریوں کا علاج بجلی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ لاہور اور دیگر مقامات پر بجلی کے کئی ہسپتال موجود ہیں۔ انسانی بدن کی طرح زمین بھی کئی امراض کا شکار بن جایا کرتی ہے۔ آسمانی بجلی زمین کے ان تمام روگوں کا واحد علاج ہے جب بجلی کی لہریں ہوا سے گذر کر زمین کو چھوتی ہیں تو مُردہ زمین کی نس نس میں عناصر حیات بیدار ہو جاتے ہیں اور نئی دُلھن کی طرح یہ عمل و تولید کے لیے پھرتیا رہو جاتی ہے۔ انعام کہو، کھیتی باڑی کون کرتا ہے؟ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ (تم یا ہم؟)

دہلی، کلکتہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں بجلی کے زور سے گاڑیاں (ٹریم وے) چلائی جاتی ہیں۔ آسمانی بجلی سے بھی اس قسم کا کام لیا جاتا ہے۔ ہوا بادلوں کا انجن ہے لیکن جب فضا میں مکمل سکون ہو اور ہوا تھمی ہوئی ہو تو بادلوں کو کھینچنے کا کام بجلی سے لیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ، بجلی بھی کتنی بڑی الہٰی رحمت ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ اسے قہرِ الٰہی کہا کرتے تھے اور قدیم آریے اسے ایک ہولناک دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ انھیں کیا معلوم کہ اللہ کی ہر مخلوق رحمت، ہر فعل رحمت اور وہ خود بھی سراپا رحمت ہے۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحۡىٖ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ

(۳۰ : ۲۴)

بجلی کی چمک (جس سے تم میں بیم و رجا کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے)، اللہ کے معجزاتِ تخلیق میں سے ہے۔ رب کائنات آسمانوں سے بارش برسا کر (وہ نائٹروجن کو زمین پہ ڈال کر) مردہ زمین کو حیاتِ نو عطا کرتا ہے۔ ان آیات میں عقل مندوں کے لیے ابر و برق میں اسباق (رقت و ہیبت) موجود ہیں۔

نائٹروجن بارود سازی کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہر سال ایک ارب ٹن نائٹروجن صرف ہوتی ہے۔ گزشتہ جنگِ عظیم کے آغاز میں جب

جرمنوں نے چائل[1] (Chile) کی نائٹروجنی کانوں پر قبضہ کر لیا تھا تو اتحادیوں کو چند ماہ تک سخت پریشانی رہی تھی۔

جرمنی کے ایک عالمِ فطرت ہیبر (Haber) نے کیمیاوی عمل سے نائٹروجن کی کثیر مقدار پیدا کی جس سے گیسوں کی جنگ آسان ہو گئی۔ اسی عالم نے سنہ ۱۹۲۳ء میں نائٹروجن اور ہائیڈروجن تیار کرنے کے لیے ایک اتنا بڑا کارخانہ لیوناورک (Leuna werk) میں جاری کیا جس کی تعمیر پر پچاس لاکھ پونڈ صرف ہوئے، جس میں گیارہ ہزار مزدور، دو ہزار پانچ سو صناع اور ایک سو پچاس علمائے کیمیا کام کرتے تھے اور ہر روز نو ہزار ٹن کوئلہ جلا کرتا تھا۔

زمین کی بالائی سطح | زمین کی بالائی سطح پہاڑوں کے ٹوٹنے سے تیار ہوتی ہے۔ اس شکست و ریخت کے لیے چار عامل ہمیشہ مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ دریا، بارش، سورج اور پودے۔ پودوں کی جڑیں سخت سے سخت چٹانوں کو چیر کر رکھ دیتی ہیں۔ برفانی تودے اور آتش فشاں پہاڑ بھی اس کام میں مدد دیتے ہیں۔ ایک اچھی زمین کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چکنی مٹی، ریت، چونا اور کھاد۔ ان میں سے کوئی چیز انفراداً مفید نہیں لیکن یہ سب مل کر اکسیر ثابت ہوتی ہیں۔ چونے کے بغیر زمین "دق" میں مبتلا ہو جاتی ہے نیز چونا تیزابی مادے کی شدت کو رفع کر کے زمین کو میٹھا بنا دیتا ہے۔ اگر چونا ضرورت سے زیادہ ڈال دیا جائے تو اس سے فولاد ختم ہو جاتا ہے اور زمین بے جان ہو جاتی ہے۔ چکنی مٹی بھاری اور ٹھنڈی، ریت بھوکی اور خشک ہوتی ہے ان کے امتزاج سے نہایت قابل زمین تیار ہوتی ہے۔ چکنی مٹی نمی کو دیر تک روکے رکھتی ہے۔ ریت زمین کے بھاری پن کو دور کر کے اس قابل بنا دیتی ہے کہ اندرون

---

[1] چائل جنوبی امریکہ میں واقع ہے۔ یہاں کی نائٹروجنی کانیں دنیا بھر میں بہت مشہور ہیں۔

زمین کی گیسیں پودوں کی جڑوں تک بآسانی پہنچ سکیں۔ گندمین چکنی اور سخت ہوتی تو نہ یہ گیسیں باہر نکل سکتیں اور نہ گندم و جو کے نرم و نازک پودے یوں آسانی سے سر اٹھا سکتے۔

حیرت انگیز نظام | زمین کو چونے کے علاوہ سلفورک ایسڈ، فاسفورک ایسڈ، نائیٹرک ایسڈ اور پوٹاش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیزیں عموماً پہاڑوں میں ملتی ہیں۔ اگر ہم خود ان چیزوں کی تلاش میں نکلتے اور کدال لے کر فرہاد کی طرح ہر پہاڑ کھودتے پھرتے، تو صدیاں صرف ہو جاتیں اور پھر بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلتا۔ ہمارے رحمان و رحیم پروردگار نے اس مشکل کو یوں حل کیا کہ پہاڑوں پر برف جمع کر دی جو پگھل کر پہاڑی شگافوں میں چلی گئی اور جب یہ پانی چشمہ بن کر کہیں سے نکلا تو پوٹاش اور سلفر وغیرہ کی ایک دنیا ہمراہ لے آیا۔ یہ چشمے دریا بنے اور دریا نہروں میں بٹ کر ہمارے کھیتوں میں پہنچے اور اس طرح ہماری ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ (زمر-۲۲)	کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے فضائی بلندیوں سے پانی اتارا جو زمین کی دراڑوں میں داخل ہو کر چشموں کی صورت میں باہر نکلا اور ان چشموں (جن میں مختلف عناصر شامل تھے) رنگ برنگ کھیتیاں وجود میں آئیں

نر و مادہ | عموماً ایک پھول کے دو حصے ہوتے ہیں، نر و مادہ۔ جب تک مادہ نر سے حاملہ نہ ہو، وہ پھل یا بیج کی صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ پھول کے نر حصے میں ایک غبار سا ہوتا ہے جسے انگریزی میں پولن (Pollon) اور اردو میں مادۂ منویہ کہتے ہیں اور حصۂ مؤنث پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ جب مادۂ منویہ کا کوئی ذرہ ان بالوں پر گرتا ہے، تو یہ اسے پھانس لیتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں مثلاً ہیزل (Hazel) کے ساتھ نر و مادہ پھول علیحدہ علیحدہ لیکن ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ نر نیچے کو جھکا ہوا ہوتا ہے اور مؤنث پھول اوپر کو اٹھا ہوا۔ مقصد یہ کہ نر کا

مادۂ منویہ گرے تو مادہ محروم نہ رہے۔

بعض ایسے پودے بھی ملتے ہیں جن کے نر و مادہ الگ الگ ہوتے ہیں۔ نر کا غبار مادہ تک پہنچانے کا کام شہد کی مکھیاں، بھونرے اور تتلیاں سرانجام دیتی ہیں۔ ان پودوں کے ساتھ نہایت حسین پھول لگتے ہیں جن کی خوشبو اور رنگت ان بھونروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جب یہ نر پر بیٹھتی ہیں تو ان کی ٹانگوں اور پروں کے ساتھ غبارِ منویہ چمٹ جاتا ہے اور پھر جب مادہ پھول پر بیٹھتی ہیں تو اس غبار کا کچھ حصہ وہیں رہ جاتا ہے اور اس طرح یہ پھول حاملہ ہو جاتے ہیں۔

بعض اشجار مثلاً چیل وغیرہ کے پھول نہ تو خوشبودار ہوتے ہیں اور نہ خوب صورت۔ اس لیے وہ تیتریوں اور مکھیوں کو نہیں کھینچ سکتے۔ اس لیے یہاں ہوا سے کام لیا جاتا ہے۔ ہوا نر درخت کا غبار اڑا کر مادہ تک پہنچا دیتی ہے۔ چوں کہ ہواؤں کا رُخ بدلتا رہتا ہے اور اس غبار کی ایک کثیر مقدار ضائع ہو جاتی ہے، اس لیے ایسے درختوں پر غبارِ منویہ بہت زیادہ مقدار میں پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ضائع ہونے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہے۔

چیل، دیودار اور دیگر پہاڑی اشجار ہماری معاشرت کا جزوِ اعظم ہیں۔ اگر پہاڑوں پہ ہوائیں نہ چلتیں تو مادہ پھول حاملہ نہ ہو سکتے، نتیجہ یہ کہ بیج تیار نہ ہوتے اور یہ ہرے بھرے پہاڑ جو آج جنتِ نظر بنے ہوئے ہیں، کھانے کو دوڑتے۔ غور فرمائیے کہ ہوا کا وسیع و عریض کرہ انسانی خدمت میں کس انہماک سے مصروف ہے۔ شاعر نے اس سے قاصد کا کام لیا۔ دہقان نے سنکے کا اور اشجار نے دایہ کا۔ سچ ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ (حجر-۲۲) | ہم نے ایسی ہوائیں چلائیں جو غبارِ منویہ سے لدی ہوئی تھیں۔

ؔ لواقح کا مادہ لقح ہے جس کے معنی ہیں (۱) لقح، لقحا و القحہ: حاملہ بنانا، تلقیح کرنا (۲) لقح درختوں کو حاملہ بنانا۔ یہاں کہ چھیننا وغیرہ (۳) لقح و لقاح کھجور کے نر درختوں کا غبار منویہ۔ لغات القرآن میں ص ۲۸۰ پر مذکور ہے: انجذاب ہوا کے نر درختوں کا غبار منویہ | (Pollon of male palm-trees)
لقح لقاح لواقح کا دوسرا مفہوم (بخارات آبی سے لدا ہوا ہونا) صاف ہے

مغرب کے علمائے نباتات نے صدیوں کی تلاش و جستجو کے بعد نباتات میں نر و مادہ کا نظریہ قائم کیا اور ہمارے اَن پڑھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ۱۳۶۱ سال پہلے بہ بانگِ دہل اعلان کیا تھا:

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔ (ذاریات۔ ۵۰) ہر چیز سے ہم نے جوڑے پیدا کیے۔

قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس تاریک ترین زمانے میں رسولِ عربی فداہٗ ابی و اُمّی نے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اٹھایا، جسے آج جدید ترین اور ماڈرن نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

کچھ عرصے کا ذکر ہے کہ میں نے اپنے ایک ہندو پروفیسر دوست سے (جس کی ساری زندگی نباتات کی چھان بین میں بسر ہوئی) ذکر کیا کہ پودوں میں نر و مادہ کا نظریہ قرآن میں موجود ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک ایک پرانی کتاب ہے اور یہ نظریہ بالکل تازہ ہے۔ جب میں نے پکتھال کے انگریزی ترجمے سے آیت بالا کا ترجمہ نکال کر اسے دکھایا تو وہ کہنے لگا۔ اگر مجھے اطمینان ہو گیا کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے اور پکتھال کا ترجمہ بھی درست ہے تو میں قرآن حکیم کی صداقت کا علی رؤس الاشہاد اعلان کر دوں گا اور رسولِ عربی صلعم کی ثنا و تحمید سے مجھے کوئی خیال نہیں روک سکے گا۔

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ۔ (حج۔ ۵)

تم دیکھتے ہو کہ پہلے زمین پیاسی ہوتی ہے پھر جب ہم بارش برساتے ہیں تو وہ خوش ہوتی ہے اس کے قوائے نمو بیدار ہوتے ہیں اور وہ ہر قسم کے خوشنما جوڑے (نر و مادہ) اگانے لگ پڑتی ہے۔

درخت | درخت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ وہ زندگی میں ہمارے شریک ہیں۔ یہ ہماری طرح کھاتے، سانس لیتے، بڑھتے اور بچے پیدا کرتے ہیں۔ ان کی مشینری انسانی بدن کی مشین سے کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ ہماری طرح یہ بھی کشمکشِ حیات میں الجھے ہوئے ہیں اور

ایک دوسرے کے خلاف حیرت انگیز نظام سے جنگ کرتے ہیں۔ بڑے درخت کے سائے میں چھوٹا پودا نہیں بڑھ سکتا۔ دو درخت قریب قریب لگا دو تو وہ ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر کمزور و نحیف ہو جائیں گے۔ یہ حقائق صاف صاف اعلان ہیں اس امر کا کہ دنیا میں حقِ بقا صرف طاقتور[1] کو حاصل ہے اور کمزور، کاہل، بداخلاق، رسوم و عبادات ہی کو اسلام سمجھنے والے، تسبیح کو طارمِ عرش کی کمند خیال کرنے والے، منافق، جھوٹے، حلال و حرام کی تمیز نہ کرنے والے، بدعہد، بد قول، محض دعاؤں سے سیاسی و معاشرتی انقلاب چاہنے والے، مکار، عیار وغیرہ وغیرہ) کو یقیناً میٹ دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (انبیاء-۱۰۵)	قوانینِ تورات کی تفصیل کے بعد ہم نے زبور میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ زمین کی وارث صرف وہی اقوام ہوں گی جن میں زندگی کی صلاحیت ہو گی۔

تنوعِ اشجار جس طرح انسانوں میں بعض بہادر، بعض بزدل، بعض پست اور بعض سست ہوتے ہیں، اسی طرح کا تنوع نباتات میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنبیلی حسین و نازک ہے، آک بھدا ہے، سرو سڈول ہے، پھلاہی بے ڈول ہے۔ کھبل[2] اور گوکھرو صندی ہیں کہ جتنا اکھیڑو، اتنا ہی پھیلتے ہیں۔ ایک پودا اتنا حساس ہوتا ہے کہ ہوج نفس سے مرجھا جاتا ہے۔

زینتِ نباتات دنیا کا تمام تر حسن نباتات سے ہے۔ یہ سیرگاہیں، یہ چراگاہیں، یہ گلگشتیں، یہ روشیں اور یہ چمن سُونے پڑ جاتے، اگر نباتات کا حسن دنیا کو اپنی طرف نہ کھینچتا۔ نباتات ہی کے دم سے انسانی و حیوانی زندگی کی بہار قائم ہے۔ گندم، جَو، چاول، پھل، کوکو، کافی، بھنگ، شربت اور شراب نباتات سے حاصل ہوتے ہیں۔ دودھ، شکر، گھی اور شہد نباتات کی بدولت ہیں۔ تمہارے کپڑے نباتات کا کرشمہ ہیں۔

---

[1] طاقت ور سے مراد لٹھ باز نہیں، بلکہ ایسی قوم ہے جو اسلحہ، قوت، دولت، علم، اخلاق فاضلہ، عدل و احسان، متاعِ ارضی وغیرہ) سے مسلح ہو۔ خالی درود خوان اور خیرات خور نہ ہو۔ (برق)

[2] گھاس کی ایک قسم۔

ربڑ (جو ہماری معاشرت کا ضروری جزو بن چکا ہے) درختوں سے حاصل ہوتا ہے پیڑول کوئلے کا پسینہ ہے اور کوئلہ مدفون جنگلوں[1] کا دوسرا نام۔ کوئلہ ایک زہر ہے۔ اگر کسی کمرے میں صرف پاؤ بھر کوئلہ جلا کر دروازے بند کر دیے جائیں تو نصف گھنٹے میں اندر کے تمام آدمی دوسری دنیا کو سدھار جائیں۔ غور فرمائیے کہ اس سیاہ رنگ موت (کوئلہ) کے استعمال سے قومیں آج کس قدر طاقت ور بنی ہوئی ہیں، ان کی سطوت و ہیبت کی کیا دھاک بندھی ہوئی ہے اور دوسری طرف وُہ قومیں کس قدر ذلیل و ضعیف ہیں جو کوئلے کے استعمال سے ناواقف ہیں۔ ایران پر مسلمان ۱۴۰۰ سال سے حکومت کر رہے تھے، لیکن اس عرصے میں کسی عقل مند کے دماغ میں یہ بات نہ آئی کہ کوئلے کو استعمال کر کے ایک محکم و پایندہ ترحیات کا انتظام کیا جائے۔ اس غفلت و ہمہ انگاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ گذشتہ سال (۱۹۴۱ء) اتحادی افواج نے صرف ایک ٹھوکر رسید کی اور اُن جاں نثارانِ حسینؑ کی (جو اپنی نجاتِ دُنیوی و اُخروی کے لیے محرّم میں چند آنسو ٹپکانا کافی سمجھتے تھے اور جن کی تعیش کوشیاں رُسوائے زمانہ ہو چکی تھیں) کوئی ہڈی پسلی باقی نہ رہی۔

کوئلہ صورت کے لحاظ سے نہایت مکروہ اور اثر کے لحاظ سے موت ہے لیکن اس کے استعمال سے مُردہ اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ سچ ہے:

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ (یونس ۳۱)	موت سے زندگی اور زندگی سے موت پیدا کرنا اللہ کے ہاں نہیں آسان ہے۔

ہاں تو مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ نباتات ہمارے لیے نہ صرف مدارِ حیات ہیں بلکہ

---

[1] بہت قدیم زمانے میں کسی زلزلے وغیرہ کی وجہ سے جنگل زمین کے نیچے دب گئے تھے، لاکھوں سال کے بعد آج یہ درخت کوئلے کی صورت میں نکالے جا رہے ہیں۔ (برق)

وہ ہماری معاشرت اور تمدن تک کا جزو بن چکے ہیں بعض مواقع پر پودے یوں بھیس بدل کر سامنے آتے ہیں کہ پہچانے نہیں جاتے۔ غسل خانے میں تم بدن کو صابن سے صاف کر رہے ہو۔ جانتے ہو یہ صابن کہاں سے آیا؟ نباتاتی تیلوں سے تیار ہوا، بہ دیگر الفاظ تم صابن استعمال نہیں کر رہے، بلکہ جسم پر ایک درخت رگڑ رہے ہو۔ ہماری یہ سلک کی قمیص، یہ ململ کی پگڑی اور یہ لٹھے کا پاجامہ در اصل ایک چھوٹا سا جنگل ہے یہ الماری میں سجی ہوئی کتابیں ایک بیشہ ہیں، یہ اخبارات، رسائل، لفافے، خط، اور اشتہارات وغیرہ در اصل وہ درخت ہیں جنھیں مزدور کاٹ کر کارخانوں میں کاغذ بنانے کے لیے لے گئے تھے۔ امریکہ میں روزانہ اخبارات[1] کی تعدادِ اشاعت ۱۱۲،۰۰۰،۰۰۰ ہے۔ جانتے ہو، اس قدر کاغذ پر کس قدر درخت صرف ہوئے ہوں گے؟ پندرہ ایکڑ جنگل۔ جب تم کوئی اخبار خریدو تو واقعاتِ عالم کو پڑھنے کے علاوہ اُس چھوٹے سے درخت کی خاموش کہانی بھی سُن لیا کرو جو کاغذ کے پردے میں اپنی داستان سُنا رہا ہوتا ہے۔ اس قلب ماہیت پر ایک شعر یاد آ گیا۔ شاعر کسی انگورستان سے گذرتا ہے۔ بیلوں کے ساتھ عنابی گچھے لگے ہوئے ہیں۔ ایک طرف ایک درخت کے نیچے شراب کا ایک مٹکا پڑا ہوا ہے۔ شاعر کا تخیل ماضی کی سہانی فضاؤں کو چیرتا ہوا فرہاد و شیریں کے عہد تک جا پہنچتا ہے۔ یہ پرستارانِ محبت جب مر گئے تھے تو رفتہ رفتہ اُن کے اجسام خاک بن گئے تھے۔ یہ خاک کہیں کھاد بن کر شاخِ انگور کی غذا بنی اور کہیں اس سے اینٹیں اور مٹکے تیار کیے گئے:

خونِ دلِ شیریں است ایں مے کہ ز رز نوشی
خاکِ تنِ فرہاد است ایں خُم کہ نہد دہقاں

حکایت | ۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے کہ مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ شاہی مسجد کی

---

[1] امریکہ کا صرف ایک ماہنامہ "ریڈرز ڈائجسٹ" چالیس لاکھ کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ (مُدیر البیان)

طرف جا رہا تھا کہ راہ میں ایک برہنہ مجذوب پر نظر پڑی، جو تمام راہ گیروں کو چلا چلا کر بلا رہا تھا کہ آؤ تمھیں ایک کام کی بات بتاؤں۔ جب ہم پچاس ساٹھ آدمی جمع ہو گئے تو ایک عظیم الشان عمارت کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا "جانتے ہو کہ یہ محل دراصل کیا ہے؟" اس کے بعد یہ شعر پڑھا اور چلا گیا:

ہر آں پارہ خشتے کہ در منظرے است
سر کیقبادے و اسکندرے است

اس مضمون کو غالب نے یوں ادا کیا ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

حضرت بایزید بسطامی کی طرف یہ رباعی منسوب کی جاتی ہے:

ہر ذرہ کہ بر روئے زمینے بود است ٭ خورشید رخے زہرہ جبینے بود است
گرد از رخ نازنین یارم مفشاں ٭ کاں ہم رخ خوب نازنینے بود است

انکیانو[1] کے دربار میں شیخ سعدی نے ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

بگِل فرزند آدم خشت گردید ٭ نمی جنبد دلِ فرزندِ آدم
بسا خاکا کہ زیر پائے ناداں ٭ کہ گر بازش کنی دست است و معصم

الغرض سمندر کے ابتدائی صدفی جانور آج چونا بن کر نکلے، درخت کوئلہ بن گئے، انسان کی مٹی اینٹ اور پھول بن رہی ہے اور خدا جانے یہ دنیا کہاں سے کہاں جا رہی ہے:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (واقعہ ۶۲)

ہم نے موت کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور ہمیں کوئی نہیں روک سکتا کہ تمھاری طرح کے اور لوگ تمھاری جگہ لے آئیں اور تمھیں کسی نامعلوم عالم میں منتقل کر دیں۔

---

[1] زوالِ اتابکہ کے بعد اباقا خاں (ہلاکو خاں کا بیٹا اور چنگیز خاں کا پوتا) نے انکیانو کو صوبہ فارس کا گورنر مقرر کیا تھا۔ (برقی)

دریا بہ حباب اندر | ہندوستان میں بہت سی ایسی بُوٹیاں موجود ہیں، جن کے بیج خشخاش سے بیس گنا چھوٹے ہوتے ہیں۔ قدرت نے اِن باریک انڈوں میں مندرجہ ذیل اشیاء چھپا رکھی ہیں: (۱) دو جُڑے ہوئے پتّے (۲) ایک ڈنڈی جو جڑھ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے (۳) ایک گرہ سی، جو ڈنڈی بنتی ہے اور (۴) جڑھ پکڑنے سے پہلے چند ایام کی غذا۔

غور فرمائیے کہ یہ ننھا سا بیج کس قدر پیچیدہ مشین ہے اور کمالِ تخلیق ملاحظہ ہو کہ ایک باریک سا انڈا پورا درخت دامن میں لیے بیٹھا ہے۔ اگر اتنا باریک ذرّہ پورا درخت بننے کی استعداد رکھتا ہے تو اندازہ لگائیے کہ اگر انسان کچھ بننے پر تُل جائے تو وہ کیا کچھ نہیں بن سکتا:

تُوہی ناداں! چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے (اقبال)

میزانِ عدل | سردی میں جنگل سے لکڑ ہارے کے کلہاڑے کی صدا سنائی دیتی ہے۔ کتنی بے رحمی سے درختوں کو کاٹتا ہے۔ اگلے سال بہار میں جاکر دیکھو تو وہی مقام پھول دار پَودوں سے پٹا پڑا ہوگا، یہ کیوں؟ اس لیے کہ ہوائیں اور پرندے اِدھر اُدھر سے بیج لے آیا کرتے تھے، لیکن پہلے روشنی کے کم ہونے کی وجہ سے اُگ نہ سکتے تھے۔ اب جُوں ہی کہ میدان صاف ہُوا، یہ جگہ سبزہ زار بن گئی۔ فطرت کا دستور ہے کہ وہ ایک چیز لے کر دوسری عطا کر دیتی ہے۔ اندھا آنکھیں کھو کر زبردست قوّتِ سمع سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ مرغابیوں کی دُم چھوٹی لیکن گردن لمبی ہوتی ہے۔ جاہل کا دماغ غیر تربیت یافتہ، لیکن جسمانی طاقت میں بڑھا ہُوا ہوتا ہے۔ عالِم کا دماغ اعلیٰ لیکن جسم نحیف و ضعیف ہوتا ہے۔ دولت والے علم سے اور علم والے دولت سے عموماً محروم رہتے ہیں۔ اگر شہر میں کوئی عمارت برباد ہو جائے تو قدرت اُسے گھاس سے آباد کر دیتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی قوم (آج کے مسلمانوں کی طرح) اہمل انگاری و تغافل شعاری کی وجہ سے صلاحیتِ حیات

کھو بیٹھے تو قدرت اُسے میٹ کر کسی اَور قوم کو وارثِ زمین بنا دیتی ہے:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ لا (محمد۔ ۳۸)	اگر تم نے آئینِ حیات سے مُنہ پھیر لیا تو یہ زمین کسی اَور قوم کے قبضے میں دے دی جائے گی۔

حیف کہ مسلمان نے اس تنبیہ پر غور نہ کیا، محض اَوراد و وظائف کو مقصدِ حیات سمجھ بیٹھا اور ضوابطِ عروج وارتقاء (قرآن) سے غافل ہو گیا۔ نتیجہ یہ کہ قدرت نے اس کی بستیاں اُجاڑ دیں، شہر زمیں ہو گئے اور زمیں گورستان۔ آہ! یہ غلط فہمی کا پیکر اپنے آپ کو بدستور اللہ کا لاڈلا سمجھ رہا ہے۔ اے میرے پیارے بھائی! ہوش کے ناخن لے، غلط بینی کی دوا ڈھونڈ، اُٹھ، جاگ اور:

کبھی دریا سے مثلِ موج اُبھر کر کبھی دریا کے سینے سے اُتر کر
کبھی دریا کے ساحل سے گزر کر مقام اپنی خودی کا فاش تر کر (اقبال)

نظامِ روئیدگی | یہ لحاظ روئیدگی پودوں کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل، وہ جن کے بیج سے دو پتے نکلتے ہیں مثلاً درخت۔ دوم جن سے صرف ایک پتہ نکلتا ہے۔ یہ ابتدائی دو پتے پودے کی غذا کا خزانہ ہوتے ہیں اور ماں کے دو پستانوں کا کام دیتے ہیں۔ جب پودا جڑھ پکڑ جائے تو یہ پتے سُوکھ جاتے ہیں۔

نباتات کی ترکیب خلیوں (Cells) سے ہوتی ہے۔ ہر خلیے کی بیرونی دیوار آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربن کے مرکب سے تیار ہوتی ہے۔ جڑھ کے آخری کنارے پر سخت خلیے کی ایک ٹوپی چڑھی ہوئی ہوتی ہے جو سخت چٹانوں تک کو چیر کر نکل جاتی ہے۔ جب یہ ٹوپی گھس جاتی ہے تو نئی بدل دی جاتی ہے۔ ہر پودے میں ایک رنگ دار مادہ ہوتا ہے، جسے انگریزی میں کلوروفل (Chlorophyll) کہتے ہیں۔ یہ سورج کی روشنی سے تیار ہوتا ہے، اور اس کی بدولت پودوں کو سبز رنگ ملتا ہے۔ اس کی ایک

اور خصوصیت یہ ہے کہ فضا سے کاربن لے کر اسے شکر و نشاستہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

شانِ ربوبیت | پودے کو نشو و نما کے لیے نمی، ہوا، گرمی اور چند عناصر مثلاً فاسفورس، پوٹاش اور نائٹروجن وغیرہ درکار ہیں۔ یہ عناصر پانی میں حل شدہ ہوتے ہیں، جنھیں پودا جڑوں سے جذب کرتا ہے۔ چوں کہ پانی میں ان عناصر کی مقدار بہت کم ہوتی ہے، اس لیے پودوں کو زیادہ مقدار آب کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض پہاڑی اور جنگلی پودے ان عناصر کو جزوِ حیات بنا لیتے ہیں اور فالتو پانی کو بذریعہ تبخیر باہر نکال دیتے ہیں۔ ایک ایکڑ زمین میں چولائی کے پودے ایک سال میں دو ہزار ٹن پانی تبخیر سے خارج کرتے ہیں۔

ہم ریلوے اسٹیشنوں اور بڑے بڑے شہروں میں دیکھتے ہیں کہ کنوئیں کا پانی انجن کے ذریعے کئی سو فٹ کی بلندی پر ٹینکوں میں پہنچایا جاتا ہے اور دوسری طرف پودوں کی جڑیں زمین کی گہرائیوں سے پانی نکال کر درخت کی آخری بلندی تک پہنچا رہی ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشش ارضی کے خلاف یہ عمل کیسے ہو رہا ہے؟ تو گذارش ہے کہ یہاں "سطحی دباؤ" (Surface tension) کا قانون کام کر رہا ہے۔ اگر ہم شیشے کی ایک باریک نلی کو پانی میں ڈال دیں تو سطحی دباؤ سے پانی اس نالی میں کافی اوپر تک چڑھ جائے گا۔ درختوں کی جڑیں باریک کھوکھلی نالیاں ہیں جو پانی کو کھینچ کر درخت کی چوٹی تک پہنچا رہی ہیں۔ غور فرمایئے کہ اللہ سبحانہ نے نباتات کو زندہ رکھنے کے لیے کیا احسن، اکمل اور انسب انتظام کر رکھا ہے۔ اگر آج اللہ صرف سطحی دباؤ کے قانون کو معطل کر دے تو تمام نباتات سوکھ جائیں اور زندگی کا کہیں نشان تک باقی نہ رہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ (انعام۔ ۱۰۳)	یہ ہے تمھارا پروردگار جس کی نظیر کہیں موجود نہیں۔ یہ تخلیق و تکوین کے معجزات اُسی کی صنعت کاریاں ہیں اور صرف وہی قابلِ عبادت ہے۔ سو اُسی کی غلامی کرو۔

اوراقِ اشجار | درختوں کے ساتھ پتے محض زیبائش کے لیے نہیں، بلکہ ان کا عمل کچھ اور بھی ہے۔ ہر پتے میں چھوٹے چھوٹے مسام ہوتے ہیں، جن کے ذریعے پودا سانس لیتا ہے۔ حیوانات کی پیدا کی ہوئی زہر (کاربن) کو آکسیجن کے ساتھ اندر لے جاتا ہے۔ کاربن کو جزوِ حیات بنا لیتا ہے اور آکسیجن کو باہر نکال دیتا ہے۔ یہ مسام رات کو بند ہو جاتے ہیں۔ گویا رات کو پودے بھی سو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی درخت سورج کی روشنی سے دیر تک محروم رہے تو تنفس گھٹ جانے کی وجہ سے وہ مرجاتا ہے۔ بعض پودے سردیوں میں کملا جاتے ہیں، اس لیے کہ سرما کی طویل راتوں میں اُن کا دم دیر تک گھٹا رہتا ہے۔ بعض پودوں (قطبِ شمالی و جنوبی کے نزدیک) کی مشینری قدرے مختلف ہوتی ہے اور ان پر لمبی راتوں کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

نباتات کاربن کو شکر و نشاستہ میں تبدیل کر کے سردیوں کے لیے۔ کچھ چھوڑ تے ہیں اور کچھ بیج بنانے کے لیے بچا رکھتے ہیں۔ چوں کہ نشاستہ پانی میں پوری طرح حل ہو کر درخت کے مختلف حصوں تک نہیں پہنچ سکتا، اس لیے پودے اس نشاستے کو شکر میں تبدیل کرتے ہیں اور پھر اس شکر کو پانی میں ملا کر ادھر اُدھر بھیج دیتے ہیں۔ منزلِ مقصود پر پہنچ کر یہ شکر پھر نشاستے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں کے پتے رات کو سمٹ جاتے ہیں تاکہ آفتاب سے حاصل کردہ حرارت کو رات کی ٹھنڈی ہوا سے بچایا جائے۔ ایک برہنہ فقیر سردی کی رات میں سُکڑ کر بیٹھتا یا لیٹتا ہے تاکہ جسمانی حرارت ضائع نہ ہو۔

پتوں کی مختلف شکلیں بہ لحاظِ ضرورت ہیں۔ کسی درخت کو حرارتِ آفتاب کی زیادہ ضرورت تھی تو اُسے پتلے پتے دیے گئے تاکہ زیادہ حرارت جذب کر سکیں اور بعض کو زیادہ روشنی کی ضرورت نہ تھی تو انھیں موٹے اور بھدے پتے دیے گئے۔ بعض پتوں پر کانٹے

ہوتے ہیں اور بعض زہر سا نکالتے ہیں۔ یہ غالباً ان مفید پودوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ہے۔ ہماری چائے بھی ایک پودے کے پتوں کا نام ہے[لہ]۔ تماکو کا پتہ مختلف عناصر و معادن، زمین و ہوا سے جذب کرتا ہے۔ اسی لیے اسے ایک خاص شکل دی گئی بعض علمائے نباتات کے ہاں اثمار کا تنوّع، تنوّع اوراق کا نتیجہ ہے۔

الغرض ہر پتّہ ایک حیرت انگیز مشین ہے۔ قدرت کے یہ ارب در ارب کارخانے نہایت خوشی سے چل رہے ہیں اور ہماری غذا تیار کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ انسان کس قدر ناشکرا ہے کہ تمام کائنات کی خدمات سے مستفید ہوتے ہوئے بھی اپنے فرائض کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ساڑھے نو کروڑ میل کی مسافت سے سورج کی کرنیں آتی ہیں جو بخارات آبی کو ہوا کے کندھوں پر لادتی ہیں۔ بجلیاں چمک چمک کر زمین کی نس نس میں خونِ حیات دوڑاتی ہیں۔ بوندیں فضائی نائٹروجن کا بیش بہا ذخیرہ ہماری کھیتیوں میں پہنچاتی ہیں۔ چشمے اندرونِ جبال سے معادن کی ایک دنیا ہمراہ لیے ہماری زمینوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ جڑیں ذخائرِ ارضی کو جذب کر کے جزوِ نباتات بناتی ہیں اور تب کہیں جا کر ہمیں غذا میسر ہوتی ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝ (عبس ۲۴ تا ۳۲)	ذرا اپنی غذا پر تو غور کرو: ہم نے پہلے بارش برسائی، پھر زمین کا پیٹ چیرا اور اس سے غلے، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغات، پھل اور چارہ پیدا کیا اور یہ سب اشیاء تمھارے لیے اور تمھارے حیوانات کے لیے متاعِ حیات ہیں۔

مُہیب نگرانی پودوں کے اجزائے تکوینی نباتیے کہلاتے ہیں۔ یہ نباتیہ کہیں پتے بن رہا ہے

لہ ہندوستان نے چائے نوشی کا سبق چین سے لیا۔ پہلے ہم چین سے چائے منگواتے تھے۔ گذشتہ اسی سال سے آسام میں بھی اس کی کاشت ہو رہی ہے۔ آج کل صرف آسام سے ہر سال دو لاکھ ٹن چائے انگلستان کو بھیجی جاتی ہے اور چین سے صرف اڑھائی ہزار ٹن منگوائی جاتی ہے۔ (برق)

ور کہیں ٹہنیاں، کہیں رنگ اور کہیں خوشبو، کہیں پھول اور کہیں پھل۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا
ہ چند نباتیے سازش کر کے پھول کی جگہ پھل تیار کر دیں اور کیلے کے درخت کے ساتھ کہیں
م اور کہیں سیب لگاتے پھریں۔

اوراق گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ہر بیج میں دو گرہیں سی ہوتی ہیں، جن میں سے
ک ڈنڈی بن کر باہر نکلتی ہے اور دوسری جڑھ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے۔ آپ
یج کو کسی شکل میں دبائیں جڑھ والی گرہ اوپر اور دوسری نیچے کر دیں نتیجہ وہی ہو گا کہ
شاخ اوپر کو جائے گی اور جڑھ نیچے کو، یہ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ کی جہاں بین نگاہ سے
وئی چیز، خواہ وہ ہمالیہ کی عمیق و عریض وادیوں میں ہو، یا افلاک کی وسعتوں میں، غائب نہیں:

يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ الخ (سبا۔ ۴)	زمین اور آسمانوں میں ایک ذرہ یا اس سے کم و بیش کچھ بھی اللہ سے غائب نہیں رہتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (بقرہ۔ ۲۵۵)	اللہ کا تخت سلطنت ارض و سما کو محیط ہے (کائنات کی ہر شے اس کی مہیب نگرانی میں ہے) اور وہ اس نگرانی سے گھبراتا نہیں (اس لیے کہ اگر وہ نگرانی کو ڈھیلا کر دے تو ہر جگہ بدنظمی پھیل جائے۔ بدنظمی وہیں پھیلتی ہے، جہاں قابلیت نظم مفقود ہو۔ یہ فقدانِ قابلیت برائی کی علامت نہیں نالائقی کی نشانی ہے۔ اللہ کی سلطنت میں بدنظمی کیوں کر پھیل سکتی ہے) کہ وہ ہر لحاظ سے بلند اور ارفع ہے اور اس کی ذات الزام بدنظمی سے بہت بالا ہے۔

۔ افزائش نسل جب کوئی پودا قد و قامت میں مکمل ہو چکتا ہے تو اس میں ایک حسین
آجاتا ہے کہ وہی نباتیے جو اب تک شاخ و برگ بن رہے تھے غنچوں کی شکل اختیار کر لیتے
۔ غنچے پھول بن جاتے ہیں اور پھول بیج یعنی انڈے۔ افزائش نسل کا جذبہ حیوانات و نباتات
میں نہایت شد و مد کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

بڑھو، پھولو، پھلو اور انڈے زمین پر بکھیرنے کے بعد چلتے بنو"

امریکہ میں زقوم کی شکل کا ایک درخت جو اگیو (Agava) کے نام سے مشہور ہے، اسّی سال میں جوان ہوا کرتا تھا۔ یہ سست رفتاری اس لیے کہ جو و گندم کی طرح اس کو دہقان کی درانتی کا ڈر نہ تھا، اس لیے مزے مزے سے بڑھتا تھا۔ اب بعض مقامات پر کچھ عرصے سے یہ ایندھن کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مقامات پر یہی سست درخت صرف آٹھ دس سال میں جوان ہونے لگ گیا۔ یہ کیوں؟ قدرت نے اس کے کان میں کہہ دیا ہے:

"تیرے دشمن بھی پیدا ہو گئے ہیں، اب سستی چھوڑ دے اور جلدی جلدی بڑھ۔"

ایک ہوشیار مالی جب دیکھتا ہے کہ شہتوت کا درخت آٹھ سال کے طویل انتظار کے بعد پھل دینا شروع کرے گا تو وہ اس کی شاخوں کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ درخت ڈر جاتا ہے کہ کہیں بیشتر ہی نہ جائے، اس لیے وہ جلدی جلدی بڑھنا شروع کر دیتا ہے تاکہ مرنے سے پہلے نسل کی

اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ دل کھول کر تلوار کا استعمال کرے ظلم و عدوان اور جور و عصیان کو مٹا کر رکھ دے تاکہ دنیا امن و آشتی کی لذت سے آشنا ہو جائے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا میں کہتا ہوں اگر ایسا ہوا ہے تو بہت اچھا ہوا ہے۔ آج کروڑوں بندگان خدا کو تجارتی منڈیوں اور نوآبادیوں کے لیے تباہ کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم بھی کچھ ایسے ہی ذلیل مقاصد کے لیے لڑی گئی تھی۔ اگر آج تجارت، دولت، دنیوی برتری، نوآبادیوں اور تیل کے چشموں کی خاطر تلوار کا استعمال کیا جا رہا ہے اور اس میں آپ کو کوئی برائی نظر نہیں آتی تو اسلامی تلوار کے استعمال پر آپ کیوں نعل در آتش ہوں کہ جس کا مقصد تیل کے چشمے، ربڑ کے جنگل نہ تھے بلکہ نیکی کی ترویج اور بدی کا استیصال تھا۔ ارباب ظلم کی ہلاکت اور عدل و انصاف کا احیاء تھا۔ فتنہ و شر کا خاتمہ اور امن و آشتی کا قیام تھا۔ مبارک ہے وہ تلوار جو اس قدر بلند مقصد کے لیے بے نیام ہو جائے، رسول اللہ صلعم کے اس اعلان کو کبھی نہ بھولیے گا:

بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ (حدیث) میں قیامت سے ذرا پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہوں۔

پھولوں کا فرض | پھولوں میں رنگ و بو اس لیے ہے کہ وہ بھونروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ بہ دیگر الفاظ یہ رنگ و بو بھونروں کی محنت کا صلہ ہے۔ جونہی یہ کام (عمل) ختم ہو چکتا ہے، پھول مرجھا جاتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنا فرض ادا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا مزید باقی رہنا بے سود ہوتا ہے۔

یہ بیج نباتات کے انڈے ہیں، اس لیے حفاظت کی خاطر انھیں غلافوں، حجابوں اور سخت کیسوں میں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ ان میں سے جو بیج انسانی غذا تھے، مثلاً مٹر، لوبیا، بادام، اخروٹ، چلغوزہ وغیرہ ان کی بہت زیادہ حفاظت نہ کی گئی، بلکہ انھیں معمولی چھلکوں میں رکھا گیا، تاکہ "لاڈلے" انسان کو نکالنے میں تکلیف نہ ہو۔ بعض مفید درختوں مثلاً سیب، رنگترہ، مالٹا وغیرہ کے بیج تعداد میں کم تھے، اس لیے انھیں تلخ و ترش بنا دیا، تاکہ انسان انھیں کھا نہ جائے اور نسل کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ بعض بیج ہماری یومیہ غذا تھے، مثلاً گندم، مکی، باجرہ وغیرہ تو قدرت نے ان کو بہ افراط پیدا کیا، تاکہ انسانی استعمال کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہیں۔

گندم، جو اور اس قسم کی چند دیگر فصلیں صرف چھ ماہ میں تیار ہو جاتی ہیں، حالاں کہ آم کا درخت سات آٹھ سال کے بعد پھل دیتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فطرت ان پودوں کے کان میں چپکے سے یہ بات ڈال دیتی ہے "وہ دیکھو، دہقان درانتی لیے آ رہا ہے، جلدی کرو، بڑھو، پھولو، پھلو اور انڈے زمین پر بکھیرنے کے بعد چلتے بنو۔"

امریکہ میں ناگ کی شکل کا ایک درخت جو اگیوا (Agava) کے نام سے مشہور ہے، اسی سال میں جوان ہوا کرتا تھا۔ یہ سست رفتاری اس لیے کہ جو و گندم کی طرح اس کو دہقان کی درانتی کا ڈر نہ تھا، اس لیے مزے مزے سے بڑھتا تھا۔ اب بعض مقامات پر کچھ عرصے سے یہ ایندھن کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مقامات پر وہی سست درخت صرف آٹھ دس سال میں جوان ہونے لگ گیا۔ یہ کیوں؟ قدرت نے اس کے کان میں کہہ دیا ہے:

"تیرے دشمن بھی پیدا ہو گئے ہیں، اب سستی چھوڑ دے اور جلدی جلدی بڑھ۔"

ایک ہوشیار مالی جب دیکھتا ہے کہ شہتوت کا درخت آٹھ سال کے طویل انتظار کے بعد پھل دینا شروع کرے گا تو وہ اس کی شاخوں کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ درخت ڈر جاتا ہے کہ کہیں بےنسل نہ جائے، اس لیے وہ جلدی جلدی بڑھنا شروع کر دیتا ہے تاکہ مرنے سے پہلے نسل کو

بنیاد ڈال جائے۔

نباتات کے اس منظر میں ہمارے لیے یہ سبق پنہاں ہے کہ سست اقوام کی رفتار کو تیز کرنے، انھیں مفید خلائق بنانے اور ان کے ضعف کو قوت سے بدلنے کے لیے تلوار کا استعمال ازبس ضروری ہے۔ مسلمان تمام عالم کے نظم و نسق اور اقوام عالم کی بہتری و بہتری کا ذمہ دار بن کر آیا ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران) (تم ایک بہترین امت ہو جسے اقوام عالم کی بہبود پر مقرر کیا گیا ہے۔

اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ دل کھول کر تلوار کا استعمال کرے۔ ظلم و عدوان اور جور و عصیان کو مٹا کر رکھ دے تاکہ دنیا امن و آشتی کی لذت سے آشنا ہو جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ میں کہتا ہوں اگر ایسا ہوا ہے تو بہت اچھا ہوا ہے۔ آج کروڑوں بندگان خدا کو تجارتی منڈیوں اور نوآبادیوں کے لیے تباہ کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم بھی کچھ ایسے ہی ذلیل مقاصد کے لیے لڑی گئی تھی۔ اگر آج تجارت، دولت، دنیوی برتری، نوآبادیوں اور تیل کے چشموں کی خاطر تلوار کا استعمال کیا جا رہا ہے اور اس میں آپ کو کوئی برائی نظر نہیں آتی تو اسلامی تلوار کے استعمال پر آپ کیوں نعل در آتش ہوں کہ جس کا مقصد تیل کے چشمے اور ربڑ کے جنگل نہ تھے بلکہ نیکی کی ترویج اور بدی کا استیصال تھا۔ ارباب ظلم کی ہلاکت اور عدل و انصاف کا احیاء تھا۔ فتنہ و شر کا خاتمہ اور امن و آشتی کا قیام تھا۔ مبارک ہے وہ تلوار جو اس قدر بلند مقصد کے لیے اٹھائی جائے۔ رسول اللہ صلعم کے اس اعلان کو کبھی نہ بھولیے گا:

بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ (حدیث) (میں قیامت سے ذرا پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہوں۔

پھولوں کا فرض پھولوں میں رنگ و بو اس لیے ہے کہ وہ بھونروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ بہ دیگر الفاظ یہ رنگ و بو بھونروں کی محنت کا صلہ ہے۔ جونہی یہ کام (حمل) ختم ہو چکتا ہے، پھول مرجھا جاتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنا فرض ادا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا مزید باقی رہنا بے سود ہوتا ہے۔

اللہ کی حسین سرزمین میں صرف کارآمد و مفید اقوام باقی رہ سکتی ہیں نکموں، نااہلوں، بے اثر عقائد کے پجاریوں، اوراد و وظائف کے "بہادروں" اور بے عمل دعا گوؤں کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (رعد ۱۷) صرف مفید خلاق اقوام و اشیاء دنیا میں باقی رہتی ہیں۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے — مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے (اقبال)

پھلوں کی حفاظت | پھلوں کو جنگلی جانوروں اور پرندوں سے محفوظ رکھنے کے لیے قدرت نے کئی تدابیر اختیار کیں۔ مثلاً بعض (بادام اور اخروٹ) کے چھلکے سخت بنا دیے اور بعض پر کڑوے غلاف چڑھا دیے سنگترے اور انار کا چھلکا اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ کسی حریص جانور کو منہ ڈالنے کی ہمت تک نہیں پڑتی۔ قدرت کا کمالِ صناعی دیکھیے کہ زمین وہی ہے، درخت وہی ہے، رس پہنچانے والی شاخیں وہی ہیں، لیکن انار کا چھلکا سخت کڑوا ہے اور دانے میٹھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ چھلکوں اور دانوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ کارخانے کام کر رہے ہیں۔ ایک مٹھاس تیار کر رہا ہے اور دوسرا کڑواہٹ۔ یہ دونوں رس پاس پاس ہیں، لیکن ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہو سکتے۔ اس دقیق صناعی اور حیران افروز نظم و نسق کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ۝ بَیْنَہُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ۝ (رحمٰن ۱۹-۲۰) | دو دریا (ایک کڑوا، دوسرا میٹھا) پاس پاس بہہ رہے ہیں، لیکن ان کے درمیان ایک ایسی چیز حائل ہے جسے پھلانگ کر ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہو سکتے۔

اخروٹ اور بادام اونچے پہاڑوں پر پیدا ہوتے ہیں، جہاں برف وغیرہ کی وجہ سے میدانی جانور نہیں پہنچ سکتے یہاں صرف گلہری چوہوں کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے ان کے چھلکے سخت بنا دیے تاکہ چوہے نقصان نہ پہنچا سکیں۔

قدرت کا یہ بھی منشا تھا کہ بار آور درخت کسی ایک حصۂ زمین تک محدود نہ رہیں۔ اس لیے

ان کی نسلوں کو دُور دراز ممالک تک پہنچانے کے لیے کئی وسائل استعمال کیے۔
۱۔ ہوائیں بیج اُڑا کر دُور دراز ممالک میں لے گئیں۔
۲۔ بیج برساتی نالوں اور دریاؤں میں بہہ کر دیگر حصّوں میں چلے گئے۔
۳۔ چوہے، کوّے، طوطے، شارکیں اور دیگر پرندے منقاروں میں میوے لیے اِدھر اُدھر اُڑ گئے۔
۴۔ آدمی آموں اور سیبوں کے ٹوکرے دوسرے ممالک میں لے گئے۔

انجیر کا حمل | انجیر کے درخت کے ساتھ پھول نہیں لگتا۔ معاملہ یوں ہے کہ ابتدائی انجیر کے اندر ایک چھوٹا سا غنچہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ایک خاص قسم کی بھڑ نر اور مادہ غنچوں میں انڈے دے جاتی ہے۔ جب بچے نکلتے ہیں تو نر انجیر کے بچے مادہ انجیر میں چلے جاتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ فطرت کی رنگینیوں کا کیا کہنا:

حُسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بَن پیارے تو شہر اچھے کہ بَن؟ (اقبالؒ)

کھجور | صحرائے عرب سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا ہے، جسے طے کرنے کے لیے اب بھی اونٹ سے کام لیا جاتا ہے۔ امکان تھا کہ مسافر راہ میں بے توشہ نہ ہو جائیں، اس لیے اس ریگستان میں ہر طرف کھجوروں کے درخت اُگا دیے اور انھیں بلند قامت بنا دیا تاکہ یہ قیمتی پھل جانوروں کی رسائی سے باہر ہو جائے۔ نیز قُرب زمین کی گرمی سے نسبتاً محفوظ رہے۔ کھجوروں کے تنے اس لیے ریشہ دار اور کھوکھلے بنائے تاکہ تھرموس بوتل کی طرح اندر کی ہوا بیرونی حرارت سے متاثر نہ ہو اور پھل گرم رس سے خشک نہ ہو جائے۔ انسانی بدن کی مشین کو دو چیزوں کی سخت ضرورت رہتی ہے، شکر و نشاستہ۔ یہ ہر دو اجزا کھجور میں بہ درجۂ کمال موجود ہیں۔

جنگل میں حفاظت اثمار کے مسالے کہاں مل سکتے تھے۔ کیلا صرف ایک ہفتے میں گل سڑ جاتا ہے، سیب پلپلا ہو جاتا ہے۔ امرود میں کیڑے چلنے لگتے ہیں، شہتوت اور لوکاٹ چند گھنٹوں میں خراب ہو جاتے ہیں، لیکن کھجور کو اللہ نے کسی خاص مسالے سے یوں محفوظ کر دیا ہے کہ مہینوں خراب نہ ہو۔

کھجور کی جڑیں زمین سے دو قسم کا رس چوستی ہیں، کثیف اور لطیف۔ کثیف رس سے تنا اور شاخیں بنتی ہیں اور لطیف سے پھل۔ پھل کے ہر دانے کے ساتھ ایک سفنی لگا ہوتا ہے، جو رس کو مزید صاف کرتا ہے۔ گٹھلی کی ترکیب کچھ لطیف اور کچھ کثیف رس سے ہوتی ہے لیکن گٹھلی کڑوی ہوتی ہے اور چھلکا میٹھا۔ ان ہر دو کے درمیان ایک پردہ لگا دیا گیا ہے تاکہ تلخی و شیرینی خلط ملط نہ ہو جائیں۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ (الرحمٰن ۱۰-۱۱)	یہ زمین انسانی رہائش کے لیے تیار کی گئی اور اس میں (لاڈلے انسان کے لیے) میوے اور گچھوں والی کھجوریں ہیں۔

نشانات منزل | درخت عموماً راہوں پر اُگتے ہیں، اس لیے کہ مسافر پھل کھا کر گٹھلیاں پھینک دیتے ہیں اور وہاں درخت اُگ پڑتے ہیں۔ جہاں کہیں درخت نظر آتے ہیں اور وہاں راہ موجود نہیں تو سمجھ لو کہ یہاں سے بھی کوئی قافلہ گزرا تھا۔ اہلِ عرب پہلے سندھ پہ حملہ آور ہوئے تھے۔ اُن کے پاس کھجوریں تھیں، جہاں کہیں اترے، گٹھلیاں پھینکتے گئے۔ نتیجہ یہ کہ سرحد سندھ میں عربی نسل کی کھجوریں میلوں تک دکھائی دیتی ہیں:

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

سدا بہار درخت | سدا بہار درخت خزاں میں بھی سرسبز رہتے ہیں، وجوہات یہ ہیں:
(اوّل) بعض درختوں کے پتے چکنے ہوتے ہیں اور ان پر ایک مومی مواد موجود ہوتا ہے۔ جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس مواد سے پتوں کے مسام سردیوں میں بند ہو جاتے ہیں

اور نمی محفوظ رہتی ہے نتیجتاً وہ خشک نہیں ہوتے۔

دوم بعض پتوں پر سفید سی اون ہوتی ہے جو عمل تبخیر کو روک کر درختوں کو سر سبز رکھتی ہے۔
سوم۔ نکیلے، لمبے اور تنگ سطح والے پتے چوڑے پتوں کی نسبت سورج کی روشنی سے کم متاثر ہوتے ہیں اور ان کی نمی زیادہ ضائع نہیں ہوتی، اس لیے وہ سرسبز رہتے ہیں۔ اگر زیتون اور کھجور کے پتے چوڑے ہوتے تو خزاں میں جھڑ جاتے۔

فوائد اشجار | درختوں کی جڑیں فالتو پانی کو جذب کر لیتی ہیں، اس لیے زمین پر دلدل نہیں بن سکتی۔

(۲) درخت اپنے تنفس سے فضا کو گرما دیتے ہیں۔ ہوا ... سے لطیف ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً قرب زمین کے بادل وزنی ہو کر برسنے لگتے ہیں۔

(۳) درختوں کی پت جھڑ سے زمین زرخیز بن جاتی ہے۔

(۴) اگر پہاڑوں پر درخت نہ ہوتے تو اردگرد کی زمینیں برساتی نالوں سے صحرا بن جاتیں اور اگر آج کسی ریگستان میں درخت لگا دیے جائیں تو وہ پھر زرخیز ہو جائے۔

چند عجیب غریب درخت

سنکونا | سنکونا (Cinchona) جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ اس کے چھلکے سے کونین تیار ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ راز چند ہسپانوی مہاجرین کو معلوم ہوا تھا۔ ۱۶۳۹ء میں پیرو (Pero) کے وائسرائے کی بیوی کونٹس آف چینکن (Countess of Chinchon) نے اس درخت کا تعارف یورپ میں کرایا۔ اس کے بعد چند مبلغ اس درخت کا چھلکا اٹلی میں لے گئے اور مریضوں میں مفت تقسیم کیا۔ کچھ عرصے کے لیے اس چھلکے کا استعمال متروک ہو گیا۔ جب سترھویں صدی میں

انگلستان کا بادشاہ چارلس دوم بیمار ہوا تو شاہی ڈاکٹر رابرٹ ٹیلبٹ۔ (Robert
Tablet)۔ نے اس چھلکے کے سفوف سے علاج کیا اور بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔
دوسرے سال اسی ڈاکٹر نے اسی سفوف سے چند فرانسیسی امراء کا علاج کیا اور وہ
صحت یاب ہو گئے۔ اس کے بعد کونین سے ہر شخص واقف ہو گیا۔

ربڑ | ربڑ کا درخت پہلے صرف وسطی و جنوبی امریکہ میں ملتا تھا۔ انیسویں صدی میں یہ درخت
سیلون، ملایا اور برہما میں لگایا گیا۔ اس کے رس سے ربڑ تیار ہوتا ہے آج ربڑ کی
اہمیت سے ایک عالم آگاہ ہے۔

زیتون | اس کا تیل مفید ترین تیل سمجھا جاتا ہے جو مشینوں کے علاوہ صابنوں میں
بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ درخت ہزار سال تک باقی رہتا ہے اور اس کی لکڑی فولاد
کی طرح مضبوط ہوتی ہے۔

شہتوت | شہتوت کے پتوں کو بکری کھاتی ہے تو دودھ بنتا ہے۔ مکھی ان سے شہد
تیار کرتی ہے۔ کیڑا ابریشم اور ہرن کستوری پیدا کرتا ہے۔ چیز ایک ہی ہے لیکن مختلف
کارخانوں میں اس سے مختلف اشیاء تیار ہوتی ہیں۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِينَ ۝ (مومنون ۱۴) قابل صد ہزار تعریف ہے وہ اللہ جو بہترین خالق ہے۔

ناریل | ایک مسافر سخت گرمی میں ایک ایسے جھونپڑے میں جا پہنچا جس پر ناریل کے
درختوں کا سایہ تھا۔ صاحب خانہ نے مسافر کو شراب، دودھ اور حلوا نہایت عمدہ برتنوں
میں پیش کیا۔ مسافر نے پوچھا کہ جنگل میں یہ غذائیں کہاں سے آ گئیں، کہا، یہ سب کچھ
ناریل کی بدولت ہے میں کچے ناریل سے پانی، پختہ ناریل سے دودھ، پتوں سے حلوا،
شگوفوں سے شراب، پھولوں سے شکر، چھال سے برتن، لکڑی سے ایندھن، سوکھے
ہوئے پتوں سے چھت، ریشوں سے رسیاں اور تیل سے روشنی حاصل کیا کرتا ہوں۔

جب یہ مسافر چلنے لگا تو میزبان نے ایک شاخ کو جھاڑا جس سے غبار سا گرا۔ اس غبار سے سیاہی کا کام لے کر ایک پتے پر کسی دوست کی طرف چٹھی لکھ دی۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ط (لقمان ۱۱) | یہ ہے اللہ کا کمال تخلیق، اللہ کے بغیر کسی اور نے بھی کچھ پیدا کیا ہو تو ذرا سامنے لاؤ۔

دم الاخوین | بحر اوقیانوس کے ایک جزیرے میں آج سے پانچ سو سال پہلے دم الاخوین کا ایک ایسا درخت پایا گیا جس کا تنا دور میں ساٹھ فٹ تھا۔ اس نوع کے باقی درختوں کو دیکھ کر علمائے نباتات نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ درخت تخلیق آدم سے پہلے کا ہے۔

درخت خور نباتات | بعض بیلیں براہ راست زمین میں سے غذا حاصل نہیں کرتیں۔ بلکہ دوسرے درختوں کے رس پر پلتی ہیں اور یہ درخت رفتہ رفتہ خشک ہو جاتے ہیں۔ محکوم اقوام اسی لیے خشک ہو جاتی ہیں کہ ان کا رس حاکم قومیں چوس لیتی ہیں۔

حیوان خور نباتات | امریکہ میں ایک ایسا پودا ملتا ہے جس کی شاخیں جال کی طرح زمین پر بچھی ہوئی ہوتی ہیں، جوں ہی کوئی جانور اوپر سے گزرتا ہے یہ جال مڑ جاتی ہیں اور جانور گرفتار ہو کر اس کی غذا بن جاتا ہے۔

مگس خور نباتات | سنڈیو (Sundew) کے پھولوں پر ایک لیس دار رس ہوتا ہے۔ جوں ہی کوئی مکھی اس پر بیٹھتی ہے تو چمٹ جاتی ہے، پھول کی پتیاں اس پر مڑ جاتی ہیں اور اسے کھا جاتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس زمین میں نائٹروجن نہیں ہوتی اس کمی کو یہ پودے مکھیوں سے پورا کرتے ہیں۔

اسی طرح بٹر وارٹس (Butter watts) کے پتوں پر ایک گوند سا لگا ہوتا ہے۔ جوں ہی کوئی مکھی اس پر بیٹھتی ہے پتہ مٹھی کی طرح بند ہو جاتا ہے۔ اگر ان پتوں پر ریت کا ذرہ یا چھوٹا سا کنکر رکھ دیا جائے تو یہ متاثر نہیں ہوتے لیکن جب تنکا

ہو پر آ بیٹھے تو نہایت پھرتی سے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ دیگر الفاظ ان میں اتنی عقل موجود ہے کہ اپنی غذا اور چھیڑ چھاڑ میں تمیز کر سکیں۔

بعض جوہڑ والے ہیں ایک ایسا تھیلی دار پودا (Bladder words) ملتا ہے جس کی ٹہنیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہوتی ہیں۔ یہ تھیلیاں چوہے کے پنجرے کی طرح صرف باہر کی طرف سے کھلتی ہیں۔ جب پانی کے حشرات آرام یا غذا کے لیے اندر داخل ہوتے ہیں تو گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک پودے سے پچر پلانٹ (Pitcher plant) کے پھول صراحیوں کی طرح شاخوں کے ساتھ لٹکے ہوتے ہیں۔ ان میں میٹھا رس ہوتا ہے اور دیواروں کے ساتھ ٹیڑھے کانٹے۔ جب کوئی کیڑا رس پینے کے لیے اندر داخل ہوتا ہے تو واپسی پر یہ کانٹے اس کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ وہ بار بار چڑھتا اور گرتا ہے اور آخر تھک کر رس کے حوض میں رہ جاتا ہے۔

صناعی ایک طرف مولی، شلغم، پیاز اور دوسری طرف انجیر، کھجور، آم پر غور کیجیے۔ مقدم الذکر کے پتے اس وضع کے ہیں کہ جب بارش برستی ہے تو یہ پتے قطروں کو سمیٹ کر جڑوں میں ڈال دیتے ہیں اور آم وغیرہ کے درخت قطرات کو پھیلا کر ٹپکاتے ہیں وجہ یہ کہ مولی اور شلغم وغیرہ کی جڑ صرف ایک ہوتی ہے اس لیے قطرات باراں کو جڑ کی طرف لے جانے کا سامان کیا گیا۔ آم وغیرہ کی جڑیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، اس لیے قطرات بھی پھیل کر ٹپکتے ہیں:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار
(سعدی)

کاربن و آکسیجن حیوانات کی زندگی کا دارومدار آکسیجن پر ہے اور نباتات کا کاربن پر۔ اگر آکسیجن کم ہو جائے تو حیوانات ہلاک ہو جائیں اور اگر کاربن کا ذخیرہ گھٹ جائے تو نباتات فنا ہو جائیں۔ پھر کاربن ایک نہایت زہریلی گیس ہے۔ اس کی نباتات

حیوانات کے لیے مُہلک ہوتی ہے۔ قدرت کا انتظام ملاحظہ فرمائیے کہ کاربن نباتات کی اور آکسیجن حیوانات کی غذا بنا ڈالی حیوانات پودوں کے لیے کاربن اور نباتات ہمارے لیے آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔ تمام حیوانات ایک سال میں ساٹھ کروڑ ٹن کاربن سانس کے ذریعے خارج کرتے ہیں جس میں بیس کروڑ ٹن خالص کوئلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حیوانات ایک سال میں آٹھ کھرب مکعب میٹر آکسیجن استعمال کرتے ہیں بغور فرمائیے کہ دنیا میں کیا عدل و میزان ہے۔ زندگی کو قائم رکھنے کے لیے کیا حیرت انگیز نسق ہے اور اللہ کی شانِ ربوبیت کس کس رنگ میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آؤ تعریف کریں اس رب العلمین کی جس کا نظام ربوبیت اس قدر حیرت انگیز ہے)

حفاظتِ نباتات | نباتات کی حفاظت کے لیے قدرت نے کئی طرح کے انتظام کر رکھے ہیں، مثلاً:

۱۔ ہالی (Holly) پودے کے ابتدائی اور نچلے پتے خاردار ہوتے ہیں اور اوپر جا کر ہر پتے کے آخر پر صرف ایک کانٹا رہ جاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ معمولی جانوروں کی جہاں تک رسائی تھی وہاں تک حفاظت کی ضرورت زیادہ تھی۔

۲۔ جانوروں کی دو قسمیں ہیں: نرم مُنہ والے، مثلاً گائے، بھینس وغیرہ اور سخت مُنہ والے جو کانٹوں تک کو چبا جاتے ہیں، مثلاً بھیڑ، بکری وغیرہ۔ موخر الذکر جانور کمزور تھے، اس لیے قدرت نے بعض درختوں کو کانٹے لگا دیے تاکہ نرم مُنہ والے انھیں کھا نہ سکیں اور وہ سخت مُنہ والے کمزور جانوروں کے لیے بچ رہیں۔

۳۔ بچھو بوٹی[1] (کشمیر میں عام ہے) کے چھو جانے سے جسم میں آگ بھڑک اٹھتی ہے

---

[1] بچھو بوٹی کے پاس ہی شلغم کی طرح ایک پودا موجود ہوتا ہے۔ ایک پتہ توڑ کر زخم خوردہ مقام پر رگڑ دیجیے، فوراً آرام آجائے گا۔ (برق)

مَیں خود بھی ایک دفعہ اس کا شکار ہُوا تھا۔

۴۔ اسی طرح ایک پودے "برگِ شیطان" (Devil's Leaf) کا ڈنک سال بھر تکلیف دیتا رہتا ہے اور بعض اوقات آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۵۔ آسٹریلیا کے ایک پودے (Laportica moroider) سے اگر گھوڑا بھی چھو جائے تو فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔

۶۔ ایک اَور پودا "زہریلی بیل" (Poison ivy) ہے، جس کے چھو جانے سے ہاتھ پاؤں اور مُنہ سُوج جاتا ہے اور آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔

۷۔ بعض پودے ایسا بدبُودار رس خارج کرتے ہیں کہ جانور پاس تک پھٹکنے کی جرأت نہیں کرتے۔

۸۔ "چھوئی مُوئی بُوٹی" صرف موجِ تنفس سے سِمٹ جاتی ہے اور جانور بِدک جاتا ہے۔

۹۔ ایک پودا "ٹیلیگراف" (Telegraph plant) ہَوا کے بغیر ہی رات دن جھُومتا رہتا ہے جس سے جانور خوف زدہ ہو کر دُور رہا کرتے ہیں۔

۱۰۔ مُضِر حشرات کو پھانسنے کے لیے درختوں کے تنے اور شاخیں ایک قسم کا گوند نکالتی ہیں جس میں یہ حشرات پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ یہ گوند تبھی نکل سکتا ہے کہ درخت میں سوراخ کیا جائے۔ اس کام کے لیے قدرت نے لمبی اور تیز چونچ والے پرندے پیدا کر دیے ہیں جو درختوں میں سوراخ کرتے پھرتے ہیں۔ ان سوراخوں سے گوند نکلتا ہے جو درخت کا محافظ بھی ہے اور زخمِ درخت کا مرہم بھی۔

۱۱۔ بعض پودوں کے غنچوں سے میٹھا رس نکلتا ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے چیونٹیاں اوپر جاتی ہیں۔ رس بھی پیتی ہیں اور ساتھ ہی اُن حشرات کی خبر لیتی ہیں، جو ان پودوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جب یہ غنچے مکمل ہو کر بیج بن جاتے ہیں تو یہ رس

سُوکھ جاتا ہے۔ یہ رس چیونٹیوں کی نوازش کا صلہ تھا۔

۱۲۔ بعض درختوں پر بڑے بڑے چیونٹے گھومتے پھرتے ہیں جن کا کام چوکیداری ہوتا ہے۔ یہ حشرات وحیوانات کو اس زور سے کاٹتے ہیں کہ اُنھیں بن بھاگے نہیں بنتی۔

غور فرمائیے کہ قدرت نے ہماری غذا کی فراہمی و حفاظت کا کیا حیران کُن انتظام کر رکھا ہے۔ پھر ہر درخت اور ہر پودے میں کس قدر اسباق و آیات ہیں۔ عالمِ نباتات میں کتنا تنوع ہے۔ لاکھوں پودے، ہر پودے کی ہیئت الگ، خاصیت الگ، پھل الگ، کہیں کوئی غلطی نہیں، بدنظمی نہیں، حفاظت سے غفلت نہیں، تربیت سے تساہل نہیں۔ اس حیرت انگیز نظم، اس لرزہ فگن سلسلے، اس مبہوت کُن نسق اور ان دہشت انگیز آیات و معجزات کو دیکھ کر، انسانی عقل رعشہ براندام ہو جاتی ہے۔ وہم و قیاس حیرت میں کھو جاتے ہیں اور تخیل کپکپا اٹھتا ہے۔ آؤ! اُس خالق لازوال کی حمد و ثنا کے زمزمے گائیں جس نے ہماری حسین دنیا کو حسن و جمال کا مرکز بنایا اور ہماری تفریح کے لیے اسے لالہ و گل سے سجایا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۝ (اعلیٰ ۱ تا ۴)	اُس بلند رب کے حمد و ثنا کے ترانے گاؤ جس نے کائنات میں حسن جمال پیدا کیا (تسویہ) ہر چیز کو پیدا کر کے ایک خاص دستور العمل کے نباہنے پر لگا دیا (ھدیٰ) اور جس نے چراگاہیں اور مرغزار تیار کیے۔

مَیں خود بھی ایک دفعہ اس کا شکار ہُوا تھا۔

۴۔ اسی طرح ایک پودے "برگِ شیطان" (Devil's Leaf) کا ڈنک سال بھر تکلیف دیتا رہتا ہے اور بعض اوقات آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۵۔ آسٹریلیا کے ایک پودے (Laportica moroider) سے اگر گھوڑا بھی چھو جائے تو فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔

۶۔ ایک اَور پودا "زہریلی بیل" (Poison ivy) ہے، جس کے چھو جانے سے ہاتھ پاؤں اور مُنہ سُوج جاتا ہے اور آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔

۷۔ بعض پودے ایسا بدبُودار رس خارج کرتے ہیں کہ جانور پاس تک پھٹکنے کی جرأت نہیں کرتے۔

۸۔ "چھوئی مُوئی بُوٹی" صرف موجِ نفس سے سمٹ جاتی ہے اور جانور بدک جاتا ہے

۹۔ ایک پودا "ٹیلیگراف" (Telegraph plant) ہَوا کے بغیر ہی رات دن جھُومتا رہتا ہے جس سے جانور خوف زدہ ہو کر دُور بھاگتے ہیں۔

۱۰۔ مُضر حشرات کو پھانسنے کے لیے درختوں کے تنے اور شاخیں ایک قسم کا گوند نکالتی ہیں جس میں یہ حشرات پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ یہ گوند تبھی نکل سکتا ہے کہ درخت میں سوراخ کیا جائے۔ اس کام کے لیے قدرت نے لمبی اور تیز چونچ والے پرندے پیدا کر دیے ہیں، جو درختوں میں سوراخ کرتے پھرتے ہیں۔ ان سوراخوں سے گوند نکلتا ہے، جو درخت کا محافظ بھی ہے اور زخمِ درخت کا مرہم بھی۔

۱۱۔ بعض پودوں کے غنچوں سے میٹھا رس نکلتا ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے چیونٹیاں اوپر جاتی ہیں۔ رس بھی پیتی ہیں اور ساتھ ہی اُن حشرات کی خبر لیتی ہیں، جو ان پودوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جب یہ غنچے مکمل ہو کر بیج بن جاتے ہیں تو یہ رس

سُوکھ جاتا ہے۔ یہ رس چیونٹیوں کی نوازش کا صلہ تھا۔

۱۲۔ بعض درختوں پر بڑے بڑے چیونٹے گھومتے پھرتے ہیں جن کا کام چوکیداری ہوتا ہے۔ یہ حشرات وحیوانات کو اِس زور سے کاٹتے ہیں کہ اُنھیں بن بھاگے نہیں بنتی۔

غور فرمائیے کہ قدرت نے ہماری غذا کی فراہمی وحفاظت کا کیا حیران کُن انتظام کر رکھا ہے۔ پھر ہر درخت اور ہر پودے میں کس قدر اسباق وآیات ہیں۔ عالمِ نباتات میں کتنا تنوّع ہے۔ لاکھوں پودے، ہر پودے کی ہیئت الگ، خاصیت الگ، پھل الگ، کہیں کوئی غلطی نہیں، بدنظمی نہیں، حفاظت سے غفلت نہیں، تربیت سے تساہل نہیں۔ اس حیرت انگیز نظم، اس لرزہ فگن سلسلے، اس مبہوت کُن نسق اور ان دہشت انگیز آیات و معجزات کو دیکھ کر، انسانی عقل رعشہ براندام ہو جاتی ہے۔ وہم و قیاس حیرت میں کھو جاتے ہیں اور تخیّل کپکپا اٹھتا ہے۔ آؤ! اُس خالقِ لازوال کی حمد وثنا کے زمزمے گائیں جس نے ہماری حسین دنیا کو حسن وجمال کا مرکز بنایا اور ہماری تفریح کے لیے اِسے لالہ وگل سے سجایا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ (اعلیٰ ۱ تا ۴)	اُس بلند رب کے حمد وثنا کے ترانے گاؤ جس نے کائنات میں حُسن جمال پیدا کیا (تسویہ) ہر چیز کو پیدا کر کے ایک خاص دستورالعمل کے نباہنے پر لگا دیا (ھدٰی) اور جس نے چراگاہیں اور مرغزار تیار کیے۔

باب (۳)

سیرِ افلاک

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ اِلْکَوَاکِبِ ؕ (صافات ۷) | ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے آراستہ کیا۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰھَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۙ (حجر ۱۶) | ہم نے آسمان میں بروج بنا کر اُسے دیکھنے والوں کے لیے حسین بنا دیا ہے۔

آسمان ہماری زمین کی طرح قدرت کا ایک دِل کش نگارستان ہے جس میں الٰہی کبریاء و جبروت کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ اِن مناظر کو اگر چشم دل سے دیکھا جائے تو انسانی عقل کپکپا اٹھتی ہے۔ آؤ! اِن آیات کی قدرے تفصیل بیان کریں۔

ایک مثال | فرض کرو، ایک خوب صورت عورت کے یہاں دس لڑکیاں ہیں جو ماں سے کم خوب صورت ہیں۔ یہ لڑکیاں ماں کا طواف کر رہی ہیں۔ پھر ہر لڑکی کے یہاں دس لڑکیاں ہیں جو اپنی ماؤں سے حُسن و جمال میں کم ہیں اور اِن کے گرد چکّر کاٹ رہی ہیں بس یہی حال سیاروں کا ہے۔ ان کی پہلی ماں کہکشاں ہے جو لاتعداد شموس و اقمار کا مسکن ہے۔ ان میں سے ہر سورج کے ہاں دس لڑکیاں ہیں جو اس کے گرد

چکر کاٹ رہی ہیں۔ ہمارا سورج آخری ماں ہے جس کے آٹھ نو بچے پیدا ہو چکے ہیں۔ یعنی زحل، مشتری، عطارد، زمین وغیرہ اور ایک دو کا انتظار ہے۔ ہماری زمین کی بھی ایک لڑکی پیدا ہو چکی ہے، یعنی چاند جو زمین سے کم خوب صورت ہے اور اپنی ماں کے اردگرد چکر کاٹ رہا ہے۔

سبع سموات | آسمان ہم سے بہت دُور ہے، اس لیے ہمارا علم اس کے متعلق ناقص و نامکمل ہے، لیکن جو کچھ علمائے ہیئت نے معلوم کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظاہری نگاہ سے ہمیں آسمان کے سات طبقے نظر آتے ہیں۔ طبقہ اول میں صرف چار بڑے بڑے ستارے ہیں۔ طبقہ دوم میں ستائیس، سوم میں تہتر، چہارم میں ایک سو اٹھانوے، پنجم میں چھ سو پچاس، ششم میں دو ہزار دو سو اور ہفتم میں تین ہزار سے زیادہ ستارے ہیں۔ یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ بیسویں طبقے میں سات کروڑ ساٹھ لاکھ ستارے پائے جاتے ہیں۔ اب تک ہمیں تقریباً دس کروڑ[1] ستارے نظر آ چکے ہیں۔ قرآن حکیم میں جن سات طبقوں کا ذکر ہے وہ غالباً وہی ہیں جو ہمیں دُوربین کے بغیر نظر آتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ (مومنون ۱)	ہم نے تمھارے اوپر سات گذرگاہیں (ستاروں کی) بنائیں اور ہم تخلیق سے غافل نہیں رہے۔

آفتاب | اگر ہم آفتاب کے زیادہ قریب ہوتے، تو گرمی سے جھلس جاتے اور اگر زیادہ دُور ہوتے تو سردی سے مر جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک خاص فاصلے پر رکھا ہوا ہے تاکہ ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہیں۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝

جب ہم بُعدِ آفتاب و طوفانِ نور کو دیکھتے ہیں اور پھر یہ سوچتے ہیں کہ آفتاب

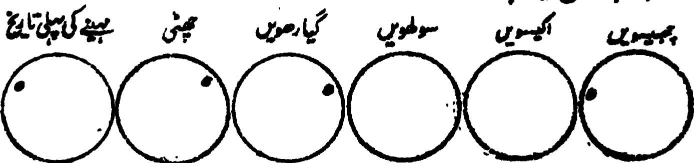
[1] علمِ ہیئت کی ایک تازہ کتاب میں ستاروں کی تعداد بیس کروڑ درج ہے۔ (برقی)

صرف زمین ہی کو روشنی نہیں دے رہا، بلکہ اس کی روشنی ہر طرف جا رہی ہے اور زمین پر اس کی روشنی کا صرف ۱/۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰ حصّہ پڑ رہا ہے تو ہم اس کرۂ نور کی عظمت و جلال سے کانپ اُٹھتے ہیں۔

بُعدِ آفتاب سورج ہم سے ۹۲۰۰۰۰۰۰ میل دُور ہے۔ اس فاصلے کا صحیح تصوّر معلوم کرنے کے لیے کمرے میں کلاک لگا لیجیے۔ ان ہندسوں کے گننے کا کام اُس کے حوالے کر دیجیے اور اس کی ہر ٹِک کو ایک ہندسہ سمجھیے۔ یہ کلاک ایک منٹ میں ساٹھ، ایک گھنٹے میں ۳۶۰۰ اور چوبیس گھنٹوں میں ۸۶۴۰۰ ہندسے گنے گا اور سورج کے اس فاصلہ کو شمار کرنے کے لیے ۱۰۷۶ دن یعنی تقریباً تین سال صرف ہوں گے۔

اگر ایک گاڑی ۴۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف روانہ ہو تو ۲۶۵ سال کے بعد وہاں پہنچے گی۔

گردشِ آفتاب سورج اپنے گرد گھومتا ہے۔ دُوربین سے معلوم ہوا ہے کہ سورج میں چند داغ ہیں جن کا مقام بدلتا رہتا ہے اور سورج ایک ماہ میں اپنا طواف مکمل کر لیتا ہے۔ شکل یہ ہے:



سولھویں اور اکیسویں تاریخ کو یہ داغ نظر نہیں آتا اور چھبیسویں کو پھر دکھائی دینے لگتا ہے۔ علمائے مغرب کا خیال یہ ہے کہ سورج اپنی جگہ پر گھوم رہا ہے، لیکن قرآن حکیم اس نظریّہ کو باطل ثابت کرتا ہے۔ انسانی علم اس پہلو میں اس قدر ناقص ہے کہ باوجود انتہائی کوششوں کے الہام کا ساتھ نہیں دے سکا۔ موجودہ منجموں میں صرف ہرشل

ایک ایسا عالم ہے جس نے سورج کو متحرک تسلیم کیا ہے۔ ایک ایسا زمانہ آئے گا جب انسانی تحقیق وجستجو الہامِ ربانی کی تصدیق کرتے ہوئے اعلان کرے گی کہ

اَلشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝ (یٰسٓ ۳۸)	سورج ایک مستقر کی طرف محوِ حرکت ہے۔ یہ عالم وغالب خدا کی تعیین ہے۔

حرکتِ زمین علمائے مغرب نے زمین کو متحرک مانا ہے اور مشرق میں زمین ساکن تسلیم کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں حرکتِ زمین پر کئی آیات موجود ہیں، مثلاً:

جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا ۝ (طٰہٰ ۳) | تمھارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا۔

مھد۔ گہوارے کو کہتے ہیں۔ گہوارے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو میلوں وغیرہ میں لگائے جاتے ہیں اور دوم جو گھروں میں بچوں کے لیے لٹکائے جاتے ہیں۔ ہر دو قسم کے گہواروں میں حرکت موجود ہے:

وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِكُمۡ (نحل ۱۵) | ہم نے زمین پر پہاڑ ڈال دیے ہیں کہ وہ تمھیں ہلاتی نہ رہے۔

زمین کی حرکت میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کے لیے وزنی پہاڑ ڈالے گئے۔ اگر زمین ساکن ہوتی تو یہ ہلانے کا سوال کیسے پیدا ہوتا؟ ہلانے کا خوف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ زمین کو متحرک تسلیم کیا جائے اور مانا جائے کہ یہ فضا کی مختلف گذرگاہوں سے گذرتی ہوئی آگے چلتی ہے۔ اگر وزن کم ہوتا تو ڈر تھا کہ کوئی وزنی ستارہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا اور زمین بھاگ کر دور نکل جاتی۔

وَتَرَی الۡجِبَالَ تَحۡسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ (نمل ۸۸)	تم پہاڑوں کو بظاہر ساکن دیکھتے ہو، لیکن یہ دراصل بادلوں کی رفتار سے چل رہے ہیں۔

اگر زمین کو ساکن تسلیم کیا جائے تو یہ آیت بے معنی ہو جاتی ہے۔ پہاڑوں کی حرکت کی یہی صورت ہے کہ یہ زمین کے ساتھ سرگرم رفتار ہوں جس طرح کہ گاڑی کے ساتھ

مسافر چل رہے ہوتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (زمر)	اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیے۔ رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کیا اور آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا۔ یہ تمام کے تمام ایک معین میعاد تک محو حرکت رہیں گے۔

کس قدر صریح اعلان ہے حرکتِ ارض کا۔

زمین سورج کے گرد ۵۸۴٬۰۰۰٬۰۰۰ میل کا دائرہ بناتی ہے۔ اس کی رفتار فی سیکنڈ ۱۸ میل، فی منٹ ۱۰۸۰ میل، فی گھنٹہ ۶۴٬۸۰۰ میل، اور رات دن میں ۱۶٬۰۰٬۰۰۰ میل ہے۔ فرض کرو تم سینما میں تماشہ دیکھنے گئے تھے اور تین گھنٹے کے بعد واپس آئے تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس عرصہ میں تم تقریباً دو لاکھ میل فضا میں آگے نکل چکے ہو۔

چاند | چاند کا قطر ۲۱۶۰ میل اور زمین کا ۷۹۰۸ میل ہے۔ چاند زمین سے ۱/۲ ۱۳ گنا چھوٹا ہے۔ چاند تیز رفتار زمین کے ارد گرد گھومتا ہے۔ اس کا یہ فرض از بس مشکل ہے کہ وہ ایک تیز گھومنے والی زمین کے ارد گرد اس صفائی سے گھوم رہا ہے کہ نہ تو زمین سے اور نہ کسی اور ستارے سے ٹکراتا ہے۔ زمین ۱/۴ ۳۶۵ دن میں اور چاند صرف ۲۷ دن میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔

کسوف و خسوف | جب سورج اور ہمارے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے تو سورج کو گرہن ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ہندوستان میں مکمل سورج گرہن ہوتا ہے، لیکن سائبیریا میں نصف نظر آتا ہے۔ وجہ صاف ہے کہ ہم اور اہلِ سائبیریا مختلف زاویوں سے سورج کو دیکھ رہے ہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ اس وقت چاند پوری طرح اہلِ سائبیریا اور سورج کے درمیان حائل نہ ہو۔ چاند گرہن اس لیے ہوتا ہے کہ زمین سورج اور چاند کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور اس کا سایہ چاند پر پڑتا ہے۔

چاند کا بُعد | چاند ہم سے ۲۴۰٬۰۰۰ میل دُور ہے۔ اگر ایک گاڑی ۴۰ میل کی رفتار سے

روانہ ہو تو وہ ۲۵۰ دن کے بعد چاند میں جا پہنچے گی، یا یُوں سمجھیے کہ اگر آپ ایک دھاگا اتنا لمبا تیار کریں کہ اس سے خطِ استوا کے ارد گرد دس بل دیے جا سکیں اور اس دھاگے کو چاند کی طرف پھینک دیں تو اس کا ایک سِرا زمین پر ہوگا اور دوسرا چاند تک جا پہنچے گا۔ اگر ہم ایک ایسی توپ بنائیں، جس کے چھُوٹنے کی آواز لاکھوں میل تک سنائی دے تو یہ آواز چاند میں ۱۴ دن کے بعد سنائی دے گی۔ آواز ایک منٹ میں تقریباً ۱۲ میل سفر کرتی ہے۔

چاند کی اندرُونی دنیا کا ہمیں پورا پورا علم حاصل نہیں، گو چاند ۲۴۰۰۰۰ میل دُور ہے اور دُوربین کی مدد سے کھینچ کر طرف ۲۴۰ میل کی مسافت پر آجاتا ہے۔ لیکن جو آنکھ کہ ایک میل پر بھی کسی چیز کو صاف طور پر نہیں دیکھ سکتی، وہ ۲۴۰ میل پر کیا خاک دیکھ سکے گی؟ اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ چاند میں پہاڑ ہیں۔ جو قدیم زمانے میں آتش فشاں تھے اور جن کا لاوا سرد ہو کر منجمد ہو چکا ہے۔ اگر سینڈوچ (Sandwich) جزیرے کے آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا آج منجمد ہو جائے تو یقیناً قمری پہاڑوں کی طرح نظر آنے لگے زمین اندر سے گرم ہے۔ اگر ہم لوہے کے دو گولوں (ایک بڑا دوسرا چھوٹا) کو گرم کر کے کچھ دیر کے لیے رکھ دیں، تو چھوٹا گولہ جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ چاند زمین کا بچہ ہے اور اس وقت زمین سے نکلا تھا، جب یہ پگھلے ہوئے لوہے کی طرح اُبل رہی تھی۔ چھوٹائی کی وجہ سے چاند بالکل ٹھنڈا ہو چکا ہے اور زمین ابھی تک بدستور گرم ہے۔ اگر ہم اُبلتے ہوئے پانی کو چولہے سے اُتار لیں تو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو جائے گا جب یہ پانی ذرا گرم ہو تو ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ چند منٹ پیشتر یہ پانی زیادہ گرم تھا، اس سے پہلے بہت زیادہ گرم اور کچھ عرصہ پیشتر کھول رہا تھا۔ بس یہی حال زمین کا ہے کہ وہ کسی وقت کھول رہی تھی۔ اب اس کا بیرونی قشر ٹھنڈا ہو گیا ہے اور ایک ایسا وقت

آجائے گا کہ چاند کی طرح اس کا باطن بھی سرد ہو جائے گا۔

چاند کے اندر ہوا موجود نہیں، اس لیے رہائش کے قابل نہیں اور نہ کہیں پانی ملتا ہے۔ یہ ایک خشک بیابان ہے۔ چوں کہ چاند کا حجم زمین سے ۱۳ گنا کم ہے، اس لیے اس کی کشش بھی بہت کم ہے۔ اشیا کا وزن دراصل کشش زمین کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پتھر اس لیے وزنی معلوم ہوتا ہے کہ زمین اُسے کھینچتی ہے جب ہم کوئی پتھر زمین سے اٹھاتے ہیں تو زمین اُسے ہمارے ہاتھوں سے چھیننے کی کوشش کرتی ہے اور وزن کا احساس ہوتا ہے۔ علمائے نجوم نے ثابت کیا ہے کہ چاند میں کشش ثقل زمین سے ۶ گنا کم ہے، اس لیے جو آدمی زمین پر غلہ کی ایک بوری اٹھا سکتا ہے، وہ چاند میں چھے بوریاں اٹھائے گا۔ وہاں کرکٹ کی گیند بلّے کی چوٹ سے چھے گنا دور جائے گی اور فٹ بال چھے گنا اونچا۔ چاند کی دنیا میں جیبی گھڑی کا احساس تک نہ ہوگا، لیکن اگر ہم اسی گھڑی کو ساتھ لے کر کسی ایسے ستارے پر چلے جائیں جو زمین سے ایک لاکھ گنا بڑا ہو تو ایک چھوٹی سی گھڑی ۵۰ من وزنی ہو جائے گی اور ہم اس کے بوجھ سے پس جائیں گے۔

اللہ کی رحمت دیکھیے کہ ہماری زمین نہ تو اتنی وزنی ہے کہ پاؤں تک اٹھانا دشوار ہو جائے، اور پانی کا ایک گھڑا چالیس من بھاری معلوم ہو اور نہ اتنی ہلکی ہے کہ معمولی آندھی سے مکانات اُڑ جائیں، درخت اُکھڑ جائیں، ہمارے بچے تنکوں کی طرح ہوا میں اُڑتے پھریں، ہوا کا معمولی سا جھونکا سبزی فروش کے ٹوکرے اٹھا کر نالی میں پھینک دے، کھیل کے میدان میں ایک ضرب سے کرکٹ کی گیند میلوں نکل جائے اور اس طرح یہ زمین ایک مصیبت بن جائے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ٥ (قمر ۴۹) ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا۔

علما نے ثابت کیا ہے کہ تیزیِ رفتار سے کششِ ثقل میں فرق آجاتا ہے، اس لیے

اگر زمین کی رفتار زیادہ ہو جائے تو تمام اشیاء کا وزن گھٹ جائے۔ اگر زمین اپنی موجودہ رفتار سے صرف سترہ گنا تیز حرکت کرنے لگے تو کسی چیز میں وزن باقی نہ رہے۔ اگر فضا میں ہوا کی جگہ سیماب بھر دیا جائے جو ہوا سے ۱۰۴۰۰ گنا وزنی ہے، تو ہم پس جائیں۔ زمین و آسمان کے یہی وہ اسباق ہیں جن کے مطالعہ کی بار بار تاکید کی گئی ہے إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (جاثیہ ۳) ارض و سما میں حقیقتِ ایمانی کے خوگروں کے لیے سب و دلائل ہیں۔

ستارے | ۱۔ زہرہ: یہ ستارہ ہماری زمین جتنا بڑا ہے۔ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے اس کی شکل چاند جیسی ہے اور چاند ہی کی طرح گھٹتا بڑھتا ہے۔ یہ سورج کے گرد ایک چکر ایک سال اور سات ماہ میں پورا کرتا ہے۔

۲۔ عطارد: عطارد سورج سے .... میل دور ہے لیکن ہمیں سورج کے پاس نظر آتا ہے اور روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔

۳۔ مریخ: مریخ کی حرکات کچھ عجیب سی ہیں۔ جاتے جاتے رک جاتا ہے۔ واپس آ جاتا ہے اور پھر اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔ اس کا ایک چکر ۶۸۷ ایام میں ختم ہوتا ہے اور اپنے گرد ۲۴ ساعت ۳۷ دقیقہ اور ۲۳ ثانیہ میں گھومتا ہے۔ اس کی سطح پر پانی نظر آتا ہے۔ اس کے شمالی و جنوبی حصوں میں بڑے بڑے سفید دھبے نظر آتے ہیں جو گرمیوں میں گھٹ جاتے ہیں اور سردیوں میں بڑھ جاتے ہیں۔ علماء کا خیال ہے کہ یہ دھبے نہیں بلکہ برف ہے جو سردیوں میں بڑھتی اور گرمیوں میں گھٹ جاتی ہے۔

۴۔ مشتری، نیپٹون، زحل، یورانس: یہ ستارے ہماری زمین سے بہت بڑے ہیں۔ مشتری زمین سے ۱۳۰۰ گنا بڑا ہے۔ جو اپنے گرد ۹ ساعت ۵۵ دقیقہ اور ۱۲ ثانیہ میں گھومتا ہے اور سورج کے ارد گرد ایک چکر ۱۲ سال میں پورا کرتا ہے اس میں گاہے گاہے بادل بھی نظر آتے ہیں۔

سُورج سے فاصلہ | چند اہم ستاروں کا بُعد سورج سے :-

نام	بُعد		نام	بُعد	
۱۔ عطارد	۳۶۰۰۰۰۰۰	میل	۶۔ زُہرہ	۶۷۰۰۰۰۰۰	میل
۲۔ زمین	۹۳۰۰۰۰۰۰	"	۷۔ مریخ	۱۴۲۰۰۰۰۰۰	"
۳۔ مشتری	۴۸۳۰۰۰۰۰۰	"	۸۔	۲۵۲۰۰۰۰۰۰	"
۴۔ زُحل	۹۰۰۰۰۰۰۰۰	"	۹۔ یورانس	۱۳۱۴۰۰۰۰۰۰	"
۵۔ نیپٹون	۲۵۹۲۰۰۰۰۰۰	"			

حجم کواکب | (۱) زمین کا محیط ۴۰۰۰۰۰۰۰ میٹر ہے اور نصف قطر ۶۳۷۸۰۴۰ میٹر ہے۔ زمین کی سطح ۵۰۹۰۰۰۰۰۰ میٹر ہے (زمین کی سطح پر خشکی صرف ۱۲۸۰۰۰۰۰ میٹر ہے میٹر کی لمبائی تقریباً ۳۹ انچ ہوتی ہے)۔

۲۔ مریخ کا حجم زمین سے چھ گنا کم ہے۔ اس کا ایک سال ہمارے ۶۸۷ دنوں کا ہوتا ہے۔

۳۔ مشتری زمین سے ۱۲۰۰ گنا بڑا ہے۔ اس کا ایک سال ہمارے ۱۲ سالوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا قطر ایک کھرب ۴۰ ارب میٹر ہے۔

۴۔ زُحل زمین سے ۷۱۸ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۹۲۹۹۰۰۰۰۰ میٹر ہے۔

۵۔ یورانس کو ہرشل نے ۱۷۸۱ء میں دریافت کیا تھا۔ یہ زمین سے ۶۹ گنا بڑا اور سورج سے ۵۷۶۰۰۰۰۰ میل دُور ہے۔ ایک چکر ۸۴ سال میں ختم کرتا ہے۔

۶۔ نیپٹون کا حجم زمین سے ۵۵ حصے بڑا ہے اور ایک چکر ۱۶۵ سال میں کاٹتا ہے۔

۷۔ چاند کی سطح زمین سے چودہ گنا اور حجم ۴۹ گنا کم ہے۔ اس میں ۴۰ پہاڑ ہیں جن میں بعض کی بلندی ۴۸۰۰ میٹر سے زیادہ ہے۔

۸۔ آفتاب زمین سے ۱۲,۰۰,۰۰۰ گنا بڑا ہے اور روشنی کا یہ عالم ہے کہ ۸,۰۰,۰۰۰ کامل چاند (بدر) مل کر دوپہر جتنی روشنی پیدا کر سکتے ہیں۔ پھر ہمارے آفتاب کی روشنی ایک اور آفتاب سے جو ہم سے ۱,۵۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰۰ میل دور ہے آٹھ لاکھ حصہ کم ہے۔

اللہ کی پُرہیبت و باعظمت دنیا پر غور کرو۔ شموس و اقمار کی پہنات کا کیا عالم ہے۔ پھر کس حیرت انگیز نظام سے اپنے مداروں پر گھوم رہے ہیں کہ کہیں کوئی تصادم نہیں، ٹکراؤ نہیں، کھلبلی نہیں، اور بدنظمی نہیں۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (یٰسٓ: ۴۰)

نہ تو سورج چاند کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے اور نہ لیل و نہار کے سلسلے میں کہیں بدنظمی موجود ہے۔ یہ تمام شموس و اقمار نہایت باقاعدگی کے ساتھ فضا میں تیر رہے ہیں۔

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ (حج: ۶۵)

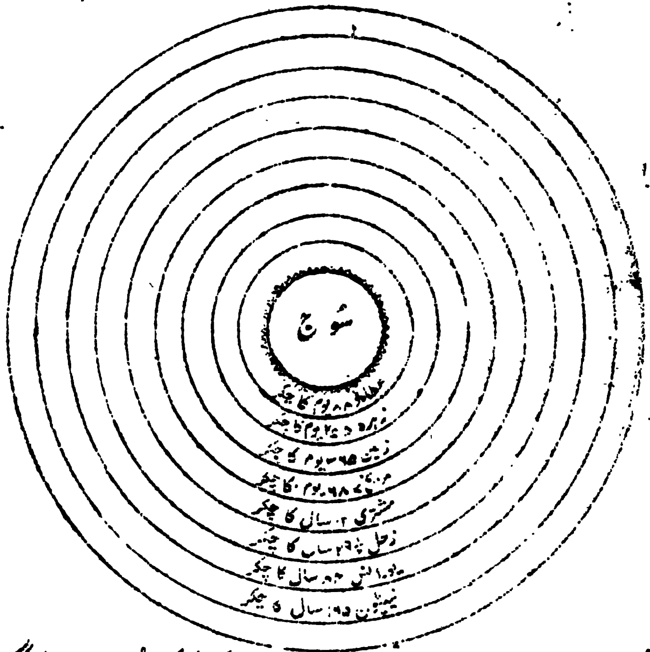
اللہ نے آسمان کو یوں تھام رکھا ہے کہ وہ زمین پر بلا حکم نہیں گر سکتا۔

ہندوستان میں ریلوے کا انتظام دیکھیے، کنٹرولر موجود ہیں، کانٹا بدلنے والے، پٹڑی کے نگہبان، سگنل دینے والے وغیرہ وغیرہ بیسیوں آدمی مختلف فرائض پر متعین ہیں، لیکن آئے دن گاڑیوں میں تصادم ہوتا رہتا ہے، جانیں ہلاک ہوتی ہیں اور ہفتوں تک آمد و رفت بند رہتی ہے۔ دوسری طرف کروڑوں عظیم الشان کُرے فضا میں بجلی کی رفتار سے گھوم رہے ہیں، کوئی سگنل دینے والا نہیں، کوئی کانٹا بدلنے والا نہیں، لائن کلیئر کا سلسلہ نہیں، لیکن پھر بھی یہ نظام نہایت شان و شوکت، صحت و اعتدال اور عظمت و رفعت سے چل رہا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ایک آنکھ ہے جو دیکھ رہی ہے اور جو کبھی غلطی نہیں کرتی۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ (نور: ۴۱)

کائنات کی ہر چیز اپنی صلوٰۃ و تسبیح (نظم و فریضہ) سے آگاہ ہے۔

نظامِ شمسی کی شکل یہ ہے:



نکتۂ یوم و ماہ: ڈاکٹر شاپلی کا خیال ہے کہ فضا میں ایک مرکز نور ہے جس کے گرد تمام شموس چکر کاٹ رہے ہیں اور ان کا ایک چکر ۳۰۰۰۰۰۰۰۰ سال میں ختم ہوتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ ہمارے تیس کروڑ سال ان شموس کے ایک سال کے برابر ہوتے ہیں اور ان کا ایک دن ہمارے تیس کروڑ دنوں یعنی ۸،۲۰،۹۰۲ سال کے برابر۔ چوں کہ آسمان میں نظام ہائے شمسی کی کوئی انتہا نہیں اور ہر سورج کی حیثیت اپنے مرکز کے گرد دوسرے سے مختلف ہے، اس لیے ہر نظام کے لحاظ سے یوم و ماہ کی مدت بھی مختلف ہے۔ ہمارے ہاں ایک دن رات زمین کی محوری گردش (۲۴ ساعت) کا نام ہے اور سال زمین کی آفتابی گردش (۳۶۵ دن) کا نام لیکن دوسرے نظاموں کے سال و ماہ ہم سے مختلف ہیں۔ عطارد

کا سال صرف ۸۸ دن کا ہوتا ہے۔ زہرہ کا سال ۲۲۵ یوم کا، لیکن مشتری کا سال ہمارے ۱۲ سال، زحل کا ہمارے ۲۹½ سال اور نیپٹون کا سال ہمارے ۱۶۵ سال کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح کہیں کوئی ستارہ ہزار سال میں اور کہیں پچاس ہزار سال میں اپنے مرکز کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ اس لیے اللہ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے:

اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (حج - ۴۷) | اللہ کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔

دوسرے مقام پر وارد ہے:

......فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ۝ (معارج ۴) | ......ایسے دن میں جو تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے

ستارے اور اُن کے بچے ہر ستارے کے کئی بچے ہیں جو اس کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ تفصیل جدول ذیل میں ملاحظہ ہو:

جدولِ اوّل (دادا اور پوتا)

نام	بُعد از ارض	قطر	گردش
سورج	۹۳,۰۰۰,۰۰۰ میل	۸۶۵,۰۰۰ میل	اپنے گرد ۲۶ یوم
چاند	۲,۴۰,۰۰۰ "	۲,۱۶۰ "	زمین کے گرد ۲۷ "

جدول دوم (سورج کے بچے)

نام	گردش اپنے گرد گھنٹے - منٹ	قطر میلوں میں	آفتابی گردش (ایام)	بُعد از آفتاب
عطارد	۲۴ - ۵	۲۵۹۲	۸۸.۹۶۹	۳۵,۰۰۰,۰۰۰ میل
زہرہ	۲۳ - ۲۱	۷۶۶۶۰	۲۲۴.۷۰	۶۷,۰۰۰,۰۰۰ "
زمین	۲۳ - ۵۶	۷۹۱۸	۳۶۵.۲۶	۹۳,۰۰۰,۰۰۰ "

مریخ	۲۴ - ۳۷	۴۲۰۰	۶۸۶.۹۸	۱۴۱,۰۰۰,۰۰۰ میل
مشتری	۹ - ۵۵	۸۵۰۰۰	۴۳۳۲.۶	۴۸۲,۰۰۰,۰۰۰ "
زحل	۱۰ - ۱۴	۷۱۰۰۰	۱۰۷۵۹	۸۸۴,۰۰۰,۰۰۰ "
یورانس	نامعلوم	۳۱,۷۰۰	۳۰۶۸۷	۱۷۸,۰۰۰,۰۰۰ "
نیپچون	"	۳۴,۵۰۰	۶۰۱۲۷	۲۷۸,۰۰۰,۰۰۰ "

جدول سوم (مریخ کے بچے)

نام		گردش گرد مریخ سیکنڈ - منٹ - گھنٹے	بُعد از مریخ
فوبس	Phobus	۷ - ۳۹ - ۱۴	۵,۸۰۰ میل
ڈیموس	Deimos	۳۰ - ۱۸ - ۵۴	" ۱۴,۵۰۰

جدول چہارم (مشتری کے بچے)

نام	گردش گرد مشتری سیکنڈ - منٹ - گھنٹے - دن	بُعد از مشتری
نامعلوم	۱ - ۱۸ - ۲۷ - ۳۴	۲,۶۲,۰۰۰ میل
"	۳ - ۱۳ - ۱۳ - ۴۲	۴,۱۷,۰۰۰ "
"	۷ - ۱۳ - ۴۲ - ۳۳	۶,۶۴,۰۰۰ "
"	۱۶ - ۱۶ - ۳۲ - ۱۱	۱۱,۷۰,۰۰۰ "

جدول پنجم (زحل کے بچے)

نام		گردش گرد زحل سیکنڈ - منٹ - گھنٹے - ایام	بُعد از زحل
الینیس	Ilnias	۰ - ۲۲ - ۳۷ - ۲۷.۹	۱,۱۸,۰۰۰ میل
اینسیلینڈس	Encelandus	۱ - ۸ - ۳۵ - ۶.۷	۱,۵۲,۰۰۰ "
تھیس	Tithys	۱ - ۲۱ - ۱۸ - ۲۵.۷	۱,۸۸,۰۰۰ "

ڈائیونی	Dione	۲ - ۱۷ - ۴۱ - ۸.۹	۲،۴۱،۰۰۰ میل
ریہی	Rhea	۴ - ۱۲ - ۲۵ - ۱۰.۸	۳۳۷،۰۰۰ "
ٹیٹن	Titan	۱۵ - ۲۲ - ۴۱ - ۲۵.۲	۷۸۱،۰۰۰ "
ہائپیرین	Hyperion	۲۱ - ۷ - ۷ - ۴۰.۸	۹۴۹،۰۰۰ "
جیپیٹس	Japetus	۷۹ - ۷ - ۵۴ - ۴۰.۴	۲۲۸۰،۰۰۰ "

جدول ششم (یورانس کی اولاد)

نام		بُعد از یورانس	گردش گرد یورانس
ایریئیل	Arial	۱۱۹،۰۰۰ میل	۲.۵۲۰۳۸۳ دن
امبیریئیل	Umberial	۱،۶۶،۰۰۰ "	۴.۱۴۴۱۸۱ "
ٹٹامن	Titamin	۲،۷۲،۰۰۰ "	۸.۷۰۵۸۹۷ "
اوبیرن	Oberan	۳۶۳،۰۰۰ "	۱۳.۴۳۶۶۹۲ "

جدول ہفتم (نیپٹون کی اولاد)

نام	گردش یوم	بُعد از نیپٹون
نامعلوم	۵.۸۷۶۹۰	۲،۲۰،۰۰۰ میل

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (مدثر ۳۱) اللہ کے لشکروں کا علم اللہ ہی کو ہوسکتا ہے۔

حرکتِ کواکب | اگر ہم ایک ایسی بلندی پر پہنچ جائیں، جہاں ہوا کی مقاومت اور کشش زمین نہ ہو اور وہاں ایک پتھر زور سے پھینکیں، تو وہ پتھر خطِ مستقیم میں ابدالآباد تک چلتا جائے گا، اس لیے کہ اس کی حرکت کی راہ میں کششِ زمین اور مقاومتِ ہوا حائل نہیں۔

یہی حال ستاروں کا ہے کہ آج سے ارب کھرب سال پہلے دنیائے کہکشاں سے چند شعلے ٹوٹے، جو اب تک ہوا میں محوِ پرواز ہیں۔ مختلف آفتابوں نے انھیں کھینچ کر ان

مریخ	۲۴ - ۳۷	۴۲۰۰	۶۸۶.۹۸	۱۴۱,۰۰۰,۰۰۰ میل
مشتری	۹ - ۵۵	۸۵۰۰۰	۴۳۳۲.۶	۴۸۲,۰۰۰,۰۰۰ "
زحل	۱۰ - ۱۴	۷۱۰۰۰	۱۰۷۵۹	۸۸۴,۰۰۰,۰۰۰ "
یورانس	نامعلوم	۳۱,۷۰۰	۳۰۶۸۷	۱۷۸۰,۰۰۰,۰۰۰ "
نیپچون	"	۳۴,۵۰۰	۶۰۱۲۷	۲۷۸۰,۰۰۰,۰۰۰ "

جدول سوم (مریخ کے بچے)

نام	گردش گرد مریخ سیکنڈ - منٹ - گھنٹے	بُعد از مریخ
فوبس Phobus	۷ - ۳۹ - ۱۴	۵,۸۰۰ میل
ڈیموس Deimos	۳۰ - ۱۸ - ۵۴	۱۴,۵۰۰ "

جدول چہارم (مشتری کے بچے)

نام	گردش گرد مشتری سیکنڈ - منٹ - گھنٹے - دن	بُعد از مشتری
نامعلوم	۱ - ۱۸ - ۲۷ - ۳۴	۲,۶۲,۰۰۰ میل
"	۳ - ۱۳ - ۱۳ - ۴۲	۴,۱۶,۰۰۰ "
"	۷ - ۳ - ۴۲ - ۳۳	۶,۶۴,۰۰۰ "
"	۱۶ - ۱۶ - ۳۲ - ۱۱	۱۱,۷۰,۰۰۰ "

جدول پنجم (زحل کے بچے)

نام	گردش گرد زحل سیکنڈ - منٹ - گھنٹے - ایام	بُعد از زحل
المیتیس Ilnias	۰ - ۲۲ - ۳۷ - ۴.۹	۱,۱۸,۰۰۰ میل
اینسیلینڈس Encelandus	۱ - ۸ - ۳۵ - ۶.۷	۱,۵۲,۰۰۰ "
ٹتھیس Tithys	۱ - ۲۱ - ۱۸ - ۲۵.۷	۱,۸۸,۰۰۰ "

ڈائیونی	Dione	۲ - ۱۷ - ۴۱ - ۸.۹	۲,۴۱,۰۰۰ میل
رہی	Rhea	۴ - ۱۲ - ۲۵ - ۱۰.۸	۳۳۷,۰۰۰ "
ٹیٹن	Titan	۱۵ - ۲۲ - ۴۱ - ۲۵.۲	۷۸۱,۰۰۰ "
ہائپیرین	Hyperion	۲۱ - ۷ - ۷ - ۴۰.۸	۹۴۴,۰۰۰ "
جیپٹس	Japetus	۷۹ - ۷ - ۵۴ - ۴۰.۴	۲۲۸۰,۰۰۰ "

جدول ششم (یورانس کی اولاد)

نام		بُعد از یورانس	گردش گرد یورانس
ایریئل	Arial	۱۱۹,۰۰۰ میل	۲.۵۲۰۳۸۳ دن
امبیریئل	Umberial	۱۶۶,۰۰۰ "	۴.۱۴۴۱۸۱ "
ٹٹامن	Titamin	۲,۷۲,۰۰۰ "	۸.۷۰۵۸۹۷ "
اوبیرن	Oberan	۳۶۳,۰۰۰ "	۱۳.۴۳۴۴۶۲ "

جدول ہفتم (نیپٹون کی اولاد)

نام	گردش یوم	بُعد از نیپٹون
نامعلوم	۵.۸۷۶۹۰	۲,۲,۰۰۰ میل

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (مدثر ۳۱) اللہ کے لشکروں کا علم اللہ ہی کو ہوسکتا ہے۔

حرکتِ کواکب | اگر ہم ایک ایسی بلندی پر پہنچ جائیں، جہاں ہوا کی مقاومت اور کشش زمین نہ ہو اور وہاں ایک پتھر زور سے پھینکیں، تو وہ پتھر خطِ مستقیم میں ابدالآباد تک چلتا جائے گا۔ اس لیے کہ اس کی حرکت کی راہ میں کششِ زمین اور مقاومتِ ہوا حائل نہیں۔

یہی حال ستاروں کا ہے کہ آج سے ارب کھرب سال پہلے دنیائے کہکشاں سے چند شعلے ٹوٹے، جو اب تک ہوا میں محوِ پرواز ہیں۔ مختلف آفتابوں نے انھیں کھینچ کر ان

کی حرکات کو دَوری بنا دیا۔ اگر آفتاب یہ خدمت انجام نہ دیتے، تو یہ سیارے بھاگ کر خدا جانے کہاں سے کہاں نکل جاتے۔ راہ میں کتنی دنیاؤں سے ٹکراتے اور کس قدر تباہی پیدا کرتے جس طرح کولھو کے بیل کو ایک خاص رسّی ایک خاص دائرے میں پھراتی ہے اسی طرح سورج کی کشش نے مشتری و عطارد، کیوان و زمین کی گزرگاہیں متعین کر رکھی ہیں، جہاں سے یہ سرِمو انحراف نہیں کر سکتے۔

لطیفہ| حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے پوچھا کہ تُو سوتا کس وقت ہے؟ اللہ نے کہا کہ یہ دو بوتلیں ہاتھ میں تھام رکھ، اس کے بعد ٹھنڈی ہوا چلائی۔ حضرت موسیٰؑ کو اونگھ آ گئی، ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے اور معًا بوتلیں گر کر چُور چُور ہو گئیں۔

سبحان اللہ! کیا بہترین رنگ میں حضرت موسیٰؑ کو یہ نکتہ سمجھایا گیا کہ اگر اللہ ایک لمحہ کے لیے بھی سو جائے تو زمین و آسمان کی کروڑوں دنیائیں ایک دوسرے پر گر کر پاش پاش ہو جائیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ..... وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ (بقرہ۔ ۲۵۵)	اس کائنات میں صرف ایک ہی خدا ہے جو قائم و دائم ہے جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھتا ہے۔ اس لیے کہ زمین و آسمان کا انتظام اس کے سپرد ہے ..... وہ بلند و برتر ہے اور ارض و سما کی حفاظت سے ہرگز نہیں تھکتا۔

نکتہ| یورپ اور ایشیا ہر دو میں یہ خیال رائج تھا اور ہے کہ ہفتہ کے ہر دن پر ایک خاص سیارے کا اثر یا حکومت ہوتی ہے۔ اسی خیال سے ان لوگوں نے بعض دنوں کو مسعود اور بعض کو منحوس قرار دیا اور ان دنوں کے نام بھی ستاروں کے نام پر رکھے۔ مثلاً:

(۱) Sunday (اتوار) Sun یعنی آفتاب کی طرف منسوب ہے۔

(۲) Monday (سوموار) Moon یعنی چاند کی طرف منسوب ہے۔

(۳) فرانسیسی میں منگل وار کو Marsday (مریخ کا دن۔ مریخ Mars) کہتے ہیں۔ اصلی لفظ (فرانسیسی زبان میں) Mardi ہے۔
(۴) اسی طرح فرانسیسی زبان میں بدھ وار کو Mercredi (Mercury day) یعنی عطارد کا دن کہتے ہیں
(۵) Thurs کے معنی ایک مغربی لغت میں مشتری اور Fri کے معنی زہرہ دیئے ہوئے ہیں تو Thursday کے معنی مشتری کا دن اور Friday کے معنی زہرہ کا دن ہوں گے۔
(۶) زحل کو انگریزی میں Saturn کہتے ہیں تو Saturday (سنیچر) کے معنی یوم زحل ہوں گے۔

اسلام ان توہمات سے آزاد تھا، اس لیے ان ایام کو کواکب کی طرف منسوب کرنے کی بجائے یوم الاحد (پہلا دن، دوسرا دن) وغیرہ کہا تاکہ مسلم ستاروں سے نہ ڈرتا پھرے۔
ثوابت | ثوابت دراصل مہیب آفتاب ہیں، جو ہم سے بہت دور ہیں اور یہ دوری بھی کئی طرح سے الٰہی رحمت ہے۔

اوّل: اگر یہ نزدیک ہوتے تو ہم مختلف شموس کی حرارت سے جل جاتے۔
دوم: یہ بڑے بڑے آفتاب ہماری زمین اور نظامِ شمسی کو کھینچ کر درہم برہم کر دیتے۔
یہ ثوابت اس قدر دور ہیں کہ اگر ہم ان میں سے کسی ایک پر کھڑے ہو کر نیچے دیکھیں تو سورج ایک چھوٹا سا درخشاں ذرّہ نظر آئے گا اور زمین کے دکھائی دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنی آنکھ سے ... ہ ستارے نظر آتے ہیں۔ دوربین سے اُن کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کیمرے کی پلیٹ (لوحِ تصویر) بے حد حساس چیز ہے، جو ایسے ستاروں کی تصویر بھی لے سکتی ہے، جو کسی دوربین سے نظر نہیں آسکتے۔ مسٹر اسحاق رابرٹ

دلورچول) نے ایک دفعہ آسمان کے $\frac{1}{1000}$ حصّے کی تصویر لی تو سولہ ہزار ستارے لوح تصویر میں اُترے۔ اِس حساب سے کُل ستاروں کی تعداد سولہ کروڑ ہونا چاہیے، لیکن اللہ کے بغیر اس تعداد کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟

علومِ طبیعی کے چند سر پھرے لونڈے کبھی کبھی یہ کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں کہ "اجی! یہ قیامت ویامت مولویوں کے فرضی قصّے ہیں، انسانی حیات کی منزل موت ہے، آگے کچھ بھی نہیں۔ مر کر کب کوئی جیا، بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ جان ڈالنا کوئی کھیل نہیں"۔

اِن جاہلوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس فضائے آسمانی میں ہماری زمین سے لاکھوں گُنا بڑی دنیائیں گھوم رہی ہیں، کروڑوں شموس و اقمار ہیں، لاتعداد زمینیں سرگرم پرواز ہیں اور ہر طرف ایک مبہوت کُن سلسلہ موجود ہے، تو جس اللہ نے یہ عظیم الشان دنیائیں بنائیں، جہاں نور و ظلمت کا یہ پُرشکوہ نظام قائم ہے، کیا اُس اللہ کے لیے چند ہڈیوں میں جان ڈالنا مشکل ہے؟ کیا آپ کو الٰہی صناعی و تخلیق پر اتنا بھی اعتماد نہیں؟

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ (النازعات۔ ۲۷ تا ۲۹)	کیا تمھاری ساخت مشکل ہے یا آسمانوں کی تخلیق؟ کس شان سے فضاؤں میں کئی دنیائیں بنا کر ان میں توازن و اعتدال پیدا کیا اور نُور و ظلمت کا سلسلہ جاری کیا۔

مطلب یہ کہ جو اللہ ظلمت سے نُور نکال سکتا ہے، وہ موت کی تاریکیوں سے آفتابِ حیات بھی طالع کر سکتا ہے۔ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ۔

دُم دار ستارے | یہ ستارے کافی تعداد میں آسمان پر موجود ہیں۔ ان کی حرکات کا کچھ علم نہیں۔ بسا اوقات یہ سورج سے دُور ہٹ جاتے ہیں اور پھر قریب آ کر گھومنے لگ جاتے ہیں۔ ان کی رفتار سورج کے پاس ۲۰۰ میل فی ثانیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ستارے کسی شفاف مادّے سے بنے ہوئے ہیں، اس لیے کہ نظر ان سے گذر کر اُن ستاروں کو بھی دیکھ لیتی ہے، جو

ان کی آڑ میں ہوں۔ ان کی دُم دراصل ان ستاروں کے مادہ تکوینی کے بخارات ہیں جو تپشِ آفتاب سے نکلتے ہیں۔ جوں ہی کہ یہ سورج سے دور ہٹ جاتے ہیں تو دُم غائب ہو جاتی ہے۔

شہاب | یہ ستارے بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں جو صرف ٹوٹتے وقت نظر آتے ہیں۔ یہ ٹوٹنا دراصل ان کی موت ہوتی ہے اور یہ صرف مرتے وقت نظر آتے ہیں! ان کی رفتار تقریباً بارہ ہزار میل فی دقیقہ ہوتی ہے، یعنی بندوق کی گولی سے ۱۰۰ گنا زیادہ۔ اور زمین کے اردگرد صرف اڑھائی گھنٹے میں چکر کاٹ سکتے ہیں۔

یہ چھوٹا سا ستارہ بے نور ہوتا ہے۔ اس میں سورج سے روشنی حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ جب یہ چلتے چلتے کہیں زمین کے قریب آ جاتا ہے تو زمین اُسے کھینچتی ہے۔ نتیجۃً یہ کرۂ ہوا میں سے نہایت تیزی کے ساتھ گزرتا ہے اور خاکی ذرات سے رگڑ کھا کر پہلے گرم پھر مشتعل ہو جاتا ہے۔ اسے آگ لگ جاتی ہے اور گیسی صورت میں تبدیل ہو کر ہوا ہی میں پریشان ہو جاتا ہے۔ یہ ہے حقیقت شہاب کی۔

بندوق سے گولی نکل کر سامنے کسی دیوار سے ٹکراتی ہے۔ اگر آپ اس گولی کو ہاتھ لگائیں گے تو گرم پائیں گے۔ یہ گرمی خاکی ذرات کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ شہاب کی رفتار چوں کہ گولی سے ۱۰۰ گنا زیادہ ہے، اس لیے ہم حساب کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کا درجۂ حرارت ....،ا سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے جو اسے پگھلانے کے لیے کافی ہے۔

اگر شہاب کی رفتار کم ہوتی تو وہ پگھل نہ سکتا۔ نتیجۃً ہم پر دن رات پتھر برستے رہتے اس لیے کہ سینکڑوں شہاب روزانہ ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اللہ کا کمالِ عنایت دیکھیے کہ ہمیں اس مصیبت سے محفوظ رکھا۔ ورنہ اگر وہ چاہتا تو شہابوں کی رفتار کو کم کر کے ہم پر اس قدر پتھر برساتا کہ ہم تباہ ہو جاتے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ (الملک ۱۷)	تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھے بیٹھے ہو، لیکن اگر اللہ آسمانی بلندیوں سے تم پر پتھر برسانا شروع کر دے، تو تمھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

آج ہم پر طیارے آسمان سے پتھر (بم) برسا رہے ہیں اور اللہ کا یہ قول لفظاً بہ لفظاً درست ثابت ہو رہا ہے۔ سبحان اللہ! قرآن کی ہر آیت میں کس قدر اسباق پنہاں ہیں، لیکن یہ آیات علماء و حکماء کے لیے ہیں، جاہل مُلّا کے لیے نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ٥ (الانعام ۹۸)	اللہ نے ستارے اس لیے بنائے کہ تم بحر و بر کی تاریکیوں میں سفر کے قابل ہو سکو۔ ہم نے یہ آیات علماء کے لیے تفصیلاً بیان کی ہیں۔

غور فرمایا آپ نے کہ قرآن حکیم نے علماء کی تعریف یہ کی ہے کہ جو علوم کائنات و ارض و سما کے ماہر ہوں۔

ہمیں سمندر کی گہرائیوں اور ایسی سرزمینوں سے جہاں انسانی قدم آج تک نہیں پہنچے، فولاد کے کچھ ٹکڑے دست یاب ہوئے ہیں، جن کا معائنہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ ٹکڑے شہاب ثاقب سے گرے تھے۔

ہوا میں ذرات خاکی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اوّل، اس لیے کہ آفتاب کی حرارت کو صرف ذرات ہی قبول کر سکتے ہیں اور ہوا غیر موصل ہے۔ ظاہر ہے کہ حرارتِ آفتاب کے بغیر کوئی چیز نشو و نما نہیں پا سکتی۔ دوم، اس لیے کہ بارش کی تکوین ان ذرات کی بدولت ہوتی ہے۔ بارش کے قطرے بن ہی نہ سکتے، اگر ان ذرات کا سہارا نہ ہوتا۔ چوں کہ ان کی کثیر تعداد قطراتِ باراں کے ساتھ مل کر زمین پر آجاتی ہے اور فضا میں کمی ہو جاتی ہے، اس لیے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے شہاب توڑے جاتے ہیں۔

اللہ اکبر! ربوبیت کی کیا شان ہے؟ تخلیق کا کیا نظام ہے اور الٰہی رحمت کس کس رنگ میں ہماری پرورش کر رہی ہے۔

چند سال ہوئے کہ ایک طیارہ باز نے اپنا تجربہ یوں بیان کیا (سول ملٹری گزٹ ۸ جنوری ۱۹۳۹ء) کہ اس کا طیارہ کافی بلندی پر جا رہا تھا کہ اچانک پتھر برسنا شروع ہو گئے اور وہ واپس بھاگا، تو کیا اب بھی اس حقیقت سے انکار ہو سکتا ہے کہ

...... وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ	...... ہم نے آسمانوں کو شیطان سے محفوظ کر دیا ہے
...... إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ○ (صافات)	...... جب کبھی شیطان فلکی بلندیوں تک پہنچ کر کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے تو شہاب ثاقب اُسے بھگا دیتا ہے۔

فرعون و نمرود، قیصر و کسریٰ و دیگر شیاطین انس انبیاء کے ہاتھوں ہمیشہ رسوا ہوتے رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ نظام وحی و فلک الہام کے شہاب (انبیاء) ان ظالم لوگوں کا ہمیشہ پیچھا کرتے رہے اور اپنی شیطنت کی بدولت انہیں کلام الٰہی سے فائدہ اٹھانے کی توفیق میسر نہ ہوئی۔ انبیاء کا مقصد انسانی دنیا کو شیطانی حملوں سے بچانا تھا، اس لیے یہ اولوالعزم ستارے دنیائے شیطنت پر ہمیشہ شہاب بن کر ٹوٹتے رہے۔ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔

جب زمین سورج سے پیدا ہوئی تھی، تو قدرے چھوٹی تھی۔ ان شہابوں کی بدولت (جو کروڑہا صدیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ہماری زمین میں اضافہ کر رہے ہیں، قدرے بڑی ہو گئی۔ آپ کہیں گے کہ ایک چھوٹا سا شہاب زمین میں کیا اضافہ کر سکتا ہے؟ تو گزارش ہے کہ قطرے مل کر سمندر بنتے ہیں اور شہابوں کی تعداد تو اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ کے بغیر کسی اور کو علم حاصل نہیں۔

۱۲ ستمبر ۱۸۷۶ء کو ایک شہاب ۱۰۰۰ میل تک دوڑتا گیا اور شکاگو اور سینٹ لوئی کے درمیان جا کر پھٹا، جس سے چھوٹے چھوٹے ستارے نکل کر کچھ فاصلے پر غائب ہو گئے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ ﴿الملک ۱۷﴾	تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھے بیٹھے ہو، لیکن اگر اللہ آسمانی بلندیوں سے تم پر پتھر برسانا شروع کردے، تو تمھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

آج ہم پر طیارے آسمان سے پتھر (بم) برسا رہے ہیں اور اللہ کا یہ قول لفظاً بہ لفظاً درست ثابت ہو رہا ہے۔ سبحان اللہ! قرآن کی ہر آیت میں کس قدر اسباق پنہاں ہیں، لیکن یہ آیات علما، و حکما کے لیے ہیں، جاہل ملّا کے لیے نہیں۔

ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿الانعام ۹۸﴾	اللہ نے ستارے اس لیے بنائے کہ تم بحر و بر کی تاریکیوں میں سفر کے قابل ہو سکو۔ ہم نے یہ آیات علماؔ کے لیے تفصیلاً بیان کی ہیں۔

غور فرمایا آپ نے کہ قرآن حکیم نے علما کی تعریف یہ کی ہے کہ جو علوم کائنات وارض وسما کے ماہر ہوں۔

ہمیں سمندر کی گہرائیوں اور ایسی سرزمینوں سے جہاں انسانی قدم آج تک نہیں پہنچے، فولاد کے کچھ ٹکڑے دست یاب ہوئے ہیں، جن کا معائنہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ ٹکڑے شہاب ثاقب سے گرے تھے۔

ہوا میں ذرّات خاکی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اوّل، اس لیے کہ آفتاب کی حرارت کو صرف ذرّات ہی قبول کر سکتے ہیں اور ہوا غیر موصل ہے۔ ظاہر ہے کہ حرارتِ آفتاب کے بغیر کوئی چیز نشو و نما نہیں پا سکتی۔ دوم، اس لیے کہ بارش کی تکوین ان ذرّات کی بدولت ہوتی ہے۔ بارش کے قطرے بن ہی نہ سکتے، اگر ان ذرّات کا سہارا نہ ہوتا۔ چوں کہ ان کی کثیر تعداد قطراتِ باراں کے ساتھ مل کر زمین پر آجاتی ہے اور فضا میں کمی ہو جاتی ہے، اس لیے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے شہاب توڑے جاتے ہیں۔

اللہ اکبر! ربوبیت کی کیا شان ہے؟ تخلیق کا کیا نظام ہے اور الہٰی رحمت کس کس رنگ میں ہماری پرورش کر رہی ہے۔

چند سال ہوئے کہ ایک طیارہ باز نے اپنا تجربہ یوں بیان کیا (سول ملٹری گزٹ ۸ جنوری ۱۹۳۹ء) کہ اس کا طیارہ کافی بلندی پر جا رہا تھا کہ اچانک پتھر برسنا شروع ہو گئے اور وہ واپس بھاگا، تو کیا اب بھی اس حقیقت سے انکار ہو سکتا ہے کہ

..... وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ	..... ہم نے آسمانوں کو شیطان سے محفوظ کر دیا ہے
..... إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (صافات ـ ۱۰)	..... جب کوئی شیطان فلکی بلندیوں تک پہنچ کر کچھ سننے کی کوشش کرتا ہے تو شہابِ ثاقب اُسے بھگا دیتا ہے۔

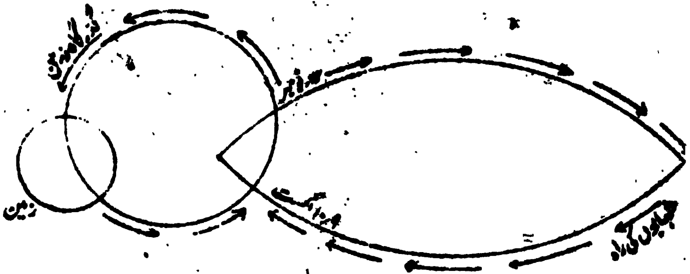
فرعون و نمرود، قیصر و کسریٰ و دیگر شیاطین انس انبیاء کے ہاتھوں ہمیشہ رسوا ہوتے رہے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ نظام وحی و فلک الہام کے شہاب (انبیاء) ان ظالم لوگوں کا ہمیشہ پیچھا کرتے رہے اور اپنی شیطنت کی بدولت انہیں کلام الہٰی سے فائدہ اٹھانے کی توفیق میسر نہ ہوئی۔ انبیاء کا مقصد انسانی دنیا کو شیطانی حملوں سے بچانا تھا، اس لیے یہ اولوالعزم ستارے دنیائے شیطنت پر ہمیشہ شہاب بن کر ٹوٹتے رہے۔ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔

جب زمین سورج سے پیدا ہوئی تھی، تو قدرے چھوٹی تھی۔ ان شہابوں کی بدولت جو کروڑہا صدیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ہماری زمین میں اضافہ کر رہے ہیں، قدرے بڑی ہو گئی۔ آپ کہیں گے کہ ایک چھوٹا سا شہاب زمین میں کیا اضافہ کر سکتا ہے؟ تو گذارش ہے کہ قطرے مل کر سمندر بنتے ہیں اور شہابوں کی تعداد تو اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ کے بغیر کسی اور کو علم حاصل نہیں۔

۱۲ ستمبر ۱۸۷۶ء کو ایک شہاب ...۱ میل تک دوڑتا گیا اور چکاگو اور سینٹ لوئی کے درمیان جا کر پھٹا جس سے چھوٹے چھوٹے ستارے نکل کر کچھ فاصلے پر غائب ہو گئے۔

نیز اس سے ایک زبردست آواز پیدا ہوئی جو پندرہ منٹ کے بعد زمین پر پہنچی۔ آواز ایک منٹ میں تقریباً بارہ میل سفر کرتی ہے تو گویا یہ شہاب زمین سے ۱۸۰ میل دور تھا۔
سر رابرٹ ایس بال ال ال ڈی، کہتا ہے کہ ۱۳ نومبر ۱۸۶۶ء کی رات کو دو ستارے ٹوٹے، جو پھٹ کر پہلے چار پھر آٹھ پھر سولہ اور پھر سینکڑوں کی تعداد تک پہنچ گئے۔ فضا روشنی سے جگمگا اٹھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر آتش بازی ہو رہی ہے۔ یہ تماشہ تین گھنٹے تک جاری رہا۔ یہ منظر ہر ۳۳ سال کے بعد آسمان پر نظر آیا کرتا ہے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء کو اس قدر شہاب باری ہوئی تھی کہ لوگ ڈر گئے تھے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۳۲ء کو یہ تماشہ مسٹر کرک وڈ (Kirkwood) نے افریقہ میں دیکھا تھا مسٹر وڈ لکھتے ہیں کہ آدھی رات کے وقت حبشیوں نے شور مچا دیا "بچائیو! مارے گئے، دنیا کو آگ لگ گئی" میں تلوار لے کر باہر آیا تو دیکھا کہ شہابوں کی وجہ سے گویا آسمان کو آگ سی لگی ہوئی ہے۔ یہ تماشہ ہر ۳۳ سال کے بعد ۱۲، ۱۳ نومبر کی درمیانی رات کو ہوا کرتا ہے۔ ۱۸۶۶ء، ۱۸۹۹ء اور ۱۹۳۲ء کو یہ منظر دیکھا گیا تھا۔ اب بشرطِ زندگی ۱۹۶۵ء میں پھر دیکھیں گے۔
اس شہاب باری کی وجہ یہ ہے کہ شہاب فضا میں سورج کے گرد یوں گھومتے ہیں کہ ہر ۳۳ سال کے بعد ۱۳ نومبر کی رات کو زمین شہابوں کی راہ (راہِ گردش) کو کاٹتی ہے، تو جس قدر شہاب قریب ہوتے ہیں، وہ کشش ارض سے زمین کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور مشتعل ہو کر روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یوں تو زمین ہر سال اسی راہ سے گذرتی ہے لیکن شہاب صرف ۳۳ سال کے بعد یہاں موجود ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی اکا دکا شہاب ہر سال پاس موجود ہو، تو وہ بھڑک اٹھتا ہے۔ زمین شہابوں کی گذرگاہ سے سال میں دو دفعہ گذرتی ہے۔

شکل یہ ہے:



بعض اوقات ۹، ۱۰ اگست کی رات کو بھی شہاب باری ہوتی ہے۔

شہاب کی پیدائش | جنگ عظیم کے معاً بعد امریکہ کے ایک موجد نے اتنی زبردست توپ بنائی کہ جب اس کا گولہ پھینکا گیا تو وہ حدودِ زمین سے باہر نکل گیا اور کشش زمین سے آزاد ہو کر فضا میں گھومنے لگ گیا۔ اسی طرح کسی وقت آتش فشاں پہاڑوں نے اپنا لاوا اس قوت سے نکالا تھا کہ کافی مقدار کشش زمین سے آزاد ہو کر فضا میں گھومنے لگ گئی۔ اب زمین کو جس وقت موقع ملتا ہے وہ ان مفرور بچوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

بُعدِ نجوم | زمین سے ستاروں کا فاصلہ ماپنے کے لیے ہمارے سال و ماہ کے پیمانے ناکافی ہیں، اس لیے علمائے ہیئت نے سالِ نوری کی اصطلاح وضع کی ہے۔ ایک آدمی ایک سیکنڈ میں صرف ایک قدم یا اس سے کم مسافت طے کرتا ہے اور روشنی ایک سیکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل مسافت طے کرتی ہے۔ اگر ایک آدمی روزانہ بیس میل سفر کرے تو اسے ۱۸۶۰۰۰ میل طے کرنے کے لیے ۹۳۰۰ ایام کی ضرورت ہوگی۔ بہ دیگر الفاظ روشنی کا ایک ثانیہ ہمارے ۲۵ سال کے برابر ہے۔ ایک منٹ میں روشنی ۱۱۱۶۰۰۰۰ میل سفر کرتی ہے۔ ایک گھنٹے میں ۶۶۹۶۰۰۰۰۰ میل، ایک دن رات میں ۱۶۰۷۰۴۰۰۰۰۰ میل، ایک ماہ میں ۴۸۲۱۱۲۰۰۰۰۰۰ میل اور ایک سال میں ۵۸۶۵۳۴۴۰۰۰۰۰۰ میل سفر کرتی ہے اور یہ ہے سالِ نوری۔ ایک انسان روزانہ بیس میل کے حساب سے سال میں صرف ۷۳۰۰ میل مسافت طے کرے گا اور روشنی اس مسافت کو صرف ۱/۲۵ سیکنڈ میں

طے کرتی ہے۔ ایک سال میں تقریباً ۰۰۰،۰۰،۱۵،۳ سیکنڈ ہوتے ہیں۔

قریب ترین ستارے کا فاصلہ سورج ہم سے ۰۰۰،۰۰،۹۳ میل دور ہے، جہاں سے روشنی تقریباً ۸ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے اور قریب ترین ستارہ ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۲۵ میل دور ہے۔ اس بُعد کا اندازہ یوں لگائیے کہ لنکا شائر میں روزانہ سوت کا دھاگہ اس قدر تیار ہوتا ہے کہ جس سے زمین کے اردگرد سات چکر دیے جا سکیں۔ اگر ہم اس قدر دھاگہ تیار کرنا چاہیں کہ وہ قریب ترین ستارے تک پہنچ سکے تو چار سو سال صرف ہوں گے۔ اگر ہم ایک کلاک کو ان ہندسوں کے گننے پر لگا دیں تو تین لاکھ سال صرف ہوں گے۔

شہاب کی رفتار گولی سے سو گنا زیادہ ہے اور روشنی کی رفتار شہاب سے دس ہزار گنا تیز ہے۔ یہ روشنی قریب ترین ستارے سے تین سال کے بعد ہم تک پہنچتی ہے۔ چونکہ دیکھنا صرف روشنی سے ہو سکتا ہے، اس لیے اس ستارے کی جو حالت ہم آج دیکھ رہے ہیں، وہ تین سال پہلے کی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر اگر ہم اُڑ کر اس ستارے پر جا بیٹھیں تو ہمیں زمین کے صرف وہ واقعات نظر آئیں گے جو یہاں تین سال پہلے ہو چکے تھے۔ اگر یہ ستارہ آج مٹ جائے تو تین سال تک ہمیں نظر آتا رہے گا۔

ویگا (Vega) ستارے سے جو روشنی آج ہم تک پہنچ رہی ہے، وہ سو سال پہلے کی ہے۔ اگر ہم اس ستارے میں چلے جائیں تو ہمیں زمین پر موجودہ نسل کا کوئی آدمی نظر نہیں آئے گا، بلکہ گزشتہ نسل کے انسان نظر آئیں گے۔ بعض ستارے اس سے بھی دُور ہیں۔ کہکشاں کا قریب ترین ستارہ دس لاکھ سالِ نوری اور بعید ترین ستارہ پندرہ کروڑ سالِ نوری کی مسافت پر واقع ہے۔ بہ دیگر الفاظ کہکشاں کا قریب ترین ستارہ ہم سے ۰۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۴۴،۳،۵۰،۵،۷ میل دور ہے۔ اگر ہم اس ستارے پر جا پہنچیں تو ہمیں تخلیقِ آدم سے پہلے کے واقعات نظر آئیں گے۔

فرض کرو کہ ہم نے یہاں سے قریب ترین ستارے تک ایک ریلوے لائن بنائی ہو ہر سو میل کا کرایہ ایک آنہ مقرر کیا۔ اب تم ریلوے سٹیشن سے ٹکٹ لینا چاہتے ہو۔ آنوں کو روپوں اور روپوں کو پونڈوں میں بدل لو۔ پونڈ صندوقوں میں ڈالو اور اٹھا کر اسٹیشن کی طرف چلو۔ صندوق بھاری ہیں، اٹھائے نہیں جاتے تو قلی منگالو۔ ایک قلی سے کام نہیں چلتا تو دس بیس منگالو معلوم ہوا کہ صندوق اب بھی نہیں اٹھتے، گاڑی لے لو۔ سارے یہ تو ایک گاڑی میں نہیں سما سکتے۔ ٹھہرو، حساب کر لیں۔ حساب کے بعد معلوم ہوا کہ ۵۰۰ بیل گاڑیاں درکار ہوں گی۔ بعض ایسے ستارے بھی ہیں جن کی روشنی ابتدائے عالم سے اب تک ہمارے ہاں نہیں پہنچی۔ بعض پیدا ہو کر مٹ گئے۔ لیکن روشنی کا بدستور انتظار ہے۔

شعریٰ کی روشنی نو سال نوری میں، نسر الطائر کی چودہ سال میں، نسر الواقع کی چالیس سال میں، عیوق کی بتیس سال میں اور سماک رامح کی پچاس سال نوری میں ہم تک پہنچتی ہے۔

ستاروں کے رنگ | بعض ستارے سفید، بعض سنہرے، بعض سبز، بعض نیلے اور بعض سرخ ہیں اور تقریباً اسی مادے سے تیار ہوئے ہیں جس سے ہماری زمین بنی تھی۔ بعض ستارے سورج سے ۱۶ لاکھ گنا زیادہ روشن ہیں اور ان کا قطر .... میل ہے۔

نیبولا یا سدیم | آسمان میں روشنی کے چند گول ٹکڑے بادلوں کی طرح مدھم سے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شکل اس طرح ہے:

اس دائرے کے طول و عرض کا اندازہ لگانے کے لیے ہم ان میں ریلوے لائن بچھاتے ہیں۔ گاڑی ایک کنارے سے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روانہ ہوتی ہے تو دوسرے کنارے تک ایک لاکھ سال میں پہنچے گی۔ اس طرح کے سدیم ہزاروں کی تعداد میں دریافت ہو چکے ہیں۔

غور فرمائیے کہ آسمانوں میں کس قدر مہیب دُنیائیں کس توازن سے چکر کاٹ رہی ہیں کتنے بڑے بڑے کُرے لاکھوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محو پرواز ہیں جب ہم ان دنیاؤں پر ایک جھلملاتی سی نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنی بے مقدار سی ہستی کا زبردست احساس پیدا ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ اُس خالق ارض و سما کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ انسانی ہدایت کے لیے اس قدر پیمبر اس قدر رہنما و رہبر بھیجتا رہا۔ ادھر انسان کو دیکھو کہ ان دنیاؤں کے مقابلے میں اس کی ہستی ایک حقیر کیڑے سے زیادہ نہیں۔ نافرمانی و بدعملی میں چوٹی تک ڈوبا ہوا ہے اور پھر خدا کا پیارا اور لاڈلا ہونے کا گھمنڈ ہے، در بدر مانگتا پھرتا ہے، لیکن جنت کا ٹھیکیدار ہونے کا پندار ہے۔ چیتھڑے اور جوئیں سنبھال نہیں سکتا، لیکن امتِ رسولؐ ہونے کا غرور ہے۔ مسکنت و ذلت کا مجسمہ بن چکا ہے لیکن تقدس و پاک بازی کا دعوی کرتا ہے۔ اس پر خود غلط انسان کو کیا معلوم کہ اس صاحب جبروت ربّ کے ہاں جس کی فضاؤں میں زمین جیسی ارب کھرب دُنیائیں نہایت شکوہ و عظمت سے گھوم رہی ہیں، انسان کو کوئی وقعت حاصل نہیں۔ بھلا اس ہیچ میرز کیڑے کی ان لرزہ انگیز کروں کے سامنے ہستی ہی کیا ہے؟ تو پھر یہ نشہ کیوں، یہ عزور و پندار کیسا؟ اور یہ اَنَا وَلَا غَیْرِیْ کا دعویٰ کس لیے؟

وَلَہُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (جاثیہ ۳۷)	زمین و آسمان الٰہی کبریا و جبروت کی داستانیں سنا رہے ہیں۔ وہ سب غالب، بلند تر اور سب حکمت ہے۔

مقابلہ | ہماری زمین فضا میں ایک حقیر سا کرہ ہے۔ کروڑوں کُرے ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے فضا میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ یہ فرض کرنا کہ ان کروں میں زندگی نہیں، غلط ہے۔ یہ زمین ان کروں کے مقابلے میں ایک کھلونا ہے۔ صرف مشتری ہماری زمین سے ۱۲۰۰ گنا بڑا ہے۔ تو کیا یہ تمام دُنیائیں صرف زینت کے لیے بنائی گئیں؟ محض کھیل کے لیے پیدا کی گئیں؟ کوئی اور مقصد نہ تھا؟ ضرور ہے لیکن ابھی ہمارا علم بہت ناقص ہے۔ آؤ

دنیاؤں کے راز دریافت کرنے کے لیے ابھی کئی ہزار صدیاں اور صرف ہوں گی اور تب کہیں معلوم ہو گا کہ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ (دخان ۳۸)	ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، محض تماشے کی خاطر پیدا نہیں کیا۔

علم | اس وقت تک صرف اہلِ زمین کے تمدن، حکومت، طبائع، جغرافیہ، تاریخ، اخلاق وغیرہ پر آٹھ کروڑ سے زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر ہمیں دوسرے کروں کا علم بھی زمین ہی کی طرح حاصل ہوتا تو ہم ان کے متعلق بھی کتابیں لکھتے۔ چوں کہ آسمانی کروں کی تعداد دس کروڑ ہے اس لیے علم میں دس کروڑ گنا اضافہ ہو جاتا۔ اگر ہم اس تمام ذخیرۂ کتب کو ایک لائبریری میں رکھنا چاہتے اور لائبریری کے ہر کمرے میں ۱۰ ہزار کتب سما سکتیں، تو ہمیں ۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ کمروں کی ضرورت ہوتی۔ اگر لاہور میں ۳ لاکھ مکانات تسلیم کیے جائیں تو ہماری یہ لائبریری لاہور جیسے ۲۶۶۶۶ شہروں میں سماتی۔ اگر ایک آدمی روزانہ ایک کتاب پڑھ ڈالتا تو اسے تمام کتب ختم کرنے کے لیے ۲۱۹۱۷۸۰۸۲۱۹۲ سال درکار ہوتے۔

خدا کے بندو! کیا ان تفصیلات کے بعد الٰہی جلال و عظمت سے تمہارے دماغ متاثر ہوئے؟ کیا تمہارے دلوں میں خشیۃ اللہ کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جو ان تفاصیل کا مقصد ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو آؤ مل کر کہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر ۱)	قابلِ تعریف ہے وہ رب جس نے زمین و آسمان پیدا کیے۔

اہلِ انگلستان کو اپنے بادشاہ کی عظمت و شوکت پر ناز ہے۔ اہلِ جرمنی کو ہٹلر پر اور اہلِ روس کو سٹالن پر، لیکن مسلم کو اس قہار و جبار کی سلطنت پر ناز ہے جو:

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝	رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے جس کی مشیت کے سامنے شمس و قمر مجبور و مقہور ہیں اور سب کے سب ایک معین مدت تک برسرِ رفتار رہیں گے۔ یہ ہے تمہارا رب اور فرماں روا۔ جن کو بغیر ہم معبود کی خوشامد کرتے پھر رہے ہو وہ ایک تنکے تک کے مالک نہیں۔

باب (۴)

عالمِ حیوانات

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝ (یٰس ۷۱ تا ۷۳)

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ حیوانات ہم نے پیدا کیے، لیکن ان کے مالک انسان بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے ہاتھی، گائے، اونٹ اور گھوڑے جیسے جانوروں کو ان کا یوں مطیع کر دیا کہ وہ ان پر سوار ہوتے ہیں اور انھیں کھاتے بھی ہیں۔ ان کے بالوں، ہڈیوں اور گوبر وغیرہ میں ان کے لیے کس قدر فوائد ہیں اور پھر غور کریں کہ ہم خون کو کیا بنا کر دودھ ان کے لیے مہیا کرتے ہیں۔ کیا وہ اب بھی ناشکر رہیں گے؟

ایک چوہے کو ہاتھ میں پکڑو تو کاٹتا ہے۔ بھڑ کے قریب جاؤ تو ڈنک لگاتی ہے۔ ہرن میل بھر سے دوڑ جاتا ہے۔ بھیڑیے یا چیتے پر سواری ناممکن ہے، حالاں کہ یہ گھوڑے سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اگر اونٹ کسی وقت باغی ہو جائے، تو مالک کو گھٹنوں کے نیچے پیس ڈالتا ہے (کینۂ شتر مشہور ہے)۔ اگر بیل یا بھینسا سرکش ہو جائے تو تمام گھر کو آناً فاناً مسمار کر دے۔ اللہ کی یہ کتنی بڑی نوازش ہے کہ اونٹ، گھوڑے، بیل، بھینس اور ہاتھی جیسے شہ زور حیوان ہمارے اشارۂ نگاہ کے مطابق کام کر رہے ہیں، ہمارے بوجھ اٹھا رہے ہیں، ریگستانوں میں سے ہمیں اٹھا کر پار لے جا رہے ہیں اور

کان تک نہیں ہلاتے ۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ٥ پھر ہر گائے اور ہر بھینس ایک مشین ہے، جو ہمارے لیے اکمل الاغذیہ یعنی دودھ مہیا کرتی ہے ۔ اگر دودھ کا رنگ سرخ، سبز یا سیاہ ہوتا تو ہمیں نفرت سی آتی ۔ چاندنی کی طرح شفاف نہریں تھنوں سے بہ رہی ہیں ۔ ہمارے علم اور کاریگری کے بغیر چل رہی ہیں ۔ بسا اوقات بچے تک کے لیے دودھ نہیں بچتا ۔ گوالن تمام دودھ دوہ لیتی ہے، لیکن گائے خاموش کھڑی رہتی ہے ۔ یہ اس لیے کہ گائے ہماری پرورش کو بچے کی پرورش پر ترجیح دیتی ہے ۔
اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۔

ہندوؤں نے گائے کی اس قربانی سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں اس قدر دل کش مناظر ہر سو بکھرے ہوئے ہیں کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا ست

حضرت ابراہیم کو درخشاں ستارے پر خدا ہونے کا دھوکا[1] لگ گیا تھا :

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ (الانعام ۷۶)	جب رات چھا گئی اور فضا کی وسعتوں میں ایک حسین ستارہ دیکھا، تو ابراہیم نے کہا کہ یہی میرا رب ہے ۔

[1] یہ واقعہ نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ۲۴ گھنٹوں میں اللہ کے سوا تین رب تسلیم کر لیے تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کھلے میدان میں ایک مناظرہ تھا جس کی روداد بیان کی جا رہی ہے اور حضرت ابراہیم بطور احتجاج و استدلال گفتگو فرما رہے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے : وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ (انعام ۔ ۸۰) قوم نے آپ سے بحث کی، آپ نے فرمایا، تم میرے ہدایت کرنے والے خدا کے بارے میں مجھ سے بحث کرتے ہو ..... وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۚ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ (انعام ۔ ۸۳) اور یہ (اجرام سماوی کے غروب ہو جانے کی دلیل) ہماری ربانی دلیل تھی، جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے پر دی تھی، جسے ہم چاہتے ہیں درجوں میں بلند کرتے ہیں ۔ (تدبیر البیان)

صابئین نے سورج کو خدا تسلیم کیا۔ زرتشت اور موسیٰ نے آگ میں الہٰی تجلیاں دیکھیں۔ صوفیۂ کرام کو ہر گل میں گلستان کا منظر دکھائی دیا۔ شیدایانِ ویدانت نے ہر ذرہ میں صحرا کا تماشہ دیکھا۔ اس حسین دنیا میں ہر سُو نور و تجلی کے وُہ حیرت انگیز مناظر موجود ہیں کہ ہر چیز پر مظہر خدا ہونے کا دھوکا لگتا ہے۔

ایک بچہ باپ کے ساتھ بازار میں جاتا ہے جس مٹھائی کو پہلے دیکھتا ہے، اس کے خریدنے کی تمنا ظاہر کرتا ہے، لیکن والد ساتھ ہے، وہ بہترین چیز خرید کر دیتا ہے۔ اگر ہماری انگلی رسولؐ کے ہاتھ میں نہ ہوتی تو ہم اس نادان بچے کی طرح ہر چیز کی پرستش پر اُتر آتے۔ ہر رسول نے بہ بانگ دہل اعلان کیا تھا کہ دیکھو، ان مناظر میں کہیں اُلجھ کر نہ رہ جانا۔ تمھارا مسجود وُہ قادر و برتر رب ہے جو ان کھلونوں کا خالق ہے اور یہ مناظر تمھارے غلام و مطیع ہیں نہ کہ معبود و مسجود۔

اقسامِ حیوانات| حیوانات کی مختلف قسمیں ہیں۔ وحوش و طیور وغیرہ۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں، جن میں صرف لمس کی حس ہے اور بس۔ مثلاً اصداف، ذُلدلی جرثیم اور بطونِ حیوانات کے کیڑے بعض دیگر میں صرف ذوق و لمس ہے، مثلاً پھلوں اور پھولوں پر پلنے والے چھوٹے چھوٹے کیڑے بعض میں تین حواس ہیں لمس، ذوق اور شم۔ مثلاً وہ حیوانات جو سمندر کی گہرائی یا دیگر تاریک مقامات میں پلتے ہیں بعض میں چار حواس ہیں اور صرف بصر سے محروم ہیں۔ مثلاً تاریک غاروں میں بسنے والے حیوانات جو روشنی نہ ہونے کی وجہ سے نظر سے بے نصیب رہتے ہیں۔ پانچ حواس والے حیوانات سے ہر کوئی آگاہ ہے۔ قدرت کا کمال دیکھیے کہ ان میں سے ہر جانور اپنی تخلیق میں مکمل ہے۔

خوردبینی اجرام (Potozoa) | یہ حیوانات صرف ایک خلیے سے بنے ہیں اور سب سے پہلے یہی جانور عالم وجود میں آئے تھے۔ آج ان جانوروں کے خول اُن پہاڑوں

میں ملتے ہیں جو لاکھوں سال تک پانی کے نیچے رہے جن سے لاڑنا ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ ابتدائی کیڑے موجودہ ارتقا یافتہ انواع کے آباء واجداد تھے۔ بہت سے پتھر اور خصوصاً چونے کے پتھر انھی جانوروں سے تیار ہوئے۔ اہرامِ مصر پر ان جانوروں کی کئی انچ موٹی تہیں ملتی ہیں۔ ملیریا وغیرہ امراض انھی اجرام کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔ یہ خوردبینی اجرام اپنی حفاظت مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔ سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ ایک گھنٹے میں لاکھوں بچے دیتے ہیں۔ بسا اوقات سبزیوں کے نیچے اور پانی کے جوہڑوں میں پناہ لیتے ہیں۔ بیضہ کا جرثومہ ایک ان میں .... بچے پیدا کرتا ہے۔ تاکہ تباہی کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہیں۔

تنوع | بعض حیوانات چلتے نہیں، لوٹتے ہیں، مثلاً برف کے کیڑے۔ بعض سرکتے ہیں، مثلاً اصداف۔ بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں، مثلاً سانپ۔ بعض دوڑتے ہیں، مثلاً چوہا۔ بعض دو پروں سے اڑتے ہیں، بعض چار پروں سے، مثلاً ٹڈی۔ بعض کے دو پاؤں ہوتے ہیں، بعض کے چار، بعض کے چھ، بعض کے اس سے بھی زیادہ۔ یہاں تک کہ ہزار پاؤں والے جانور بھی موجود ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (نور۔ ۴۵)

اللہ نے ہر جانور کو سمندر سے پیدا کیا۔ ان میں سے بعض پیٹ کے بل اور بعض دیگر دو اور بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، وہ اس قسم کے تنوع اور اختلاف پر قادر ہے۔

اللہ نے حیوانات کی لاکھوں انواع بنائیں اور ہر نوع کے افراد لاتناہی تعداد میں پیدا کیے۔ ہر نوع کا رنگ، شکل، ہیئت وغیرہ دوسری نوع سے مختلف رکھی۔ پھولوں اور سبزیوں پر بعض چھوٹی چھوٹی مکھیاں اس قدر باریک ہوتی ہیں کہ اگر پکڑ کر دیکھنا چاہو تو

انڈے کی طرح پھوٹ جاتی ہیں، لیکن کمال یہ ہے کہ ان میں باقاعدہ گردے، ہڈیاں، پھیپھڑے، معدہ، انتڑیاں، دماغ، آنکھیں، پَر، ٹانگیں وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور اس چھوٹے سے انجن میں پٹرول بھی بھرا ہوا ہے کہ باقاعدہ اُڑ رہا ہے۔ اللہ کا کمال دیکھنا ہو تو کوہِ ہمالیہ مت دیکھو، بلکہ یہ چھوٹے چھوٹے اُڑتے ہوئے انجن دیکھو۔ ان کے رنگ پر غور کرو۔ مُنہ، پاؤں، آنکھیں اور سر دکھائی تک نہیں دیتے، لیکن پھر بھی یہ مکمل جسم ہیں۔ ہر جسم میں چھوٹی چھوٹی رگیں ہیں، جن میں خون دوڑ رہا ہے۔ ایک چھوٹا سا پیٹ ہے جس میں غذا جا رہی ہے۔ اللہ اکبر! یہ جسم اللہ نے کس طرح تیار کیا ہوگا۔ شاعرِ فطرت کا کتنا باریک، نازک اور ادق تخیل ہے کہ انسانی عقل تھرتھرا اُٹھتی ہے۔ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔

خود اعتمادی جنگلی جانور اپنی حفاظت خود کرتے ہیں، اس لیے چُست، چالاک، تیز، تندرست، دَرّاک اور حیلہ باز ہوتے ہیں، لیکن گائے، بھینس، گدھے وغیرہ کی حفاظت کا ذمہ انسان نے لے رکھا ہے، اسی لیے یہ کاہل، بھدّے اور سُست ہوتے ہیں جو قوم اپنے قواء کو استعمال نہیں کرتی، اللہ اُس سے قوائے عمل چھین لیتا ہے مسلمانوں کو تقلید نے آج اندھا اور بہرا بنا رکھا ہے۔ اس قوم نے قوائے مفکرہ کا استعمال چھوڑ دیا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ طاقتیں ہی چھین لیں۔ آج جس مُلا کو دیکھو، فلاطون وارسطو، بوحنیفہ و شافعی، بوعلی سینا اور ابنِ رشد کے حوالے دے رہا ہے اور خود سوچنا گناہ خیال کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارے سیاسی راہ نما ہر بات میں مغربی نظریوں سے مدد لے رہے ہیں۔ مغربی وطنیت، مغربی جمہوریت اور مغربی قومیت پر نظامِ عالم کی تعمیر ہو رہی ہے۔ سٹالن، ہٹلر، نطشے، لینن، نولڈیکے، روسو اور کارلائل کی تحریرات کو اخلاقی و روحانی پہلوؤں کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ سچ ہے، ایک غلام دماغ سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں ہو سکتی؛

مکتب از تدبیر او گیرد نظام — تا بکام خواجہ اندیشد غلام (اقبالؒ)

حرکاتِ حیوانات | حرکت تلاشِ غذا کے لیے ہے۔ چوں کہ درختوں کو غذا ہوا و زمین سے مِل جاتی ہے، اس لیے انھیں چلنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض درخت بھی تلاشِ غذا کے لیے چلتے پھرتے، تو دنیا میں بڑی بدنظمی پھیل جاتی۔ ہر روز ہزاروں درخت سڑکوں کے درمیان آجاتے، آمد و رفت بند ہو جاتی۔ زید کے کھیت سے درخت چل کر عمرو کے کھیت میں چلے جاتے اور باغوں سے بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھ جاتے۔

چوں کہ حیوان کی خوراک دنیا میں ہر سُو پھیلی ہوئی ہے، اس لیے وہ چلتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وہی خصوصیات عطا کیں، جن کی اُسے ضرورت تھی۔ مثلاً سپنج ایک ایسا جانور ہے جو اپنے مقام کو نہیں چھوڑتا۔ اس لیے کہ اس کی غذا وہیں موجود ہوتی ہے۔ سی سکرٹ (Sea-Squirt) غذا کے لیے صرف اتنی ہی تکلیف کرتا ہے کہ اپنے خول سے سر باہر نکالتا ہے اور بس۔

حالات کے مطابق مختلف جانوروں کی حرکات مختلف ہیں۔ بعض دن کو سوتے ہیں اور رات کو نکلتے ہیں، و بالعکس۔ بعض جانور سخت گرمی یا سردی میں مکانوں کی چھتوں اور سوراخوں میں مہینوں نہاں رہتے ہیں اور مرتے نہیں۔ جوہڑ خشک ہونے کے بعد مینڈک زمین کی ایک تہ سے چپک جاتا ہے اور برسات میں باہر نکل آتا ہے۔ مہینوں اور بسا اوقات برسوں غذا کے بغیر زندہ رہنا تخلیق کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ جن جانوروں کی غذا سہل الحصول اور زیادہ ہوتی ہے، وہ موٹے اور بھدے بن جاتے ہیں۔ مثلاً ہاتھی، بھینسا، مینڈک وغیرہ۔ وجہ یہ کہ انھیں تلاشِ غذا کے لیے دَوڑ دھوپ کم کرنا پڑتی ہے اور ان کے دشمن بھی کم ہوتے ہیں۔ ہرن کی خوراک ہر جگہ بہ افراط ہے، لیکن اس کے دشمن اس قدر زیادہ ہیں کہ ذرا سی آہٹ پر اُسے میلوں بھاگنا پڑتا ہے، اس لیے بے حد

پھرتیلا اور چست ہوتا ہے۔ کثرتِ اعلاء بھی الٰہی رحمت ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے بازاروں میں موٹے موٹے بھتنے بیل نظر آتے ہیں، جنھیں ہندو متبرک سمجھ کر روغنی غذائیں کھلاتے ہیں۔ اس کاہلی اور کم کوشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انھیں چلنا تک گراں ہو جاتا ہے۔ خاندانِ مغلیہ اور عباسیہ کے آخری فرماں روا بے حد کاہل اور سست ہو چکے تھے، اس لیے اللہ نے انھیں بے کار سمجھ کر دنیا سے رخصت کر دیا۔

مینڈک کے دشمن خشکی پر کم ہوتے ہیں، اس لیے پانی کی بہ نسبت خشکی پر اس کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ اسے صرف سانپ کا کچھ خطرہ رہتا ہے، اس لیے اللہ نے اُسے کودنا سکھا دیا کہ رینگتے ہوئے سانپ کی زد سے بچ جائے۔

مرجان کا گذارہ اس بکٹیریا پر ہوتا ہے جو بحری پانی میں بافراط موجود ہوتا ہے۔ مرجان صرف پانی پی لیتا ہے اور اس کی تسلی ہو جاتی ہے۔

مادہ مچھر | مادہ مچھر انڈے دے کر کمزور ہو جاتی ہے اور اسے تقویت کے لیے انسانی خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ نے اُسے ایک نشتر اس کام کے لیے عنایت کیا ہے۔ نر مچھر چوہٹوں وغیرہ پر گذارہ کر لیتا ہے۔ چوں کہ مچھر گرمیوں میں انڈے دیتا ہے، اس لیے گرمیوں ہی میں وہ انسانی خون کا پیاسا رہتا ہے۔ مادہ مچھر کو انسانی خون کی اس لیے بھی ضرورت ہوتی ہے کہ بقائے نسل کے لیے اس کا باقی رہنا ضروری ہے۔

حیوانات کی عمریں | کچھوا ۱۵۰ سال، بعض مچھلیاں ۱۵۰ سال، عقاب ۱۱۸ سال، کتا ۳۴ سال، گھوڑا ۴۰ سال، گائے ۲۵ سال، بلی ۴۰ سال، مرغی ۳۰ سال، بطخ ۷۵ سال اور مگر مچھ ۳۰۰ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔

چند عجائبات | (۱) ایک جانور ہیمسٹر (Hamster) چھ ماہ سوتا ہے۔ (۲) بعض سمندروں میں ایک ایسا گدھا ملتا ہے، جو ڈوبتے انسان کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر ساحل

پر چھوڑ آتا ہے۔ (۳) موتی ایک ایسا جانور ہے، جو صدف کی کشتی میں سوار ہو کر سطح دریا پر تیرتا رہتا ہے اور اس کے بعد گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس کے منہ کے آگے ایک جالی ہوتی ہے، جس سے صاف غذا چھن کر اندر چلی جاتی ہے، اس جالی کے پیچھے کئی منہ اور ہر منہ کے چار ہونٹ ہوتے ہیں۔ موتی کی پیدائش خوردبینی حیوانات اور ریت کے امتزاج سے ہوتی ہے۔ یہ حیوانات ایک لیس دار مادہ خارج کرتے ہیں، جو ریت کو منجمد کر کے پتھر بنا دیتا ہے اور اسی کا نام موتی ہے۔ (۴) گرگٹ کا سر بڑا، گردن چھوٹی اور دُم سانپ کی طرح ہوتی ہے۔ جب وہ درخت پر ہو تو اس کا رنگ سبز ہوتا ہے اور کبھی زرد نظر آتی ہے۔ ہیجان کی صورت میں اس کی پشت پر خطوط متقاطعہ نمودار ہو جاتے ہیں، جو آہستہ آہستہ تمام جسم پر پھیل جاتے ہیں اور غصے میں اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ (۵) ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ میں نے ایک بیمار ہتھنی کا علاج کیا اور وہ اچھی ہو گئی۔ پندرہ سال کے بعد اتفاقاً وہی ہتھنی راہ میں مل گئی اور دوڑ کر میرے پاس آ گئی۔ اپنا خرطوم میرے اردگرد ڈال دیا اور یوں محبت سے پیش آئی، جس طرح دو دوست مدت کے بعد ملیں۔ (۶) ایک اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں نے ایک درخت کے نیچے ایک بچے کا ٹیکہ کیا، اوپر چند بندر دیکھ رہے تھے۔ میں سامان وہیں چھوڑ کر کسی ضرورت کے لیے اِدھر اُدھر چلا گیا۔ مڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بندر ایک چھوٹے بندر کا ٹیکہ کر رہا ہے۔ (۷) مادہ مینڈک پانی میں انڈے دیتی ہے۔ نر اُن انڈوں پر مادہ منویہ ڈال دیتا ہے۔ یہ انڈے ایک بدذائقہ جھلی میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ کوئی آبی جانور منہ نہ ڈال سکے۔ اس جھلی میں خوردبینی حیوانات داخل ہو کر نائٹروجن خارج کرتے ہیں تاکہ انڈوں کی نشوونما ہو سکے۔ یہ جھلی آہستہ آہستہ سانس بھی لیتی ہے۔ اسی تنفس کی بدولت انڈے گہرائی سے ابھر کر سطح پر آ جاتے ہیں۔ ایک مینڈک کے

انڈوں کی تعداد ...۱سے ...۲ تک ہوتی ہے۔ جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو وہ پہلے اپنی لمبی دُم سے تیرتے ہیں۔ جب اُن کے پنجے (چپو) نکل آتے ہیں، تو یہ دُم غائب ہو جاتی ہے۔ مینڈک نتھنوں کے علاوہ جلد سے بھی سانس لے سکتا ہے

(۸) اونٹ کے عجائبات | (۱) اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو گول پاؤں دیے، تاکہ ریگستانوں میں آسانی سے چل سکے۔ (۲) لمبی ٹانگیں دیں تاکہ سفر جلدی طے ہو۔ (۳) لمبی گردن دی، تاکہ زمین اور درخت ہر دو سے غذا بہ آسانی حاصل کر سکے۔ (۴) کوہان میں پانی اور چربی کی اتنی مقدار جمع کر دی کہ چار ہفتوں تک بے آب وگیاہ رہ سکے۔ (۵) اگر شتربان بے توشہ ہو جائے تو ناقہ کا دُودھ پی سکے۔ (۶) اونٹ کی غذا تمام وہ جنگلی پودے اور درخت بنائے، جنھیں دوسرے جانور عموماً چھُوتے تک نہیں۔ (۷) اسے سخت مُنہ دیا کہ بیابان میں کیکر تک کھا سکے۔ (۸) بہت بھاری بوجھ اٹھانے کی طاقت دی اور کوہان کے پاس شتربان کے لیے علیحدہ جگہ بنا دی کہ شتربان کو چلنا نہ پڑے۔ (۹) مطیع و فرماں بردار بنا دیا کہ صحیح معنوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ (۱۰) اونٹ اگر ایک دفعہ راہ دیکھ لے، تو اُسے برسوں یاد رکھتا ہے، خواہ اس کے تمام نشانات مٹ گئے ہوں۔ اونٹ کے انھی عجائبات کی طرف یُوں متوجہ کیا گیا ہے:

اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ ○ (غاشیۃ) | دیکھتے نہیں کہ اونٹ کس طرح بنایا گیا۔

الغرض، قرآن حکیم میں بار بار انعام و دواب کی طرف مُسلم کی توجہ منعطف کرائی گئی، لیکن یہ یکی روٹی "پڑھا ہُوا مسلمان ان چیزوں کی طرف توجہ دینا گناہ سمجھتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ قدرت نے لاعلمی و جہالت کی وجہ سے اسے چوپاؤں سے بھی بدتر بنا دیا۔

اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ (اعراف ۱۷۹) | یہ لوگ چوپاؤں سے بھی بدتر بنا دیے گئے

دنیائے طیور وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (انعام)	یہ چوپائے اور اُڑنے والے جانور تمھاری طرح اُمتیں ہیں۔

ان اُمتوں کو بیماریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ ان پر آثارِ پیری بہت کم مترتب ہوتے ہیں، یہ آخر عمر تک چُست، چالاک اور پھُرتیلے رہتے ہیں۔ انھیں زکام اور ملیریا نہیں ہوتا۔ انھیں کھانسی اور نمونیا کی شکایت نہیں ہوتی، اس لیے کہ یہ اُمتیں ایک خاص نظامِ حیات کی پابند ہیں۔ مناسب غذا کھاتی ہیں، مناسب ورزش کرتی ہیں اور مناسب لذت اندوزی کی حدود سے آگے نہیں بڑھتیں۔ شیر اپنی بیوی کی سال میں ایک دفعہ خبر لیتا ہے، لیکن انسان، .... پرندے ماحول کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں، لیکن انسان عموماً نہیں بدلتا۔ مذہب، وضع اور رسوم کی آڑ لے کر ایک مقام پر ڈٹا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زمانے کا ساتھ دینے والی اقوام اُن اقوام پر چھا جاتی ہیں، جو سطح زمین پر خیالات اور اطوار و اخلاق میں "گُلِ محمد" بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان طیور میں ہمارے لیے ہزاروں اسباق موجود ہیں۔ یہ ہم جیسی اُمتیں ہیں، جو آئینِ قوت کو نباہنے اور نظامِ صلاحیت پر عمل پیرا ہونے کے بعد زندگی سے چھلک رہی ہیں اور انسان نظامِ فطرت سے ہٹ کر زیاں کار و خاسر بنا ہوا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ (نور ۴۱)	کیا تم دیکھتے نہیں کہ زمین و آسمان کی ہر چیز آئینِ الٰہی پر عمل پیرا ہے اور پرندے بھی ایک نظام کو نباہ رہے ہیں۔ ان میں ہر ایک اپنی نماز اور اپنے دستورِ عمل سے آگاہ ہے۔

بدقسمت ہیں وہ پرندے اور چوپائے جو انسانی قرب و جوار میں آبستے ہیں۔ مثلاً گائے، بھینس، گدھا، گھوڑا، مُرغا، کبوتر وغیرہ۔ انسان کا فی غلیظ واقع ہُوا ہے۔ اِدھر تھوکتا ہے،

اُودھم کرتا ہے اور ہر طرف کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگائے رکھتا ہے۔ اس غلیظ ماحول میں یہ چوپائے اور پرندے بیمار ہو جاتے ہیں، ورنہ جنگلی جانوروں کو دیکھو، ان کے گھونسلو اور نشیمنوں میں کس قدر صفائی پائی جاتی ہے: بلی پاخانہ کرنے سے پہلے زمین میں ایک گڑھا کھودتی ہے اور اپنا فضلہ اس میں چھپا دیتی ہیں۔ بہ دیگر الفاظ انسان کو ہر روز بلی یہ مرادف الہام سبق دیتی ہے کہ

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (مدثر ۵) | اے انسان! میل کچیل اور غلاظت سے دُور رہ۔

لیکن یہ سرکش انسان جو پیمبرؐ کی بات نہیں سنتا اور الہٰی حکم تک کی پروا نہیں کرتا، وہ بھلا بلی سے کیوں سبق سیکھنے لگا؛ اشرف المخلوقات جو ٹھیرا۔

زندہ اقوام میں جہاں دیگر فضائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہیں صفائی، نفاست، اور پاکیزگی اُن کی نس نس میں دھس جاتی ہے۔ وہ بہت اُجلے، نہایت لطیف المذاق اور بے حد صفائی پسند ہوتے ہیں۔

لطیفہ | ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے کہ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر مسٹر روس کیپل نے امراء وزیرستان کا ایک جرگہ بلایا۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد ایک وزیری پٹھان نے چیف کمشنر سے کہا: "صاحب بہادر! خوچے ہم تم پر بہت خوش ہے، لیکن چہ صرف ایک بات کا کمی ہے کہ اگر تم مسلمان ہوتا تو خو کیا اچھا ہوتا۔"

روس کیپل نے پوچھا کہ "مسلمان ہونے کا فائدہ؟" تو کہا کہ خوچہ تم دوزخ میں نہ جلتا۔ تم جیسا اچھا سترے (آدمی) بہشت میں اچھا لگتا ہے۔

روس کیپل نے کیا ایمان افروز جواب دیا: "کھان صاحب! ہم ڈوزخ میں جائے گا تو اپنا صفائی وگیرہ (وغیرہ) سے اس کو بہشت بنا ڈالے گا اور تم گندا لوگ جو بہشت میں پہنچے گا تو ہر طرف نسوار کا تھوک ڈالے گا، کھانسی کرے گا، میلا شلوار پہنے گا،

ادھر ادھر تمام کیلے کا چھلکا پھینکے گا تو بہشت کو دوزخ کر دے گا" ۔ سچ
گئے جنت میں اگر اپنے ہمراہ ملائے ذوق تو یہ سمجھو رہے دوزخ ہی میں جنت والے
غلام قوم پر جہاں دیگر بد اخلاقیاں مسلط کر دی جاتی ہیں، وہاں اسے نفاست، نظافت، صفائی اور پاکیزگی کے احساس سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس میں پرندوں کا اُجلا پن، ہرن کی چستی، شیر کی پرہیزگاری، شہباز کی جھپٹ اور عقاب و شاہین کا رعب نہیں رہتا۔ وہ بھینسے کی طرح بھدی، گدھے کی طرح غلیظ اور اُلو کی طرح بدحواس بن جاتی ہیں۔

چوں کہ اہلِ عرب کو آں حضرت صلعم کی بدولت دنیا کا حکم ران بنانا منظور تھا، اس لیے صفائی کے متعلق نہایت تاکیدی اوامر نازل ہوئے:

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝	اے جسم کو لباس سے زینت دینے والے رسول! اُٹھ۔
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝	قوم کو غلاظت کے نتائج سے خبردار کر۔ اللہ کی بڑائی و عظمت
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (مدثر۔ ۱تا۵)	بیان کر۔ اُجلے کپڑے پہن، وہر قسم کے میل کچیل سے دور رہ۔

قرآن کا ہر حکم فرض ہے، لیکن مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کے صرف پانچ احکام فرض ہیں، یعنی نماز، روزہ وغیرہ اور باقی چھ ہزار احکام میں کچھ مستحب ہیں، کچھ سنت اور کچھ غیر ضروری۔ اگر اللہ کا ہر حکم فرض ہوتا ہے، تو پھر ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ کو فرائض کی فہرست سے خارج کرنا کہاں کی مسلمانی ہے؟ غور کرو کہ غلط تعلیم اور ناپاک ماحول کی وجہ سے مسلمانوں کی صحت کا کیا حال ہو چکا ہے اور میلے کچیلے کپڑوں کی وجہ سے ان کا وقار کتنا کم ہو گیا ہے۔

دیگر تمام اہلِ مذاہب کے یہاں مذہب ایک پرائیویٹ شخصی عقیدہ اور ضمیر کا معاملہ ہے جس کا دائرہ اثر صرف عبادات اور چند دیگر رسوم تک ہے اور بس۔ دوسری طرف اسلام ہماری زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ یہودیوں اور دیگر سیاست دانوں کی آغاز

اسلام سے یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کو بھی اجتماعی، تمدنی، سیاسی، معاشری و منزلی وسعتوں سے نکال کر چند شخصی عقائد و رسوم تک محدود کردیا جائے۔ چنانچہ ایسی احادیث وضع کی گئیں جن کی وجہ سے اسلام فرائض خمسہ کا نام رہ گیا اور زندگی کے باقی تمام پہلو اس کے حلقۂ اثر سے باہر نکل گئے۔ مولوی نے ان فرائض میں ایک چھٹے فرض یعنی ہوا* حلق کا بھی اضافہ کرلیا اور ہمارے بعض سیاسی رہنماؤں نے ایک اور اصول کہ "میں پہلے ہندوستانی ہوں اور پھر مسلمان" تراش لیا اور باقی تمام قرآن دھرے کا دھرا رہ گیا۔

غور کرو، اصول صفائی میں کیا کچھ آجاتا ہے۔ بدن اور کپڑوں کی صفائی، گھر بار کی صفائی، تمام سامان و اسباب کی صفائی، کوڑے کرکٹ، امراض، جراثیم، نحیف کرنے والی غذاؤں اور کمزوری پیدا کرنے والے کاموں سے نفرت، کثیف ماحول سے نفرت، اُن مکانوں سے نفرت جہاں ہوا اور روشنی داخل نہ ہو سکے، چیتھڑوں اور جوؤں سے نفرت، بدبودار کپڑوں، میلے دانتوں اور مٹی سے اَٹے ہوئے بالوں سے نفرت، وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانو! یاد رکھو کہ کھلے اور صاف مکانات میں رہنا، اُجلے کپڑے پہننا، دانتوں کو روزانہ صاف کرنا، نہانا، گھروں میں روشن دان رکھنا، کوڑا کرکٹ دور پھینکنا، بالوں کو دھونا اور سنوارنا، ورزش سے صحت کو قائم رکھنا، جراثیم، مرض اور بیمارکن ماحول سے بچنا بھی اسلام ہے۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت کے مطابق یہ بھی نماز روزے کی طرح فرض ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ قرآن کے صرف اس ایک حکم کی نافرمانی سے ہم کس قدر خوفناک نتائج بھگت رہے ہیں۔ ہمارے مکانوں میں غلاظت کے کس قدر ڈھیر لگے ہوئے ہیں، ہمارے منہ سے کتنی بدبو آتی ہے، ہمارے بال کس قدر پریشان اور آلودہ ہیں، ہم پر کتنا میل چڑھا ہوا ہے، ہمارے بچے کس قدر مہلک امراض کا شکار

---

* ہوا . . . کے . . . . ہو تو آواز دونا وغیرہ لغو محض ہیں۔ (مدیر البیان)

ہو رہے ہیں۔ ہمارے چہرے کاربن کی زیادتی اور صاف ہوا کی کمی کی وجہ سے کس قدر زرد ہو رہے ہیں اور یہ نحیف ولاغر، زرد رو اور قبیح الشکل قوم دنیا کی نگاہ میں کتنی ذلیل ہو چکی ہے؟ انصافاً کہو کہ قرآن کی اس آیت پر انگریز عمل کر رہا ہے یا مسلمان؟ ہر گاؤں میں مستطہرین تو بجہ پھر کر صفائی وغیرہ کی تبلیغ کرے اور مولوی صاحب مسجد میں لوگوں کو ناک جھاڑتا دیکھیں اور منع نہ کریں۔ مسجد کے ساتھ پیشاب گاہ تیار کریں اور نہ فرمائیں۔ مولوی صاحب اللہ کا یہ فرمان بھول گئے ہیں۔

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف ۳۱) ہر مسجد میں صاف اور اُجلے ہو کر جایا کرو۔

رسول اللہ کی ایک حدیث کے مطابق تمام زمین مسلم کی مسجد ہے اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اس زمین پر اُجلے اور صاف بن کر رہیں۔

حضرت آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا اور پھر اسے اتنا بھی نہ سوجھتا تھا کہ اس بدبودار لاش کو کہاں پھینکے۔ اللہ نے ایک پرندہ بھیج کر اسے یوں ہدایت کی:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ (مائدہ ۳۱)	تو ہم نے اس کی طرف کوا بھیجا، تاکہ اسے نعش دفن کرنے کا طریقہ سکھلائے۔

یہ قصہ دراصل ایک طرح کی ہدایت ہے کہ تمام غلیظ و بدبودار اشیاء کو زمین میں گاڑ دیا جائے۔

آں حضرت صلعم کی بعثت مسلم کو ہر قسم کی جسمانی، دماغی، روحانی و اخلاقی نجاست سے نجات دلانے کے لیے ہوئی تھی۔ آج ہمارا مُلّا جسمانی صفائی پر کچھ کہنا اپنے علم کی ہتک سمجھتا ہے۔ وہ ایسی تمام آیات میں غلاظت سے مراد روحانی و اخلاقی غلاظت لیتا ہے۔ چلو ایسا ہی سہی، لیکن انصافاً فرمائیے: کیا جسے روحانی اخلاق میں ذرا سی بھی نفاست ملتی ہے جبر کے منہ کپڑوں اور جسم سے سنڈاس کی سی بو آتی ہو جس کی شلوار ناسیر بھر جوئیں چل رہی ہوں جس کی چارپائی کے نیچے تھوک کا ڈھیر لگا ہوا ہو گندے

چیتھڑے، پھٹے پرانے کاغذات، صدیوں کے ٹوٹے ہوئے باویے اور میل سے اٹی ہوئی کنگھیاں ہر طرف بکھری پڑی ہوں، دیواروں پر ناک جھاڑ جھاڑ کر پلستر کیا ہوا ہو، ہر طرف ہولناک غلاظت، تعفن، ویرانی، تاریکی اور ظلمت ہو۔ اگر اخلاقی دنیا میں بدکاری ظلمت ہے تو مادی دنیا میں غلاظت اور کثافت کیوں ظلمت نہیں؟ یاد رکھو، معلم کائنات حضرت محمد عربی فداہ ابی و امی مسلم کو تمام جسمانی و روحانی غلاظتوں سے نجات دلانے کے لیے آئے تھے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ (ابراہیم: ۱)	اے رسول! ہم نے تمہیں یہ بلند کتاب اس لیے دی کہ تو دنیا کو غلاظت و کثافت کی تاریکیوں سے نکال کر نفاست، پاکیزگی اور لطافت کی روشنیوں کی طرف راہنمائی کرے۔

اللہ کی زمین کس قدر حسین ہے۔ یہ پھول کتنے خوبصورت ہیں۔ یہ سبزہ کیا جنت نگاہ بنا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ کیا پیام دے رہا ہے؟ یہی کہ اللہ خود حسین و جمیل ہے اور صرف ایسے افراد و اقوام کو پسند کرتا ہے جو صفائی، نفاست، لطافت کی دلدادہ ہوں۔ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ مجھے خوشبو سے عشق ہے، کیوں عشق نہ ہو؟ جمیل خدا کا جمیل پیغمبر بھلا خوشبو کو کیوں نہ پسند کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ	اللہ خود حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے۔

اللہ نے لباس کو ایک نعمت عظمیٰ قرار دیا ہے:

قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ (اعراف: ۲۶)	ہم نے تمہیں لباس کی نعمت دی ہے جس سے تم اپنے بدن کو ڈھانپتے ہو۔

کیا اس لباس سے وہ لباس مراد ہے، جسے ابتداء سے انتہا تک دھویا نہ گیا ہو؟ جس سے تعفن کی لپٹیں اٹھ اٹھ کر دل و دماغ پر بجلیاں گرا رہی ہوں، یا وہ لباس مراد ہے، جو اندیا کے شفاف پانی کی طرح صاف اور برگ گل کی طرح منزہ و پاکیزہ ہو۔

گرمی کے ایام میں مسجدوں میں چند ایسے نمازی جمع ہو جاتے ہیں جن کے کپڑوں سے سخت بدبُو آیا کرتی ہے، لیکن مولوی صاحب انھیں کچھ نہیں کہتے، اس لیے کہ حضرت مولٰنا کے ہاں والرجز فاھجر کا حکم بالکل غیر ضروری سا ہے۔ سردی میں کشمیری بالو اپنی "نفیس" پوشاکوں کے ساتھ گُل کدۂ کشمیر سے تشریف لاتے ہیں، کس حسین سرزمین سے آتے ہیں اور بباس کس قدر غلیظ ہوتا ہے[1] ؟ اُس حسین خطّے میں یہ بدمذاق انسان۔ واللہ قدرت کی بہت بڑی ستم ظریفی ہے۔ مَیں جب کسی غلیظ مسلمان کو دیکھتا ہوں تو اس کے غیر اسلامی ظاہر پر طیش سا آجاتا ہے کہ جو شخص کپڑوں تک کو صاف نہیں رکھ سکتا، وہ دل و دماغ کو کیا خاک صاف رکھے گا ؟

ہاں تو حضرات ! ہمارے لیے ان طیور کی نفاست، چستی، پھُرتی، صحت، صلاحیت حیات اور پرواز وغیرہ میں بے شمار اسباق موجود ہیں، لیکن ہم ہیں کہ اندھوں کی طرح پاس سے گزر جاتے ہیں۔

جلوتیانِ مدرسہ کورنگاہ و مُردہ ذوق ‌ ‌ خلوتیانِ مے کدہ کم طلب و تہی کدو (اقبالؒ)

چند عجائباتِ طیور | (۱) بعض پرندے ۲۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتے ہیں۔

(۲) ایک پرندہ ٹٹ (Tit) پورے ۲۳۷۹ پروں سے اپنا گھونسلہ تیار کرتا ہے۔

(۳) مشرقِ اقصیٰ میں ایک پرندہ (See Swift) اپنی تھوک سے گھونسلہ تیار کرتا ہے

(۴) حضرت سلیمانؑ نے کہا تھا کہ چند چیزیں میری سمجھ میں نہیں آئیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اتنا بڑا گدھ بازوؤں کو ہلائے بغیر پہروں ہوا میں کس طرح تیرتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کو یہ چیز معلوم نہ تھی، مطلب یہ ہے کہ آپ کا علم ان چیزوں کے متعلق اتنا زیادہ تھا کہ آپ حیرت زدہ ہو گئے۔ علم کی انتہا حیرت ہے

---

[1] مشہور ہے "کشمیر بہشت است و لے از دو زخیاں آباد است"۔ (مدیر البیان)

نزدیکاں را بیش بود حیرانی"

لطیفہ | علامہ اقبال مرحوم سے کسی نے پوچھا، علم کی انتہا کیا ہے؟ فرمایا، حیرت۔ پھر پوچھا عشق کی انتہا کیا ہے؟ کہا، عشق لا انتہا ہے۔ سائل نے فوراً اعتراض کیا: تو پھر آپ کے اس مصرع کا مطلب کیا ہے:

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں

اقبال: فرمانے لگے، دوسرا مصرع نہیں دیکھتے کہ اپنی حماقت کو بے نقاب کر رہا ہوں:

مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

کولریج (Coleridge.) ایک مغربی مفکر کہتا ہے:

Knowledge ends with wonder

(علم کی انتہا حیرت ہے)

ایک حدیث ہے: رب زدنی تحیرا فیک۔ خدایا! تیری ذات کے متعلق میری حیرت بڑھتی ہی چلی جائے۔

(۵) مسٹر سی ٹی ہڈسن (C. T. Hudson) کہتے ہیں کہ میں نے سردیوں کے دنوں میں بہت تیتروں کو ایک جوڑا دیکھا کہ نر تیتر مادہ کے قریب آتا ہے۔ غیظ و غضب سے بھری ہوئی چند آوازیں نکالتا ہے اور مادہ کو اڑنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہزارہا میل کا سفر سامنے ہے، ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا ملال ہے، لیکن مادہ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مادہ کا پَر ٹوٹا ہوا ہے اور نر اُس کی محبت میں پابستہ ہے۔

(۶) ایک دریائی پرندہ (Stormy Petrel) دن رات دریا کی لہروں پہ اُڑتا رہتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی خشکی پر غذا کے لیے آجاتا ہے۔

(۷) ککو اپنے انڈے چونچ میں پکڑ کر ایک اور پرندے کے گھونسلے میں رکھ دیتا ہے اور خود چلا جاتا ہے۔ یہی پرندہ ان انڈوں کو سیتا اور پالتا ہے۔

(۸) ایک سائنس دان نے مرغی کے انڈوں کو موزوں حرارت پہنچائی لیکن بچے نہ نکلے۔ کئی بار تجربہ کیا لیکن ناکام رہا۔ پھر ایک دیہاتی سے اتفاقاً ذکر کیا۔ اس نے کہا تم انڈوں کو اُلٹتے پلٹتے نہیں ہو گے۔ مرغی تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد انڈوں کو اُلٹتی پلٹتی رہتی ہے۔ چنانچہ سائنس دان نے ایسا ہی کیا اور کامیاب ہو گیا

(۹) اگر کسی پرندے کی دُم کاٹ دی جائے تو اُسے اُڑنے میں دقت محسوس ہوتی ہے، اس لیے کہ توازن قائم نہیں رہتا۔ جن پرندوں کی گردن لمبی اور دُم چھوٹی ہوتی ہے وہ اُڑتے وقت پنجوں کو دُم کی طرح پیچھے پھیلا لیتے ہیں تاکہ پرواز میں آسانی رہے۔

(۱۰) شتر مرغ ۲۰ سے ۳۰ تک انڈے دیتا ہے۔ پھر ان کے تین حصے کر دیتا ہے۔ ایک حصہ زمین میں دفن کر دیتا ہے، دوسرا حصہ دھوپ میں رکھ دیتا ہے اور تیسرے حصے کو سیتا ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو دھوپ والے انڈوں کو توڑ کر بچوں کو پلاتا ہے۔ جب وہ ختم ہو جاتے ہیں تو مدفون انڈے نکالتا ہے۔ ان میں سوراخ کر دیتا ہے اس مواد کو کھانے کے لیے چیونٹیاں اور دیگر حشرات جمع ہو جاتے ہیں جنھیں پکڑ پکڑ کر بچوں کے آگے ڈالتا ہے۔ جب بچوں کے معدے کافی قوی ہو جاتے ہیں تو وہ پتھر تک کھا جاتے ہیں۔

(۱۱) کبوتر، چڑیا اور فاختہ وغیرہ انواع میں نر اور مادہ مل کر بچوں کو پالتے ہیں حالانکہ بچے صرف دو دو ہوتے ہیں۔ مرغی کے بچے بہت سے ہوتے ہیں، لیکن مرغا کسی قسم کی مدد نہیں کرتا۔ وجہ یہ کہ چڑیا اور کبوتر کے بچے بہت نحیف ہوتے ہیں جن کی تربیت کے لیے نر اور مادہ کا تعاون ضروری ہوتا ہے اور مرغی کے بچے انڈوں سے نکلتے ہی

چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ نیز پروں سے ڈھکے ہوتے ہیں یعنی، قدرت ان کی تربیت پہلے ہی کافی حد تک کر چکی ہوتی ہے، اس لیے مرغا تعاون نہیں کرتا۔

(۱۲) چمگادڑ کی ایک قسم سوئے ہوئے انسان کو پہلے پروں سے ہوا دیتی ہے۔ جب آدمی نیند میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس کے جسم میں سوراخ کر کے خون پینا شروع کر دیتی ہے، یہاں تک کہ آدمی مر جاتا ہے۔

(۱۳) اُلو کی پرواز میں آواز نہیں ہوتی، اسی لیے تو وہ پرندوں کو چپکے سے دبوچ لیتا ہے۔ اس کی غذا بلی سے چھ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ دہقان غلط ہوتا ہے، لیکن اس میں ہلاک حشرات کی طاقت نہیں ہوتی۔ اللہ نے کچھ پرندے دن کو اور کچھ رات کو مقرر کیے ہیں، جو فصلوں کے دشمن حشرات کی خبر لیتے ہیں۔ ان میں اُلو اور چمگادڑ بھی شامل ہیں۔

(۱۴) کوا ہمارا چوڑھا ہے، جو غلاظت کو صاف کرتا ہے اور اسی طرح چیل اور گدھ وغیرہ بھی۔

(۱۵) ایک آبی پرندہ شکار کو آتا دیکھ کر کالے رنگ کا ایک مواد خارج کرتا ہے، جس سے پانی سیاہ ہو جاتا ہے اور خود اس میں غوطہ لگا کر چھپ جاتا ہے۔ جب شکار پاس آ جاتا ہے، تو باہر نکل کر اسے دبوچ لیتا ہے۔

(۱۶) ایک اور آبی پرندہ ساحل دریا پر انڈے دیتا ہے اور اوپر نمک بکھیر دیتا ہے تاکہ ساحل کی زمین اور اس مقام میں کچھ فرق نہ رہے اور انڈے محفوظ رہیں۔

(۱۷) سمندر کے ساحل پر دو ایسے پرندے ملتے ہیں کہ ان میں سے ایک مچھلیاں کھاتا ہے، لیکن تیر نہیں سکتا۔ دوسرا ہریاول وغیرہ پر گذارہ کرتا ہے، لیکن تیر سکتا ہے۔ یہ مچھلیاں پکڑ لاتا ہے اور اول الذکر کے منہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ کچھ ہریاول

بہ طورِ معاوضہ مُنہ میں جمع کر رکھتا ہے، جو موخرالذکر کو دے دیتا ہے۔

(۱۸) برازیل میں ایک پرندہ ۱۵۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتا ہے، یعنی، ۱۴۸ میل فی منٹ یا ۴۰۰ گز فی ثانیہ۔ بندوق کی گولی فی ثانیہ ۹۰۰ گز جاتی ہے۔ اس کی رفتار گولی سے تقریبًا نصف ہوتی ہے۔ یہ ایک ثانیہ میں کئی ہزار دفعہ بازو ہلاتا ہے، حالاں کہ ہوائی جہاز کے پنکھے کی رفتار فی منٹ صرف ۲۰۰۰ ہوتی ہے۔ اگر ایک انسان اس پرندے کی رفتار سے اُڑنا شروع کرے، تو وہ تمام زمین کا چکر صرف ۱۷ گھنٹوں میں کاٹ لے۔

تو یہ ہیں پرندوں کے چند عجائبات۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔

باب ۵

تماشائے حشرات

اوراقِ گزشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن کی بعض سورتیں حشرات مثلاً نحل، نمل و عنکبوت وغیرہ کی طرف منسوب ہیں۔ اللہ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اُن کے تخیل کارناموں پر نگاہِ بصیرت ڈال لینے کے بعد اس کی حمد و ثنا کے ترانے گائے۔ اگر خالقِ ارض و سما کا مقصد صرف اولاد و اغذیہ وغیرہ کی بنا پر اپنی تعریف کرانی ہوتی، تو غالباً قرآنِ حکیم کی پہلی آیت کچھ اِس قسم کی ہوتی:

الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و اعطانا ولد انا۔	قابلِ ستائش ہے وُہ رب جس نے ہمیں کھانا دیا، پانی پلایا اور بچوں کی نعمت عطا کی۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر ہماری توجہ تمام دنیاؤں کی طرف منعطف کر دی، اِس لیے ہمارا فرض ہے کہ صحیفۂ فطرت کا ہر ورق اُلٹ کر ہر سطر کا مطالعہ کریں، تاکہ ہمارے دل و دماغ انوارِ الٰہیہ کے نشیمن بن جائیں۔

چیونٹی | حضرت سلیمانؑ چیونٹیوں کے ایک بِل کے پاس سے گذرتے ہیں تو ایک

چیونٹی کہتی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ (نمل - ۱۸)

اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہ کہیں سلیمان کا لشکر تمھیں مسل نہ ڈالے۔[1]

اللہ نے چیونٹی کا ذکر کر کے ہماری توجہ اس بے مقدار کیڑے کی طرف مبذول کرائی۔ آیئے، اس کے اعمال پر غور کریں۔

شیر جسمانی طاقت کی وجہ سے شاہِ حیوانات کہلاتا ہے، لیکن اگر عقل و دانش کی بنا پر بادشاہ کا انتخاب ہوتا، تو یقیناً چیونٹی بادشاہ ہوتی۔ چیونٹیاں بڑی عقل مند ہوتی ہیں۔ جماعتیں بناتی ہیں، ذخیرے جمع کرتی ہیں۔ معماری، نجاری، گاو پروری، سپاہ گری، کاشت کاری اور غلام گیری کے فرائض نہایت عقل مندی سے سرانجام دیتی ہیں۔

ہر بل میں چار قسم کی چیونٹیاں ہوتی ہیں: ملک، ملکہ، مزدور اور سپاہی۔ مزدور

---

[1] نمل چیونٹی کے علاوہ ایک قوم کا نام بھی ہے، جو یمن کے قریب وادی نمل میں بستی تھی۔ اسی طرح مازن جس کے معنی چیونٹی کا انڈا ہیں، عرب کی ایک مشہور قوم کا نام تھا۔

منتہی الارب میں نمل کے متعلق لکھا ہے "و از اعلام است" یعنی نمل، عَلَم یعنی خاص نام (Proper Noun) کے طور پر بھی بولا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ ابرقہ، نملہ کے چشموں سے ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نملہ ایک قوم کا نام ہے۔ اس وادی پر ایک ملکہ حکمران تھی، وہ حضرت سلیمانؑ کے استقبال کو آئی اور ان کو ان کی فوج سمیت اپنی وادی میں لے گئی اور اپنی رعایا کو حکم دیا کہ اپنے مکانوں میں داخل ہو جاؤ اور سلیمانؑ اور اس کی فوج کے لیے راستہ خالی کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ان سے الجھ پڑو اور وہ تمھیں کچل ڈالیں۔ حضرت سلیمانؑ اس کی بات سن کر مسکرائے کہ ہم سلیمان ہیں، یعنی سلامتی پھیلانے والے حاکم۔ ہم عاجزوں سے ایسا برتاؤ نہیں کرتے۔ (بیان للناس ملخصاً) سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کوئی شخص اپنی رفتار میں کیڑوں مکوڑوں کو کچلے بغیر زمین پر چل سکتا ہے؟ پھر سلیمانؑ جو کثیر التعداد لشکروں کو لے کر طویل سفر طے کر رہے تھے، کیوں کر ممکن ہے کہ ان کے پاؤں تلے کوئی چیونٹی نہ روندی گئی ہو گی۔ (بدر البیان)

تعداد میں زیادہ اور سپاہی جسمانیت میں بڑے ہوتے ہیں۔ ملک اور ملکہ ہردو کے پَر ہوتے ہیں اور ملکہ بادشاہ سے زیادہ موٹی ہوتی ہے۔

حواس خمسہ کے علاوہ ہر چیونٹی کے چار جبڑے، انتڑیاں، دُم میں ایک چھوٹا سا ڈنک، پاس ہی زہر کی ایک تھیلی اور پہلوؤں میں سانس لینے کے لیے دو سوراخ ہوتے ہیں۔ ہوا ان سوراخوں سے داخل ہو کر بے شمار نالیوں میں چلی جاتی ہے۔ ان نالیوں کا جال چیونٹی کے جسم میں اسی طرح بچھا ہوا ہے جس طرح ایک پتے میں رگیں۔

چیونٹی کا گھر پندرہ سے بیس فٹ تک گہرا ہوتا ہے۔ اندر فنِ تعمیر کا حیرت ناک کمال دکھائی دیتا ہے۔ سب سے نیچے کچھ کمرے، اوپر بالاخانے، گیلریاں اور ملاقات و مشورہ کے ہال مٹی کے ستونوں پہ تنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چیونٹی کی اس صناعی سے متاثر ہو کر حضرت سلیمان نے ایک شخص کو کہا تھا:

Go tot he ant, consider her ways and be wise.

"چیونٹی کے پاس جا، اس کے اعمال کا مطالعہ کر اور دانا بن" (انجیل)

المانیہ کا ملک الشعراء گوئٹے کہتا ہے:

"محنت، صبر اور استقلال سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ ہر سہ صفات چیونٹی میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں"

عملِ تولید و تربیت | ملکہ بل میں ادھر اُدھر انڈے ڈال دیتی ہے۔ مزدوروں کی جماعت ان انڈوں کو اکٹھا کر کے ایک محفوظ کونے میں رکھ دیتی ہے۔ ان کی تربیت پہ دائیاں مقرر ہو جاتی ہیں اور جب بچے نکل آتے ہیں تو آغاز میں انھیں نصف ہضم شدہ غذا کھلاتی ہیں۔ ان بچوں کو بہ لحاظِ عمر ایک قطار میں رکھتی ہیں۔ انھیں تھپکاتی، چاٹتی اور نہلاتی ہیں۔ اگر کوئی دشمن بل پر حملہ کر دے، تو انھیں اٹھا کر کسی محفوظ مقام پر لے

جاتی ہیں اور اگر بارش میں بھیگ جائیں تو دھوپ میں نکال کر انھیں خشک کرتی ہیں۔

کاشت کاری | چیونٹیاں بل کے قریب بعض غلے بو دیتی ہیں، جب فصل پک جاتی ہے، تو اٹھا کر بلوں میں لے جاتی ہیں۔

بعض پودوں سے یہ رس نکال لاتی ہیں، کچھ پی لیتی ہیں اور باقی ماندہ بعض مُردہ چیونٹیوں کے جسم میں بھر دیتی ہیں، جسے وقتِ ضرورت استعمال کرتی ہیں۔

مُفت خورے | بلکہ وہ بہت سست اور عیاش ہوتے ہیں۔ اگر دوسری چیونٹیاں انھیں غذا لا کر نہ دیں، تو یہ تلاشِ غذا کی کبھی کوشش نہ کریں اور بھوک سے مر جائیں۔ سپاہی چیونٹیوں کا گذارہ اپنے شکار پر ہوتا ہے۔ یہ عادات میں افریقہ کے حبشیوں سے ملتی جلتی ہیں کہ جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہیں اور تلاشِ معاش میں کسی کی دستِ نگر نہیں بنتیں۔

گائے | چیونٹیاں ایک کیڑے افس کو پکڑ لاتی ہیں، کسی کیمیاوی عمل سے اس کی تربیت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے تھنوں سے، جو کمر ہی پر ہوتے ہیں، دودھ بہنے لگ جاتا ہے، جسے یہ نہایت شوق سے پیتی ہیں جب افس انڈے نکالتا ہے تو چیونٹیاں ان کی پرورش کرتی ہیں۔

بعض چھوٹے چھوٹے حشرات چیونٹیوں کے بل کے پاس گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان سے چیونٹیاں یوں کھیلتی ہیں، جس طرح ہم بلی سے۔

عجائبات | چیونٹیوں کے اقسام ہزار سے زائد ہیں۔

(۲) چیونٹی کی عمر سات سال ہوتی ہے۔

(۳) اگر مختلف بلوں کی چیونٹیاں کہیں سیلاب میں بہہ جائیں، تو ہر بل کی

چیونٹیاں اپنے ساتھیوں کو سونگھ کر پہچان لیتی ہیں اور اٹھا کر گھروں کو چل دیتی ہیں

(۴) چیونٹیاں بعض دیگر حشرات کو پکڑ کر لے جاتی ہیں۔ صلاح و مشورے کے بعد بڑوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور بچوں کو رکھ لیتی ہیں۔ یہ اس لیے کہ بچے ہر سانچے میں ڈھل سکتے ہیں اور بڑے آخر تک سرکش رہتے ہیں۔

(۵) چیونٹیاں بعض درختوں کے پتے توڑ لاتی ہیں اور پھر انھیں بھگو کر بطور فرش گھر میں بچھاتی ہیں۔

(۶) چیونٹی اپنے بوجھ سے تین سو گنا زیادہ وزن اٹھا سکتی ہے۔ اگر انسان بھی ایسا کر سکتا۔ تو ۹۰۰۴ من بوجھ اٹھا سکتا۔

(۷) اگر کوئی چیونٹی زخمی ہو جائے، تو فوراً دوسری چیونٹی کسی کیمیاوی عمل سے اپنی تھوک کو دھاگے کی شکل میں بدل لیتی اور اس سے زخم لو سی دیتی ہے۔

(۸) اگر کوئی چیونٹی مر جائے، تو پہلے اس کا باقاعدہ جنازہ اٹھتا ہے اور پھر پوری رسوم کے ساتھ دفن کی جاتی ہے۔

(۹) چیونٹی کی آنکھ دراصل دو سو آنکھوں کا مجموعہ ہے۔ بعض حشرات ایسے بھی ہیں جن کی آنکھیں ۲۷۰۰۰ آنکھوں سے تیار ہوتی ہیں۔

<u>عنکبوت</u> مکڑی اپنا گھر (جالا) تاروں سے بناتی ہے۔ ہر تار دراصل چار باریک تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے، پھر ہر باریک تار ہزار تاروں سے تیار ہوتا ہے۔ یہ دیگر الفاظ جالے کا ہر تار چار ہزار تاروں سے بنتا ہے۔ مکڑی کے جسم میں چار ہزار باریک نالیاں ہیں۔ ہر نالی سے ایک تار نکلتا ہے۔ ذرا آگے چار سوراخ ہیں۔ ہر سوراخ میں ایک ہزار تار داخل ہو کر ایک تار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ دُم کے آخر میں صرف ایک نالی ہے، جس میں سے یہ چار تار گذر کر ایک دھاگہ بن جاتے ہیں۔

مکڑی چھت کے شہتیروں سے گوند نکال کر تاروں پر لگاتی ہے اور پھر ان تاروں سے اتنا مضبوط گھر بناتی ہے کہ باوجود اوہن البیوت (ضعیف ترین گھر) ہونے کے طوفانوں اور تند آندھیوں سے نہیں ٹوٹتا۔

مکڑی مسدس شکل کا ایسا مکمل جالا تیار کرتی ہے جس کا ہر ضلع نصف قطر کے برابر ہوتا ہے۔ انسان نے مسدس شکل کا سبق اسی ہندس (مکڑی) سے لیا تھا۔

مکڑی جالا بنتے وقت ہر تار پر پانچ چھ مرتبہ آتی جاتی ہے اور ہر بار ایک نئے تار کا اضافہ کرتی ہے۔ اس طرح جالے کا ہر تار اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ مکڑی سے آٹھ گنا زیادہ وزن تھام سکتا ہے۔

جب کوئی مکھی اس جالے میں پھنس جاتی ہے، تو مکڑی فوراً اسے ایک زہر سا پلا کر بے ہوش کر دیتی ہے تاکہ یہ تڑپ تڑپ کر جالے کو توڑ نہ ڈالے۔

مکڑی چھ ماہ تک بھوکی رہ سکتی ہے اور اس کی آٹھ آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ ایک وقت میں دو ہزار انڈے دیتی ہے، جنہیں ملائم اور سنہرے تاروں میں لپیٹ کر رکھتی ہے۔ مکڑی ایک ہی ہے لیکن ضرورت کے مطابق مختلف رنگ کے تار نکال سکتی ہے۔ ہر تار ریشم کے تار سے نوّے گنا کم باریک ہوتا ہے۔

ہم ابھی تک مکڑی کے جالے کا استعمال معلوم نہیں کر سکے۔ جاپان میں ایک دفعہ اس سے جرابیں اور دستانے تیار کیے گئے تھے، لیکن وہ دیرپا نہ نکلے۔ صرف ایک فائدہ معلوم ہو چکا ہے اور وہ یہ کہ زخم سے بہتا ہوا خون اس سے روکا جا سکتا ہے۔

مکڑی کی اقسام | مکڑی کی ایک قسم جوہڑوں کے نیچے سفید گنبد نما گھر بناتی ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پانی سے سر نکالتی ہے۔ تنفس کی خاطر ایک تھیلی ہوا سے بھر لیتی ہے اور پھر نیچے چلی جاتی ہے۔ مکڑی کی ایک اور قسم صرف پھلوں پر جالا

تنتی ہے۔ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ پھل کے دشمن حشرات کو پھل کے قریب نہ آنے دے۔ گویا یہ مکڑی خیمے میں رہنے والا ایک سنتری ہے، جو رات دن درخت پر پہرہ دیتا رہتا ہے۔

مکڑی کی ایک قسم "مائیگیل" Mygale زمین میں ۹ انچ گہرا اور ایک انچ گول گھر بنا کے اوپر مٹی کا ایک دروازہ لگا دیتی ہے تاکہ گھر اور باقی زمین میں تمیز نہ ہو سکے۔ پھر گھر کے اردگرد سبزیوں کے بیج لا کر بو دیتی ہے تاکہ گھر پر سایہ رہے۔ اس دروازے میں سوراخ ہوتے ہیں، جن میں پنجے ڈال کر دروازہ کھولتی ہے اور اگر کوئی دشمن حملہ کر دے تو انھی سوراخوں میں پنجے ڈال کر پوری طاقت سے اندر کی طرف کھینچتی ہے تاکہ دروازہ کھل نہ سکے۔ ایک لمبی چونچ والا پرندہ اسی مکڑی کی تاک میں رہتا ہے۔ جونھی مکڑی گھر سے باہر نکلتی ہے، پرندہ فوراً وہاں پہنچتا ہے اور لمبی چونچ ان سوراخوں میں ڈال کر بچوں وغیرہ کی تلاش کرتا ہے۔ چوں کہ مکڑی اس خطرے سے پہلے ہی آگاہ ہوتی ہے، اس لیے وہ انڈوں اور بچوں کے لیے پہلو میں ایک الگ کمرہ تیار کرتی ہے، جہاں اس پرندے کی چونچ نہیں پہنچ سکتی۔

ان حشرات کی اس عقل و دانش سے متاثر ہو کر ایک مغربی حکیم کہتا ہے:

"In these things, so minute, what wisdom is displayed, what power and what unfathomable perfection."

"ان بے مقدار اشیا کی تکوین میں اللہ نے عقل و دانش، قوتِ تخلیق اور کمالِ صناعی کا کیا حیرت آفریں مظاہرہ کیا ہے!"

حقیقتہً اعمالِ الٰہیہ پر غور کیے بغیر اللہ کی عظمت کا صحیح تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ ایک یورپی مفکر کہتا ہے:

"In co ntemplation of things, by steps we may ascend to God."

"مظاہر تکوین پر غور کرنے کے بعد ہم بمدارج اللہ تک پہنچ سکتے ہیں"

قرآن حکیم میں عنکبوت کے ذکر کے بعد معًا یہ آیت آتی ہے:

تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعٰلِمُونَ ○ (عنکبوت ۴۳)

ہم یہ امثال لوگوں کی خاطر بیان کر رہے ہیں اور انہیں صرف ارباب علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ ربّ العرش نے اعمالِ عنکبوت پر غور کرنے کا نام علم رکھا ہے۔ یہی وہ ایمان افروز علم ہے جس سے محروم رہ کر آج ہم پٹ رہے ہیں۔

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْآيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ○ (یونس ۱۰۱)

اے رسول! اہل ایمان کو زمین و آسمان کے معجزات پر غور کرنے کا حکم دے۔ ایک بے ایمان کائنات پر غور نہ کرنے والی قوم کو کوئی ہدایت اور کوئی تنبیہ فائدہ نہیں دیتی۔

اس آیت میں کائنات پر غور نہ کرنے والی قوم کو بے ایمان کہا گیا ہے۔ ایک مغربی عالم کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"He who casts himself on Nature's fair full bosom, draws food and drinks from a fountain that is never dry.

"جو آدمی اپنے آپ کو فطرت کی حسین اور بھرپور آغوش میں ڈال دیتا ہے وہ ایک ایسے چشمے سے غذا اور پانی حاصل کرتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔"

جو لوگ معجزاتِ تخلیق سے غافل رہتے ہیں، وہ اللہ کی صحیح عظمت و رفعت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک چھوٹی سی ترغیب بھی انہیں راہِ راست سے منحرف کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ یہ لوگ تند ہوا کے ہاتھ میں کھلونا بن کر دولت پرستی و حکام پرستی پر

اُترتے ہیں اور نہایت ذلیل مقاصد کی تکمیل میں شب و روز سرگرداں رہتے ہیں۔
مکڑی کی طرح ان کا کام مکھیوں کا شکار ہوتا ہے اور بس:

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ (عنکبوت ۴۱)

جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے تعلقات گانٹھ لیتے ہیں، وہ اس مکڑی کی طرح ہیں جو (مکھیوں کے شکار کے لیے) جالا تن لیتی ہے۔ کاش انھیں معلوم ہوتا کہ مکڑی کا گھر دنیا میں کمزور ترین گھر ہے۔

پیر رومؒ ہمیں کس بلند مقامی کا پیام دیتے ہیں:

بزیرِ کنگرہ کبریاش مردانند ــــ فرشتہ صید، پیمبر شکار، یزداں گیر

شہد کی مکھی | شہد کی مکھی بہت حریص ہوتی ہے۔ ہر دکان اور ہر پھول سے شہد چرا لاتی ہے۔ بعض اوقات حلوائی کی کڑھائی میں گر کر ہلاک ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اس قدر بوجھ اٹھا لیتی ہے کہ منزلِ مقصود سے ورے ہی مر جاتی ہے۔ ہر چھتے میں ایک ملکہ ہوتی ہے، جو چھتہ تیار ہونے کے بعد اس پر اس شان سے ٹہلتی ہے کہ ساتھ ساتھ چند کنیزیں ہوتی ہیں اور ہر خانے میں منہ ڈال کر دیکھتی ہے کہ آیا مکمل ہو چکا ہے یا نہیں؟ اطمینان کرنے کے بعد انڈے دینا شروع کرتی ہے۔ اس کے انڈے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک میں سے ملکہ، دوسری قسم میں سے ملک اور تیسری سے کارکن (مزدور) پیدا ہوتے ہیں۔ مکھی ایک ہی ہے اور انڈے تین قسم کے دیتی ہے۔

اگر کسی حادثہ کی وجہ سے ملکہ مر جائے اور چھتے میں کوئی شہزادی موجود نہ ہو، تو مکھیاں کسی مزدور زادی ہی کو ملکہ مقرر کر کے تربیت دینا شروع کر دیتی ہیں۔ اگر تمام چھتے میں کوئی انڈا موجود نہ ہو، تو مکھیاں دل شکستہ ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتی ہیں، چھتہ اجڑ جاتا ہے اور تمام مکھیاں ہلاک ہو جاتی ہیں۔

کارکن مکھیوں میں نر و مادہ دونوں ہوتے ہیں۔ نر، تلاشِ شہد میں جاتے ہیں اور مادہ مکھیاں گھر کو سنبھالتی ہیں۔

ملکہ کی موت پر مکھیوں میں زبردست ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے نہایت بے تابی کے ساتھ سرگوشیاں کرتی نظر آتی ہیں۔

چھتے میں دو طرح کے خانے ہوتے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے۔ چھوٹے خانوں میں کارکن جنم لیتے ہیں اور بڑے شاہی نسل کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ سفید و نیلگوں انڈوں سے (جن میں سے ہر انڈا ۱/۱۲ انچ لمبا ہوتا ہے) کارکن مکھیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جب ملکہ کسی خانے میں انڈا رکھ دیتی ہے، تو دایہ مکھی نہایت احتیاط سے اس کی تربیت کرتی ہے۔ جب ذرا بڑا ہو جاتا ہے، تو خانے پر ایک سفید غلاف چڑھا دیتی ہے اور جب بچہ جوان ہو جاتا ہے تو خانے کا منہ کھول دیتی ہے۔ بچہ باہر آجاتا ہے۔ دایہ پہلے اُسے چلنا پھرنا سکھاتی ہے اور پھر پھولوں تک اپنے ساتھ لے کر لے جاتی اور واپس لاتی ہے۔

شاہی انڈوں کی تربیت نہایت احتیاط سے کی جاتی ہے اگر کسی وقت کوئی ایسی شہزادی پیدا ہو جائے، جس کی ضرورت نہ ہو، تو ملکہ اُسے ڈنک لگا کر فوراً ہلاک کر دیتی ہے۔ اگر ملکہ بوڑھی ہو کر ناکارہ ہو جائے، تو کسی شہزادی کو ملکہ بنا لیا جاتا ہے اور بوڑھی ملکہ کو ڈھکیل کر چھتے سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ ماتحت مکھیوں کی بد سلوکی سے گھبرا کر ملکہ بین کرتی ہے، جو کئی گز کے فاصلے تک سنائی دیتے ہیں۔ ان فریادوں میں اس قدر سوز ہوتا ہے کہ ہر مکھی خاموش، ملول اور بے حرکت ہو جاتی ہے۔ جوں ہی کہ یہ بین ختم ہوتے ہیں، تمام مکھیاں ملکہ کے گرد جمع ہو کر اُسے ڈنک لگاتی ہیں اور ملکہ نہایت ذلت و رسوائی میں جان دے دیتی ہے۔

دنیا میں نااہل، بے ہمت اور بے کار اقوام کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب تک کہ مسلمانوں میں صلاحیتِ حیات باقی تھی، وہ آسٹریا، ممالک بلقان، جنوبی روس، نصف فرانس، سپین، شمالی افریقہ، سسلی، سائپرس، عرب، شام، عراق، ایران، ارضِ روم، افغانستان، ہندوستان اور بحرالکاہل کے جزائر پر حکمران رہے اور جب صلاحیتِ حیات کھو بیٹھے، خالی عقائد اور بے معنی اوراد و وظائف کو زندگی کا دستور العمل بنا لیا، محنت و مشقت سے کنارہ کشی کر لی، تلاش و طلب سے ہاتھ کھینچ لیا اور بے پناہ جذبۂ عمل سے بے گانہ ہو گئے، تو اللہ نے ان کی بنیادیں بلا دیں، انہیں ہر جگہ سر زمین سے اکھیڑ کر باہر پھینک دیا اور تخت سے اٹھا کر فرش پہ دے مارا۔ لیکن ادھر ہم ہیں کہ خیر الامم ہونے کا پندار دماغوں میں بدستور باقی ہے۔ اللہ اس قوم کو آنکھیں عطا کرے کہ یہ اپنی بری حالت کا مشاہدہ کر سکے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ۝ (مدثر ۴۹)	یہ لوگ اسباق و آیات سے یوں ڈر رہے/بھاگتے ہیں جس طرح بدکے ہوئے گدھے شیر کو دیکھ کر دوڑ پڑیں۔

رجوع بہ مطلب| بعض اوقات ایک فالتو شہزادی کو اس لیے زندہ رکھا جاتا ہے کہ کسی نئے چھتے کی بنیاد ڈالی جائے۔ بہار، یہ شہزادی ملکہ کے فرائض سر انجام دے۔

شہد کی مختلف قسمیں| عام طور پر لوگ صرف زرد رنگ کے شہد سے واقف ہیں لیکن ماہرین نحل کہتے ہیں کہ سبز، سرخ اور ہلکے گلابی رنگ کے شہد بھی گاہے گاہے دیکھنے میں آتے ہیں۔

مغرب کے ایک حکیم مسٹر کیٹی آر لوول [Kate R. Lovell] نے جب قرآن کی یہ آیت دیکھی:

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۙ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (النحل ۱۶/۶۹)

تیرے رب نے شہد کی مکھی کو یہ پیغام بھیجا کہ پہاڑوں، درختوں اور بیلوں میں اپنا گھر بنا۔ تمام پھلوں سے شہد حاصل کر اور اپنے رب کے دیے ہوئے دستورِ عمل کو باقاعدگی سے نباہ۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ اس مکھی کے پیٹ سے ایک شربت نکلتا ہے، جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور جس میں امراض کی شفا بھی ہے۔ مکھی کے ان اعمال میں اُن لوگوں کے لیے کئی اسباق موجود ہیں جو صحیفۂ فطرت میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

تو حیرت زدہ ہو گیا کہ عرب کا یہ اُمّی (فداہُ ابی و اُمّی) فطرت کا کتنا بڑا عالم تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"Mohammad was a great king, a mighty conqueror and a very clever and learned man. From the Quern we learn that he was a lover of nature and that he knew something of bees and the value of honey. He speaks of bees building nests for themselves and producing honey of various colours. These things were not obtained withour a certain amount of inquity and odservation."

- محمد (علیہ السلام) ایک زبردست فرماں روا، عظیم فاتح، بہت ہوشیار و باعلم انسان تھے۔ قرآن سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ وہ فطرت کے شیدائی، مکھیوں کے اعمال کے عالم اور شہد کے افادی پہلوؤں سے آگاہ تھے۔ وہ مکھیوں کے گھر بنانے اور مختلف اللون شہد تیار کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ علم، تلاشِ مشاہدۂ کائنات کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

آں حضرت صلعم کو جس رنگ میں اس مغربی مفکر نے پیش کیا ہے، وہ کسی مُلّا کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ مُلّا کے نزدیک آں حضرتؐ کی انقلاب آفرین ہستی کا تخیل بس اتنا ہی ہے کہ شفاعت سے اُمّت کے گناہ معاف کرا رہے ہیں اور ایک دفعہ درُود شریف پڑھنے پر دس دس نیکیاں تقسیم کر رہے ہیں اور بس۔

شہد کی تلاش | مکھی کا نچلا ہونٹ لمبا ہوتا ہے۔ یُوں تو وہ سمٹا رہتا ہے، لیکن پھول سے رس نکالتے وقت پھیل جاتا ہے اور پھُول کی اندرونی تہوں تک سے رس سمیٹ لیتا ہے۔ مکھی اس رس کا کچھ حصہ تو پی جاتی ہے اور کچھ غذائی نالی کے قریب ایک تھیلی میں بھر لیتی ہے۔ چھتے میں پہنچ کر اس رس کو جس پر کچھ کیمیائی عمل بھی ہو چکا ہوتا ہے، خانوں میں اُنڈیل دیتی ہے۔

جب مکھی پھولوں سے رس نکال رہی ہوتی ہے، اُس وقت پھولوں کے ذراتِ منویہ (Pollen) مکھی کے پَروں اور لاتوں سے چمٹ جاتے ہیں اور یہ ذرات (جن میں میٹھا رس بھی ہوتا ہے) اُن مکھیوں کی غذا بنتے ہیں، جو چھتے سے باہر نہیں جاتیں۔ ان گھریلو مکھیوں کے پاس غذا والی تھیلی نہیں ہوتی، اس لیے کہ انھیں پکی پکائی مِل جاتی ہے۔ مکھیاں پھول کی جڑ میں ڈنک لگا کر بھی رس حاصل کرتی ہیں۔

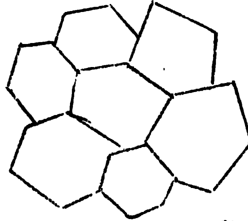
جب موسم سرما میں عموماً پھول جھڑ جاتے ہیں اور اُن کے پاس غذا کے لیے چھتے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، تو نکمّی اور سُست مکھیوں کی شامت آجاتی ہے۔ کارکن مکھیاں انھیں ڈنک سے ہلاک کر دیتی ہیں۔ سچ ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ (قارعہ ۸-۹)	جس کے اعمال کا وزن تھوڑا ہو (یعنی کاہل و بے کار) اُسے جہنم کے سپرد کیا جاتا ہے۔

موم | مکس شہد، تازہ کونپلوں سے ایک قسم کا گوند نکال لاتی ہے، جسے موم کے ساتھ مِلا کر

خانے تیار کرتی ہے۔ اگر شہد کی آمد بڑھ جائے اور خانے کم ہوں، تو موم بنانے کے لیے مکھیوں کو بڑی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ وہ یوں کہ درجن بھر مکھیاں ایک دوسرے کے پیروں کو اگلی ٹانگوں سے مضبوط تھام کر چوبیس گھنٹے کے لیے لٹک جاتی ہیں۔ اس عرصے کے بعد کسی کیمیاوی عمل سے ان کی تھیلیاں جو پیٹ کے نیچے ہوتی ہیں موم سے بھر جاتی ہیں۔

تھوڑی جگہ اور تھوڑے سے وقت میں زیادہ خانے تیار کرنے کے لیے مکھی چھ کونے خانے بناتی ہے۔ شکل ملاحظہ ہو:



"So work the honey bees, creatures, that by a rule in nature, teach the act of order to the people kingdom.

"یہ ہیں مگس شہد کے اعمال، یہ ننھی سی مخلوق الہام الٰہی کے طفیل انسانی دنیا کو ضبط و باقاعدگی کا سبق سکھلاتی ہے" (مغرب کا ایک حکیم)

نحل کے پَر | نحل کے چار پَر ہوتے ہیں۔ اُڑتے وقت پچھلے پَر اگلے پَروں کے ساتھ چند کنڈیوں کے ذریعے پھنس کر ایک پَر کی طرح بن جاتے ہیں۔ ان پر ملائم سی پشم ہوتی ہے، تاکہ بارش کے قطرے اوپر سے بہ جائیں اور پَر نہ بھیگنے پائیں۔ پَروں کے نیچے نالیوں میں ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے، تاکہ پرواز میں آسانی رہے۔

جب گرمیوں میں چھتہ تپ جاتا ہے اور شہد کے بہ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے

تو چند مکھیاں پروں سے ہوا دے کر چھتے کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔

آنکھیں | نحل کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں۔ تین سر کی چوٹی پر اور دو سر کے دائیں بائیں۔ ان میں سے ہر آنکھ ۳۵۰۰ آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے یعنی اس میں ہر چیز کی ۳۵۰۰ تصاویر اترتی ہیں۔ یہ آنکھیں ہماری آنکھوں کی طرح ادھر ادھر حرکت نہیں کر سکتیں۔ یہ غالباً اس لیے کہ تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے بغیر گردش کیے ہر طرف دیکھ سکتی ہیں۔ سر والی آنکھوں کا تعلق چھتے پر واپس آنے سے بھی ہوتا ہے۔ اس مکھی کا قاعدہ ہے کہ پہلے آسمان کی طرف اڑتی ہے اور پھر ایک طرف کو خطِ مستقیم بناتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک عالم فطرت نے چند مکھیوں کے سر پر رنگ چھڑک دیا تاکہ سر والی آنکھیں بے کار ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکھیاں سیدھی آسمان کی طرف اڑتی گئیں اور ایک جانب کو خطِ مستقیم نہ بنا سکیں۔

ڈنک | جب مکھی کسی جسم میں ڈنک چبھو دیتی ہے، تو ڈنک اندر ہی رہ جاتا ہے۔ مکھی اڑ جاتی ہے اور بعد میں مر جاتی ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ آلۂ حفاظت سے محروم ہو جاتی ہے اور قدرت کے اس اٹل آئین کے مطابق (کہ جو اقوام اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتیں، وہ مٹا دی جاتی ہیں) وہ ہلاک ہو جاتی ہیں۔

ایک مغربی مفکر مدتوں اعمالِ نحل پہ غور کرتا رہا۔ ذرا اس عالمِ فطرت کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

How migty and how majestic are
Thy works, and wiih what a pleasant
dread, They swell the soul.

"اے رب! تیرے اعمال کس قدر مہیب و لرزہ فگن ہیں جو ہماری روح میں ایک خوش گوار خوف (خشیہ) پیدا کر کے اسے اور بلند بنا دیتے ہیں۔"

اس انگریز کے یہ تاثرات مندرجۂ ذیل آیت کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸) | اللہ کا خوف صرف علمائے فطرت کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے۔

یادِ خدا | قرآن حکیم میں اللہ کو یاد کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ مولوی کے ہاں اس حکم کی تفسیر یہ ہے کہ ایک لمبی تسبیح لے کر روزانہ ایک ہزار مرتبہ اللہ، اللہ، جپ چھوڑو اور خلاصی ہوئی۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اس بے کیف و بے لذت ذکر کا کوئی فائدہ؟ ہم غالب و اقبال کے اشعار پڑھتے ہیں، تو ہر شعر پہ بے ساختہ آہ یا واہ نکل جاتی ہے۔ یہ صحیفۂ کائنات اللہ کا ایک دیوان ہے:

خندۂ شبنم، بہارِ گل، فروغِ مہر و ماہ
واہ کیا اشعار ہیں دیوانِ فطرت کے لیے (جوش ملیح آبادی)

جہاں ہر طرف رنگین، وجد آور اور حسین شعر بکھرے پڑے ہیں۔ حیرت ہے کہ ان سے متاثر ہوئے بغیر ایک مولوی کیوں کر پاس سے گذر جاتا ہے اور حجرے کے تاریک گوشے میں کون سی نیرنگیاں موجود ہیں، جن سے تاثر لے کر یہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے! اللہ کے اشعار تو بحر و بر میں، دشت و جبل میں اور اس حسین ارض و سما میں بکھرے ہوئے ہیں، لیکن حضرت مولوی صاحب کا ذکرِ خدا ایک تاریک کونے میں آدھی رات کو شروع ہوتا ہے:

لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (۲۲ : ۴۶) | آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

میرے نزدیک ذکرِ خدا اس خشیہ، اس رعب، اس کیف اور اس آہ یا واہ کا نام ہے، جو اس کے اعمال پر غور کرنے کا حتمی نتیجہ ہے اور جس میں کسی ھُو ھُو کی قطعاً گنجائش نہیں۔[1]

---

[1] ذکرِ اسم (واذکر اسم ربک)، ذکرِ صفات (للہ الاسماء الحسنیٰ) اور ذکرِ اعمالِ الٰہی سب ہی کی طرف قرآن راہ نمائی کرتا ہے۔ (مدیر البیان)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ (اعراف - ۲۰۵)

تم اپنے رب کو دل میں یاد کرو۔ یہ یاد اُس خشوع و خشیہ کا نتیجہ ہوتی ہے جو اعمال الٰہی کے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ صبح و شام اونچے اونچے نعرے لگانے کی ضرورت نہیں اور دیکھو کہیں اعمال الٰہی سے غافل نہ ہو جانا۔

یہی وہ ذکرِ خدا ہے، جس سے دل دہلتے ہیں:

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (انفال ۲) اعمالِ الٰہی کا ذکر سن کر اُن کے دل کانپ جاتے ہیں۔

اور یہی وہ آیاتؔ[له] ہیں جن سے ایمان بڑھتا ہے:

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (انفال ۲) اور ہماری آیات سن کر اُن کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

ایک دفعہ کفارِ عرب نے آں حضرتؐ سے کوئی معجزہ طلب کیا۔ جواب میں ارشاد ہُوا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (انعام - ۳۸،۳۷)

وہ کہتے ہیں کہ اللہ، رسولؐ پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں کرتا۔ اے رسولؐ! انہیں کہہ دے کہ اللہ کو معجزات اتارنے کی طاقت حاصل ہے۔ لیکن یہ لوگ بڑے بے علم و جاہل ہیں، کیا دیکھتے نہیں کہ زمین پر چوپاؤں کی ایک دنیا آباد ہے اور ہوا میں رنگ برنگ پرندے اُڑ رہے ہیں۔ جن کی فنا و بقا کا آئین تمہاری ہی طرح ہے۔

تو کیا یہ طیور و حیوانات معجزے نہیں؟ یقیناً ہیں، لیکن جہالت اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ (یوسف ۱۰۵)

ارض و سما میں معجزات کی ایک دنیا موجود ہے، لیکن یہ لوگ غافلوں کی طرح منہ پھیر کر پاس سے گذر جاتے ہیں۔

[له] آیاتِ فطرت اور آیاتِ وحی یکساں ایمان افزا ہیں۔ (مدیر البیان)

مچھر | مچھر کے منہ کے سامنے ایک مُوا سا نالی سی ہوتی ہے، جس سے جسم میں سوراخ کر کے اندر زہر داخل کیا کرتا ہے۔ اس کے انڈوں کی غذا خوردبینی حیوانات ہوتے ہیں۔ یہ انڈے ہوا حاصل کرنے کے لیے سطح آب پر آجاتے ہیں۔ منہ پانی کے اندر اور دُم باہر رکھتے ہیں۔ دُم میں تنفس کے لیے ایک سوراخ ہوتا ہے جب مچھر انڈوں سے نصف باہر آجاتے ہیں تو پھر تنفس کے لیے ان کی پیٹھ میں ایک سوراخ بن جاتا ہے۔ ولادت کے وقت انڈے سطح پر آجاتے ہیں حرارتِ آفتاب سے انڈوں کے خول خشک ہو کر پھٹ جاتے ہیں اور مچھر باہر آجاتے ہیں اور جب سورج کی گرمی سے اُن کے پَر خشک ہو جاتے ہیں تو اُڑ جاتے ہیں۔

ولادت کے وقت ہر انڈا ایک طرف سے کھل جاتا ہے۔ اگر مچھر ذرا بھی حرکت کرے، تو اس خول میں پانی بھر جائے اور مچھر ہلاک ہو جائے۔ مچھر کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے، اس لیے بے حس سا ہو کر نہایت سکون سے پڑا رہتا ہے۔ اگر اس وقت آندھی چل پڑے تو یہ تمام خول دفعتہً ڈوب جاتے ہیں۔ ہوا کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر روز سینکڑوں من مچھروں کے بچے جھیلوں اور جوہڑوں میں غرق کر دیتی ہے، ورنہ یہ حقیر سی مخلوق انسانی زندگی کو وبال بنا دیتی۔

انسان جیسی مدبّر اور ذی عقل مخلوق کا مچھر سے مغلوب ہونا الٰہی کارفرمائی کا ایک عظیم الشان کرشمہ ہے۔ رات کے وقت یہ تمام مخلوق کا ناک میں دم کر دیتا ہے۔ تمام بستیوں پر اسی کی حکومت ہوتی ہے۔ بادشاہ تک اس سے کانپتے ہیں اور مچھر جالیوں کے قلعوں میں چھپتے پھرتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اس کے پاس طاقت کا ایک زبردست اوزار یعنی زہریلا پمپ ہے اور دنیا کی حاکم ایسی ہی اقوام ہوا کرتی ہیں، جن کے پاس اپنوں کے لیے تریاق اور اعدا کے لیے زہرِ ہلاہل موجود ہو:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (فتح۔ ۲۹)	مومن اللہ کے نافرمانوں کے مقابلے میں سخت اور اپنوں کے سامنے بہت نرم ہوتا ہے۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں (اقبالؒ)

ایک بت تراش کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ سنگِ مرمر سے ہاتھی، گھوڑے یا اونٹ کا مجسمہ تراش لے لیکن یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ مچھر کا مجسمہ تیار کر سکے۔ اس کی آنکھیں، سر، سونڈ، ٹانگیں، رگیں، انتڑیاں، پر اور بال تیار کرنا اس صانع کی طاقت سے وراء الوراء ہے۔ اُدھر اللہ کا کمالِ صناعی دیکھیے کہ مچھر سے سینکڑوں گنا چھوٹے حشرات خلق کر کے انھیں ہر لحاظ سے مکمل بنا دیا۔ وہ چل رہے ہیں، دوڑ رہے ہیں اور اُڑ رہے ہیں۔ الٰہی خلاقی کا کمال دیکھنا ہو تو ان حقیر چیزوں کو دیکھو۔ انصافاً فرمائیے کہ اگر خلق و تکوین کے ان شاہکاروں کا ذکر قرآن حکیم میں آجائے تو کون سی عیب کی بات ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ (بقرہ - ۲۶)

اللہ سبحانہٗ مچھر وغیرہ کے ذکر سے کیوں شرمائے؟ کائنات کے عالم جانتے ہیں کہ اللہ حقیقت بیان کر رہا ہے لیکن جاہل نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں "اسے یہ قرآن میں مچھر کا ذکر کیوں آگیا" حقائق پر غور کرنے والے ہدایت پا جاتے ہیں اور باقی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ یہ بھٹکنے والے فاسق ہیں۔

مکھی | مکھی کئی لحاظ سے مفید ہے۔ یہ دنیا کی صفائی پر متعین ہے۔ ہم انسان سطحِ زمین کو غلیظ بناتے ہیں اور یہ غلاظت کو چاٹ کر صاف کرتی ہے۔ جہاں غلاظت زیادہ ہو وہاں قدرت کے یہ جاروب کش بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ صاف کمروں میں مکھیاں نہیں ہوتیں، اس لیے کہ وہاں ان کی خدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جو کام کہ میونسپلٹی کے خاکروب نہیں کر سکتے، اسے مکھی سرانجام دیتی ہے جس طرح خاکروب کی ذات میں ناپاکی نہیں بلکہ

اس کے کام میں ہوتی ہے۔ اسی طرح مکھی خود کوئی بُری چیز نہیں، بلکہ انسانی غلاظت کو صاف کرنے کی وجہ سے اس کی لاتیں اور پَر گندے ہو جاتے ہیں۔ مُردار کو کھانے والے سفید کیڑے مکھی ہی کے انڈوں سے نکلتے ہیں۔

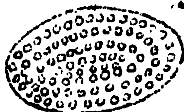
بعض جانور انڈوں کو کچھ عرصہ تک سیتے رہتے ہیں، لیکن مکھی کو انڈوں پر بیٹھنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ انڈے دے کر چلتی بنتی ہے اور قدرت خود اس کے بچے نکالنے کا انتظام کرتی ہے۔

مکھی ایک سیکنڈ میں ۷۰۰ مرتبہ پَر مارتی اور پانچ فٹ کی مسافت طے کرتی ہے۔ ایک گھنٹے میں ۱۸۰۰۰ فٹ اُڑتی ہے۔ اگر مکھی ڈر جائے تو اس کی رفتار بیس میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے۔

تنفس کے لیے مکھی کے پیٹ میں دو سوراخ ہوتے ہیں، جو بالوں سے ڈھکے رہتے ہیں۔ تاکہ گرد و غبار اندر نہ جا سکے۔ مکھی میں سُونگھنے کی طاقت بہت تیز ہوتی ہے لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کہاں سے سُونگھتی ہے۔

مکھی اُلٹی ہو کر چھت پر کیسے چلتی ہے، ہنوز ایک معمہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی لاتوں کے ساتھ باریک کنڈیاں سی لگی ہوتی ہیں، جنھیں لکڑی وغیرہ کے مساموں میں پھنسا لیتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی لاتوں سے ایک لیس دار رس نکلتا ہے جس کی بدولت یہ چھت وغیرہ سے چپکی رہتی ہے۔

مکھی کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں اور ہر آنکھ چار ہزار چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مرکب ہوتی ہے۔ شکل تقریباً یہ ہے:



جب انڈے میں بچہ تیار ہو جاتا ہے، تو مکھی سر کی ٹکر سے انڈے کو پھوڑ دیتی ہے بچہ باہر آجاتا ہے۔ اس کے پر بھیگے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ اگلی لاتوں سے پروں کو خشک کرتا ہے اور پھر اُڑ جاتا ہے۔

مکھی کی عمر صرف ایک مہینہ ہوتی ہے۔ اس عرصے میں یہ بے شمار انڈے دیتی ہے۔ علمائے فطرت نے اندازہ لگایا ہے کہ صرف ایک موسم میں ایک مکھی کی نسل ۲۰ لاکھ افراد تک پہنچ جاتی ہے۔

قدرت کی پاکیزہ اشیاء کو انسان کھاتا ہے۔ انسان کی خارج کردہ غلاظت مکھیوں کی غذا بنتی ہے۔ مکھیوں کو دوسرے حشرات و طیور کھا جاتے ہیں۔ بدیگر الفاظ نباتات، حیوانات کی غذا ہیں، حیوانات ہماری غذا اور ہم مرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی غذا بن جائیں گے[1]۔ اس اندوہ ناک انجام سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ ہم حدودِ زمان و مکان کو توڑ کر جاوداں بن جائیں:

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام (اقبالؒ)

انسان طیارے بنا سکتا ہے، لیکن درخت سے گرے ہوئے پتے کو اپنی جگہ پر نہیں چپکا سکتا ہے۔ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتا۔ محکمۂ خلق اللہ کا "ہوم ڈیپارٹمنٹ" ہے جس میں انسان دخل نہیں دے سکتا۔

طاقت کو اعتراف شکست | مکھی کے پاس پر ہیں کئی ہزار آنکھیں ہیں لیکن عنکبوت جیسا بے بس جانور اس پر قابو پالیتا ہے۔ دوسری طرف مکھی ہمیں تمام دن

[1] بقول رومی: زاں کہ تو ہم لقمۂ ہم لقمہ خوار — آکل و ماکول، اے جاں ہوشدار
آکل و ماکول آمد آں گیاہ — ہم چناں ہر ہستی غیر اللہ (مدیر البیان)

ستاتی ہے، نہ آرام سے سونے دیتی ہے اور نہ کام کرنے دیتی ہے۔ ہماری غذا کی پاکیزگی و نفاست ہم سے چھین لے جاتی ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر انسان مکھی کے سامنے یوں بے بس ہے تو الٰہی قوانین کی مخالفت اُسے اللہ سے کیسے بچا سکے گی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (حج۔۷۳)	اے لوگو! سنو، ہم تمھیں ایک کام کی بات سناتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے بغیر تمھارے معبود بنے بیٹھے ہیں، وہ تمام مل کر ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین لے، تو وہ واپس نہیں لے سکتے۔ عابد و معبود ہر دو بے بس ہیں، کائنات میں صرف اللہ ہی غالب و طاقت ور ہے۔

زنبورِ سیاہ | یہ زنبور مٹی کے گھر بناتی ہے اور اپنے بچوں کے لیے کیڑے مکوڑے پکڑ لاتی ہے انھیں ڈنک سے بے ہوش کر دیتی ہے تاکہ بھاگ نہ جائیں اور ڈنک صرف اتنا لگاتی ہے کہ وہ جیتے رہیں۔ اس لیے کہ اگر مر جائیں، تو اس کے گھر میں بدبو پھیل جائے۔

کرائیسِس (Chrysis) | یہ ایک خوب صورت مکھی ہے۔ دُم سنہری اور پَر سبز ہوتے ہیں۔ اس کا رنگ ہر موسم میں بدلتا رہتا ہے۔ یہ مکھی اپنے انڈے ایک اَور قسم کی مکھی کے گھر میں دیتی ہے جب گھر کی مالکہ باہر سے آکر ایک اجنبی کو اپنے آشیانے میں دیکھتی ہے، تو اُسے ڈنک سے فوراً ہلاک کر ڈالتی ہے۔ اس خیال سے کہ اس کی نسل باقی رہ گئی، یہ مکھی بہ خوشی جان دے دیتی ہے۔ جب اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں اور ساتھ ہی گھر والی کے بچے بھی نکل آتے ہیں، تو کرائیسِس کے بچے ماں کا انتقام لینے کے لیے آشیانے کی تمام غذا جلدی جلدی ختم کر ڈالتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مالکہ کے بچے بھوک سے مر جاتے ہیں۔

بلیک بیٹل (Black Beetle) اس کی مادہ جب انڈوں پر آتی ہے، تو اپنے جسم سے ایک رس نکال کر ایک ٹوپی سی بناتی ہے جس میں چھوٹے چھوٹے سولہ کمرے ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں ایک انڈا رکھ دیتی ہے اور اوپر سے بند کر دیتی ہے۔ جب بچے تیار ہو جاتے ہیں، تو اپنی تھوک سے اس غلاف کو بھگو کر نرم کرتی ہے۔ غلاف پھٹ جاتا ہے اور بچے باہر آجاتے ہیں۔ یہ بچے چار سال میں کامل بنتے ہیں اور اس عرصے میں سات دفعہ جلد بدلتے ہیں۔ ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، لیکن جلد بدلنے کے بعد چند دن تک سفید رہتے ہیں۔ یہ کھٹملوں کو کھاتے ہیں اور خود چوہوں، بلیوں اور بعض پرندوں کی غذا بن جاتے ہیں۔ زرد رنگ کے پیراسائٹ (Perasites) تمام عمر اُن کی پیٹھ پر سوار رہتے ہیں اور اُن کا خون چوستے ہیں۔

یہ کیڑا بہت پرانے زمانے سے چلا آتا ہے۔ پہاڑوں سے اس کی اسی انواع کے فسلز دستیاب ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس کا ناقص پہلو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اور علمائے حشرات کی رائے بدستور یہی ہے کہ یہ غیر اصلح کا ایقا ہے۔ ممکن ہے کہ چند صدیوں کے بعد علم کی ترقی اس غلط فہمی کا ازالہ کر سکے۔

کرین فلائی (Cranefly) یہ اپنی دُم نرم زمین میں ڈال کر انڈے رکھ دیتی ہے اور سو انڈے دینے کے بعد مر جاتی ہے۔

ٹڈی یہ خاکی رنگ کا مونچھوں والا جانور ہمارے ریشمی کپڑوں کا دشمن ہوتا ہے۔ شام کے وقت کان لگا کر سنو، کیا سریلی آواز آ رہی ہے۔ یہ آواز نر کی ہے، جو مادہ کو گیت سنا رہا ہے۔ اس کا دماغ گردن کے پیچھے ہوتا ہے۔ اس کی بعض انواع اڑتی بھی ہیں۔ بعض کے کان ٹانگوں کے ساتھ اور سوراخ ہائے تنفس پہلو میں ہوتے ہیں۔ حشرات عموماً بہرے ہوتے ہیں، لیکن ٹڈی سن سکتی ہے۔ دلیل یہ کہ جب گا رہی ہو اور پاس

سے کوئی آدمی بول اُٹھے، تو فوراً چُپ ہو جاتی ہے۔
اگر کسی مکوڑے وغیرہ سے اس کی لڑائی ہو جائے، تو اپنے تیز دانتوں سے اُس کا گلا کاٹ ڈالتی ہے اور نوشِ جان کرکے پھر گانے لگ جاتی ہے۔
دیمک کی ایک قسم | یہ چیونٹیاں جنوبی افریقہ اور امریکہ کے بعض حصّوں میں پائی جاتی ہیں۔ پندرہ سے لے کر بیس فٹ تک اونچا گھر بناتی ہے۔ ان کے اونچے اونچے مخروطی شکل کے گھر دُور سے یوں نظر آتے ہیں، گویا دہقانوں کے گلی جھونپڑے ہیں۔ ہر گھر چار مَحرابوں پر اٹھایا جاتا ہے۔ چھتیں اس قدر مضبوط ہوتی ہیں کہ کئی آدمیوں کا بوجھ سہار سکتی ہیں۔ ہر گھر کے مرکز میں ملِک و ملِکہ رہتے ہیں۔ اِرد گِرد مزدوروں کے کمرے ہوتے ہیں، ان سے آگے دایہ جماعت کے کمرے اور پھر گودام۔ اس گھر کا کوئی دروازہ نہیں ہوتا اور نہ ان چیونٹیوں کی آنکھیں ہوتی ہیں، اسی لیے مٹی کے نیچے رہتی ہیں، تاکہ پرندوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اگر سفر کا ارادہ کریں، تو مٹی کی ایک سرنگ بنا کر اندر اندر چلتی ہیں۔ ان کے بعض افراد روشنی میں چلنے پھرنے کی وجہ سے صاحبِ نظر ہوتے ہیں۔
مزدوروں کے دانت اس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ لکڑی کو چند دقیقوں میں ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں۔ ان کی ملکہ ایک چھوٹے سے کمرے میں بند رہتی ہے۔ اس کمرے کا دروازہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ملکہ باہر نہیں نکل سکتی۔ اسے غذا اندر ہی پہنچا دی جاتی ہے۔ چوں کہ یہ ساری قوم اندھی ہوتی ہے اور انھیں خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ملکہ آگے پیچھے نہ ہو جائے، اس لیے اسے اس کمرے میں بند کر دیتے ہیں۔ ملکہ روزانہ اسی ہزار انڈے دیتی ہے اور آرام طلبی کی وجہ سے انسانی انگوٹھے جتنی موٹی ہو جاتی ہے۔
اگر ان چیونٹیوں کو انسانی قد و قامت دے کر بقدرِ جثہ مینار بنانے کی طاقت بھی بڑھا دی جائے، تو یہ ۳۸۰۰ فٹ اونچا مینار تیار کر سکیں گی۔ مصر کا سب سے بڑا مینار ۴۸۰ فٹ بلند ہے۔

جگنو | مادہ کی دُم سے زیادہ روشنی نکلتی ہے اور نر سے بہت کم۔ مادہ، نر سے بڑی اور بے پَر ہوتی ہے۔ نر کی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں، تاکہ کافی فاصلے سے مادہ کو دیکھ سکے۔ مادہ اپنی روشنی سے حملہ آوروں کو ڈرا سکتی ہے اور نر کے پاس یہ حفاظتی ٹارچ تقریباً نہیں ہوتا۔ اس لیے اُسے پَر عطا ہوئے۔

مادہ دُم کی روشنی سے تین فائدے اٹھاتی ہے: (۱) دشمنوں سے حفاظت (۲) روشنی میں تلاشِ غذا (۳) اور کہ دُور سے نر کو نظر آتی رہے۔

روشنی حرارت سے علیحدہ نہیں ہوسکتی، لیکن جگنو کی روشنی اس کُلیہ سے مستثنیٰ ہے۔ اگر اس کی روشنی میں حرارت ہوتی، تو یہ ہر خشک و تر کو آگ لگا دیتا اور ہر روز آتش زدگی کے لاکھوں افسوس ناک واقعات رونما ہوتے۔ اگر اللہ آج جگنو کی چمک میں حرارت بھر دے، تو ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں اور یہ حسین کائنات جل کر خاکستر ہو جائے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر ۴۵) | اگر اللہ انسانوں کو ان کے اعمال کی سزا دینا چاہے تو سطحِ زمین پر کوئی جان دار باقی نہ رہے۔

پسّو | اہلِ شام، سقراط سے مذاق کیا کرتے تھے کہ یہ تمام دن پسّو کی چھلانگ ماپتا رہتا ہے۔ یہ مذاق کی بات نہیں، بلکہ مقامِ حیرت ہے کہ اتنا چھوٹا سا پسّو اتنی اونچی چھلانگ کیسے لگا سکتا ہے؟ یہ اپنے جسم کی لمبائی سے دو سَو گُنا زیادہ کُود سکتا ہے۔ اگر ایک آدمی بھی اتنا کُود سکتا، تو گیارہ سَو فٹ تک ہوا میں اونچا جاتا۔

جنوبی امریکہ میں ایک پسّو جسم میں سوراخ کر کے جلد کے نیچے چھپ جاتا ہے اور بے حد دُکھ کا باعث بنتا ہے۔ سُنا ہے کہ اگر ایک پودے وَرم وُڈ (Worm Wood) کو کمرے میں رکھا جائے تو پسّو بھاگ جاتے ہیں۔

کالی بھِڑ | گو بر وغیرہ پر آپ نے کالی کالی بھِڑیں دیکھی ہوں گی، جو گوبر کی گولیاں بنا کر

اِدھر اُدھر جا رہی ہوتی ہیں۔ اگر راہ میں کوئی چٹان وغیرہ آ جائے اور یہ گولی گر جائے، تو پھر نیچے آکر پھر کوشش کرتی ہے اور آخر کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس گولی میں ایک انڈا ہوتا ہے اور یہ گوبر، پیدا ہونے والے بچے کی خوراک بنتا ہے۔

قدیم مصریوں نے اس بھڑ کی محنت و مشقت سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی قیمتی پتھروں، زیوروں، عمارتوں اور سِکّوں پر اس کی تصویر بناتے اور اسے شب و روز، سال و ماہ اور آفتاب و زمین کا پیکرِ خیال کرتے تھے۔

اس بھڑ کے سر پر پانچ کلغیاں سی ہوتی ہیں، جنھیں سورج کی کرنوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ اس کی گولی بنانے کو یوں سمجھا جاتا تھا کہ گویا خدا زمین بنا رہا ہے۔ اس کی چھے ٹانگوں اور ایک سر (۶ + ۱ = ۷) کو ہفتہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی ہر لات پر پانچ دندانے سے ہوتے ہیں جنھیں (۶ × ۵ = ۳۰) ایک ماہ قرار دیا جاتا تھا۔ یہ جانور دو مفید کام کرتا ہے۔ اوّل سطحِ زمین کو صاف کرتا ہے۔ دوم، ان گولیوں کو زمین میں دفن کر کے زمین کو زرخیز بناتا ہے۔

اس غریب مخلوق کو مدافعت کے لیے نہ ڈنک دیا گیا ہے اور نہ تیز دانت۔ ہاں ایک فریب ضرور دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ جوں ہی اُسے چھیڑا جائے۔ یہ فوراً اسانس کھینچ کر ٹانگیں پیٹ سے چمٹا کر بے حس لیٹ جاتی ہے کہ گویا غریب کا دم نکل چکا ہے۔ حملہ آور اسے مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور یہاں کہ اوندھا لیٹتے وقت یہ زمین پر چت لیٹ جاتی ہے، اس لیے اس کی گندی لاتوں کی بدبو سے بھی حملہ آور دور ہٹ جاتا ہے اور کچھ دیر کے بعد اُٹھ کر اپنی راہ لیتی ہے۔

کوچی نیل (Cochineal) مشرقی اندلس میں اس کیڑے سے سُرخ رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔ [illegible]

جگنو | مادہ کی دُم سے زیادہ روشنی نکلتی ہے اور نر سے بہت کم۔ مادہ، نر سے بڑی اور بے پَر ہوتی ہے۔ نر کی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں، تاکہ کافی فاصلے سے مادہ کو دیکھ سکے۔ مادہ اپنی روشنی سے حملہ آوروں کو ڈرا سکتی ہے اور نر کے پاس یہ حفاظتی ٹارچ تقریباً نہیں ہوتا۔ اس لیے اُسے پَر عطا ہوئے۔

مادہ دُم کی روشنی سے تین فائدے اٹھاتی ہے: (۱) دشمنوں سے حفاظت (۲) روشنی میں تلاشِ غذا (۳) اور کہ دُور سے نر کو نظر آتی رہے۔

روشنی حرارت سے علیحدہ نہیں ہو سکتی لیکن جگنو کی روشنی اس کلیہ سے مستثنےٰ ہے۔ اگر اس کی روشنی میں حرارت ہوتی، تو یہ ہر خشک و تر کو آگ لگا دیتا اور ہر روز آتش زدگی کے لاکھوں افسوس ناک واقعات رونما ہوتے۔ اگر اللہ آج جگنو کی چمک میں حرارت بھر دے، تو ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں اور یہ حسین کائنات جل کر خاکستر ہو جائے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر ۴۵) | اگر اللہ انسانوں کو ان کے اعمال کی سزا دینا چاہے تو سطحِ زمین پر کوئی جان دار باقی نہ رہے۔

پسو | اہلِ شام، سقراط سے مذاق کیا کرتے تھے کہ یہ تمام دن پسو کی چھلانگ ماپتا رہتا ہے۔ یہ مذاق کی بات نہیں بلکہ مقامِ حیرت ہے کہ اتنا چھوٹا سا پسو اتنی اونچی چھلانگ کیسے لگا سکتا ہے؟ یہ اپنے جسم کی لمبائی سے دو سو گُنا زیادہ کُود سکتا ہے۔ اگر ایک آدمی بھی اتنا کُود سکتا، تو گیارہ سو فٹ تک ہوا میں اونچا جاتا۔

جنوبی امریکہ میں ایک پسو جسم میں سوراخ کر کے جلد کے نیچے چھپ جاتا ہے اور بے حد دُکھ کا باعث بنتا ہے۔ سُنا ہے کہ اگر ایک پودے ورم وُڈ (Worm Wood) کو کمرے میں رکھا جائے تو پسو بھاگ جاتے ہیں۔

کالی بھڑ | گوبر وغیرہ پر آپ نے کالی کالی بھڑیں دیکھی ہوں گی، جو گوبر کی گولیاں بنا کر

اِدھر اُدھر جارہی ہوتی ہیں۔ اگر راہ میں کوئی چٹان وغیرہ آجائے اور یہ گولی گر جائے، تو بھڑ نیچے آکر پھر کوشش کرتی ہے اور آخر کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس گولی میں ایک انڈا ہوتا ہے اور یہ گوبر، پیدا ہونے والے بچّے کی خوراک بنتا ہے۔

قدیم مصریوں نے اس بھڑ کی محنت و مشقت سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ قیمتی پتھروں، زیوروں، عمارتوں اور سکّوں پر اس کی تصویر بناتے اور اسے شب و روز، سال و ماہ اور آفتاب و زمین کا پیکرِ خیال کرتے تھے۔

اس بھڑ کے سر پر پانچ کلغیاں سی ہوتی ہیں، جنھیں سورج کی کرنوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ اس کی گولی بنانے کو یوں سمجھا جاتا تھا کہ گویا خدا زمین بنا رہا ہے۔ اس کی چھے ٹانگوں اور ایک سر (۶ + ۱ = ۷) کو ہفتہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی ہر لات پر پانچ دندانے سے ہوتے ہیں جنھیں (۶ × ۵ = ۳۰) ایک ماہ قرار دیا جاتا تھا۔ یہ جانور دو مفید کام کرتا ہے۔ اوّل سطحِ زمین کو صاف کرتا ہے۔ دوم، ان گولیوں کو زمین میں دفن کر کے زمین کو زرخیز بناتا ہے۔

اس غریب مخلوق کو مدافعت کے لیے نہ ڈنک دیا گیا ہے اور نہ تیز دانت۔ ہاں ایک فریب ضرور دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ جوں ہی اُسے چھیڑا جائے۔ یہ فوراً اسانس کھینچ کر زمین پر یوں بے حس لیٹ جاتی ہے کہ گویا غریب کا دم نکل چکا ہے۔ حملہ آور اسے مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور یوں کہ داؤ کھیلتے وقت یہ زمین پر چت لیٹ جاتی ہے، اس لیے اس کی کتدری لاتوں کی بدبو سے بھی حملہ آور دور ہٹ جاتا ہے اور کچھ دیر کے بعد اُٹھ کر اپنی راہ لیتی ہے۔

کوچی نیل (Cochineal) مشرقی انڈیز میں اس کیڑے سے سُرخ رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی نوع کا یہ کیڑا درختوں کی ٹہنیوں اور تنوں کو چمٹے رہتا ہے [illegible]

سے ایک رس نکلتا ہے، جسے یہ کیڑے بطورِ غذا اور انسان لاکھ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کیڑوں کی ولادت سے پہلے ان کی ماں مر جاتی ہے۔ بچے مُردہ ماں کے پیٹ میں پلتے رہتے ہیں اور جوان ہو کر باہر آجاتے ہیں۔

بَیلوں کی مکھی | یہ مکھی بَیل کے جسم کو کاٹ کر اندر انڈے رکھ دیتی ہے جب بچے نکل آتے ہیں تو یہ اپنی دُم سوراخ سے باہر رکھتے ہیں۔ تاکہ زخم مل نہ جائے اور یہ اندر ہی پھنس کر نہ رہ جائیں جب نیم جوان ہو جاتے ہیں، تو بَیل کے جسم سے گِر کر مٹی کے نیچے چھُپ جاتے ہیں اور پھر مکمل ہو کر باہر آجاتے ہیں

اِن مکھیوں کی ایک نوع بھیڑ کی ناک میں انڈے دیتی ہے۔ بچے غذا کے لیے دماغ میں چلے جاتے ہیں۔ اس عرصے میں بھیڑ بہت زیادہ چھینکتی اور دُکھ اٹھاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ زمین پر گر پڑتے ہیں اور کامل بن کر اُڑ جاتے ہیں۔

درختوں کی مکھی | یہ مکھی درخت کی شاخوں کو زہر بھرا ڈنک لگاتی ہے اور معاً ایک انڈا بھی دے دیتی ہے۔ اس زہر سے شاخ کا یہ حصّہ سُوج جاتا ہے اور بعد میں یہی سُوجا ہُوا حصّہ بچے کی غذا بنتا ہے۔

یہ تو ہیں دنیائے حشرات کے چند اسباق جن سے ہم آنکھیں بند کر کے گذر جاتے ہیں۔ ذرا اس تنبیہ پر غور فرمائیے:

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ (سبا-۹)	کیا یہ لوگ اپنے آگے پیچھے ارض و سما کے عیاں و نہاں معجزات پر غور نہیں کرتے؟ اگر ہم چاہیں تو انھیں اسی زمین میں دھنسا دیں یا ہم فلک کو ان کے سروں پر گرا دیں۔ اس میں خدا پرستوں کے لیے ایک نشان ہے

باب (۶)

دنیائے آب

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِن
كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ
حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ
مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ ○ (فاطر ۔ ۱۲)

زمین کے یہ دو سمندر برابر نہیں۔ ایک تو میٹھا اور پیاس کو بجھانے
والا ہے جس کا پینا آسان ہے اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے۔ ان
ہر دو سمندروں سے تم تازہ گوشت حاصل کرتے ہو اور سامان زینت
(موتی وغیرہ) نکال کر پہنتے ہو تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ پانی کی سطح کو
چیرتی ہوئی نکل جاتی ہیں کہ تم تجارت کر کے اللہ کی رحمت (دولت) کما سکو
اور پھر اس دولت کو تم کے پیام و استحکام پر صرف کر کے عملاً شکر کر سکو تَشْكُرُونَ

ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کے اوپر ایک کھاری سمندر ہے اور زمین کے اندر میٹھا۔ اللہ کی رحمت دیکھیے کہ یہ میٹھا سمندر کھاری سمندر سے متاثر نہیں ہوتا۔ سمندر کا پانی کڑوا ہے لیکن اگر ہم ساحل پر کوئی کنواں کھودیں تو پانی میٹھا نکلے گا۔ ان ہر دو سمندروں کے درمیان ایک دیوار حائل ہے کہ ایک کا اثر دوسرے تک نہیں پہنچ سکتا۔

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ
أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ (نمل ۔ ۶۱)

اللہ نے ان دو سمندروں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی ہے۔ کیا یہ کام
کوئی اور خدا کر سکتا ہے؟

بادل سمندر سے بنتے ہیں، سمندر کھاری ہے اور بادل کا پانی میٹھا۔ [illegible] پانی کی دنیا

بادل بنکر فضا میں تیر رہی ہے۔ زمین پر کھاری پانی ہے اور ہوا میں میٹھا۔ ان میں ایک پردہ حائل ہے کہ آبِ شور آبِ شیریں کو متاثر نہیں کر سکتا۔

دنیا کے مشرق میں بحر الکاہل ہے اور مغرب میں اوقیانوس۔ یہ شمال و جنوب میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ درمیان میں خشکی کا قطعہ ہے۔ یہ سمندر میلوں گہرے ہیں۔ اگر آج سطح زمین کو برابر کر دیا جائے تو تمام روئے زمین پر دس ہزار فٹ اونچا پانی چڑھ جائے۔ دنیا کے بڑے بڑے شہر سمندر کے ساحل پر آباد ہیں، لیکن غرق ہونے سے محفوظ ہیں۔ کیوں؟ یہ ہر چیز الٰہی حکم کی پابند ہے۔ جب تک سمندر کو حکم نہ ملے، اسے خشکی پر چڑھ دوڑنے کی جرأت کیسے ہو؟

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ○ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ○ (الرحمٰن ۱۹-۲۰)	اللہ نے دو سمندروں کو آپس میں ملا دیا اور ان کے درمیان ایک برزخ (خشک قطعہ) ہے جس پر یہ دست درازی نہیں کر سکتے۔

اگر ہم پیالے میں پانی ڈال کر اسے کھلا رکھ دیں، تو اس میں ہوائی بکٹیریا، یا جراثیم امراض و ذرات غبار شامل ہو جائیں گے اور وہ ناقابلِ استعمال بن جائے گا۔ غیر محفوظ کنوؤں اور تالابوں کا پانی اسی لیے ناقابلِ استعمال ہوتا ہے۔ اللہ نے پینے کا پانی زمین کی تہوں میں چھپا کر ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اگر ہم جوہڑوں وغیرہ سے پانی لے کر اسے ابالتے یا صاف کرنے کے دیگر وسائل استعمال کرتے تو ایک مسلسل مصیبت میں گرفتار رہتے۔ اللہ نے مقدس زمین کی پاکیزہ معدنی تہوں میں شیریں و شفاف پانی کے دریائیں جاری کر دیے کہ ہمیں ہر مقام پر لذیذ، منزہ اور مصفا پانی دستیاب ہو رہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ۔ (زمر ۲۲)	کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور وہ زمین کی رگوں میں چشمے بن کر دوڑ رہا ہے۔
وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ۔ (مومنون ۱۸)	ہم نے ایک معین مقدار میں پانی برسا کر اسے زمین میں محفوظ کر دیا اور ہم اس ذخیرۂ آبی کو خشک کر دینے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔

سمندر | زمین کے ⅗ حصے پر پانی اور ⅖ خشکی ہے۔ آغازِ تخلیق میں جب زمین سورج سے نکلی تھی، تو سخت گرم تھی۔ حکمائے جدید نے ثابت کیا ہے کہ تکوینِ کائنات سے پہلے فضا میں دُھواں ہی دُھواں تھا۔ اس دُھوئیں (ذرّاتِ برقیہ) میں زمین و آسمان اور آب و باد بننے کی مکمل حیثیت عملاً موجود تھی۔ چنانچہ اسی سے آفتاب و کواکب تیار ہوئے اور آفتاب سے زمین نکلی۔ جب زمین قدرے ٹھنڈی ہو گئی، تو اردگرد کا دُھواں (بخارات) پانی بن کر زمین پر ٹپک پڑا اور سمندر کہلایا۔ زمین کا اندرونی مواد اُبل اُبل کر باہر نکل آیا۔ ہر طرف مٹی اور پتھروں کے ڈھیر (پہاڑ) لگ گئے۔ زلزلوں نے زمین کو ناہموار بنا دیا۔ چنانچہ پانی پستیوں میں جمع ہو گیا۔ بلندیاں زندگی کے استقبال کے لیے تیار ہو گئیں اور سمندر سے زندگی کا آغاز ہوا:

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ۔ (حٰمٓ سجدہ ۱۰۰)	پھر اللہ نے آسمانوں کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور فضا میں ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

یہ دنیا آخر میں فنا ہو کر ایک مرتبہ اور ذرّاتِ برقیہ میں تبدیل ہو جائے گی اور فضا پھر دخان سے بھر جائے گی:

فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ۔ (دخان ۱۹)	اُس دن کا انتظار کر جب فضا میں ہر طرف دھواں ہی دھواں دکھائی دے گا۔

کائنات پر ایک ایسا زمانہ گذر چکا ہے، جب ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور اللہ کی حکومت صرف پانی پر تھی:

وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ۔ (ہود ۷) | اللہ کی حکومت پانی پر تھی۔

رِگ وید باب دہم منتر ۱۲۱ میں مذکور ہے:

"سُنہرے انڈے یعنی سچائی سے دنیا کی تخلیق ہوئی۔ پہلے پانی پیدا ہوا اور پانی سے نر کی تولید ہوئی۔ پھر نر دو حصوں میں بٹ گیا اور اسی سے اس کی مادہ نکلی۔" (نیز ملاحظہ ہو منو شاستر باب اوّل شلوک ۳۲)

علمائے جدید کی تحقیق یہ ہے کہ آغاز میں سمندر کے اندر یا ساحل پر ایک جرثومۂ حیات نے جنم لیا تھا، جو منقسم و متضاعف ہو کر نر و مادہ کی تکوین پر منتج ہوا:

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۔ (نساء: ۱) | ہم نے آغاز میں تمہیں ایک ذی حیات جرثومہ سے پیدا کیا، اسی سے اس کی مادہ نکلی اور پھر اس مادہ و نر سے ہم نے بے شمار مرد اور عورتیں پیدا کیں۔

جس طرح زوجہ و شوہر کے مادۂ منویہ کے امتزاج سے کبھی مادہ اور کبھی نر پیدا ہوتا ہے، اسی طرح اس ابتدائی جرثومے کے تضاعف سے مادہ و نر کی تکوین ہوئی۔ رفتہ رفتہ سمندر میں مرجانوں، مچھلیوں اور جونکوں کا ایک طوفان آ گیا۔ پھر زندگی نے خشکی پر قدم رکھا۔ مختلف ماحول میں مختلف اشکال اختیار کیں جس طرح کہ اختلافِ آب و ہوا اور ماحول کی وجہ سے ایک انگریز اور ایک حبشی کی شکل و ہیئت میں بہت فرق آ گیا ہے، اسی طرح مختلف منطقوں میں زندگی نے مختلف روپ بدلے، کہیں چلنے، کہیں رینگنے اور کہیں اڑنے لگ گئی۔

ہم انسانوں میں صرف شکل و رنگ ہی کا تباین نہیں دیکھتے بلکہ مختلف خطوں میں آلاتِ صوت و مخارج میں بھی بڑا فرق پاتے ہیں۔ ایک عرب چ، گ، ڈ، ڑ، ٹ اور پ کے تلفظ سے قاصر ہے اور انگریز ت، د، ح نہیں بول سکتا۔ حقیقتاً ماحول ایک زبردست طاقت ہے، جس سے رنگ، زبان، آواز، قد و قامت تک بدل جاتے ہیں، اس لیے قطعاً تعجب کی بات نہیں، اگر دریا میں تیرنے والے جانور بمرورِ وقت سے خشکی پر دوڑنے یا اڑنے لگ گئے ہوں۔ ہمیں بعض پہاڑوں سے جو کروڑہا سال تک زیرِ آب رہے، ایسے جانور ملے ہیں جن کی لمبائی ۴۰ تا ۵۰ فٹ تھی، منہ نہنگ کی طرح، جسم چھپکلی کی مانند، تیرنے کے لیے دو بازو اور فٹ بھر چوڑی آنکھیں تھیں۔ نیز بعض ایسے جانوروں کے پنجر دستیاب ہوئے ہیں، جو پینتالیس فٹ اونچے تھے اور بڑی بڑی مچھلیوں کو دو حصوں میں کاٹ کر پھینک دیتے تھے۔ خشکی و تری ہر دو کی فضا ان جانوروں کو سازگار نہ آئی، اس لیے یہ مٹ گئے، جس طرح قوم کی کمائی

پر پلنے والے نکمے پیر آج مٹ رہے ہیں۔

وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (یونس۔۱۰۱) | صحیفۂ فطرت کی یہ ہدایتیں اور تنبیہیں اُس قوم کے لیے مفید نہیں جس کا سینہ نورِ ایمان سے خالی ہو۔

امواجِ بحری | وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۝ (لقمان۔۳۲) | اور جب وہ لوگ سمندر کی سائبانوں ایسی لہروں میں گھر جاتے ہیں تو نہایت خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں۔

دوسری جگہ امواجِ بحر کے شکوہ و عظمت کو یوں بیان فرمایا ہے:

وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ۔ (ہود۔۴۲) (کشتی نوحؑ لوگوں کو پہاڑوں ایسی لہروں میں لیے جا رہی تھی۔

قرآن حکیم کے اسلوبِ بیان کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ کہیں کوئی مبالغہ نہیں ہر گز حقیقت سے انحراف نہیں۔ ہر حقیقت کو نپے تلے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ اس ضبط اور اس متانتِ بیان پر داد دیے بغیر نہیں رہا جاتی۔

قرآن حکیم اس وقت نازل ہوا تھا جب انسانی دنیا اللہ سے کٹ کر ذلت و نکبت کی وادیوں میں سرگرداں تھی اور طول و عرض گیتی پر کہیں بھی، وہ شمعِ ایمان و عرفان موجود نہ تھی۔ بگڑی ہوئی انسانی فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایک ایسی کتاب الہامی بلندیوں سے اتاری جاتی جس میں شاعرانہ مبالغہ و تخیل ہوتا، بصورتِ الفاظ و شوکتِ تراکیب ہوتی، جلالتِ اسالیب و شکوہِ بیان ہوتا لیکن جو کتاب ہمیں دی گئی، اس میں باقی تو سب کچھ موجود ہے، صرف ایک چیز نہیں یعنی شاعرانہ مبالغہ و تخیل۔ آیتِ مذکورہ میں امواجِ بحری کو امواج کو پہاڑ کہا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھیے گا کہ اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ ہے، بلکہ یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ تفصیل یہ ہے:

سمندر کی سطح کبھی پُرسکون نہیں رہتی، بلکہ اس پر ہوا سے موجیں اٹھتی رہتی ہیں۔ چونکہ لہریں ہوا سے زیادہ تیز چلتی ہیں، اس لیے بسا اوقات آندھی سے چوٹیں ٹھنڈے پہنچنے ساحل پر نمودار ہو جاتی ہیں۔ گہرے پانی میں کم محسوس ہوتی ہیں، لیکن ساحل کے قریب یا کم گہرے پانی میں

دہشت ناک صورت اختیار کرلیتی ہیں۔

بحرِ ہند میں اکثر ایسی لہریں دیکھنے میں آئیں جن کی بلندی ۲۹ تا ۴۰ فٹ، چوڑائی ۱۰۰۰ تا ۱۳۰۰ فٹ اور رفتار ۲۵ تا ۳۲ میل فی گھنٹہ تھی۔ ان کی طاقت کا اندازہ صرف اس امر سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک تجارتی جہاز ان لہروں کی زد میں آگیا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔

بعض اوقات یہ لہریں زلزلے سے پیدا ہوتی ہیں ۱۹۲۲ء میں ساحل چائل (Chile) پر اور ۱۹۲۵ء میں جزیرہ یاپ (Yapp) (ایک بحر الکاہلی جزیرہ) کے ارد گرد ایسی امواج دیکھی گئیں، جن کی بلندی پچاس فٹ تھی۔ چائل کی بندرگاہ کگمبو (Coquimbo) کے باشندے ڈر کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ انھی امواج میں سے ایک کی بلندی ۸۰ فٹ تھی جس نے جہازوں کو تنکوں کی طرح اٹھا کر ۸۰۰ گز دور خشکی پہ پھینک دیا تھا اور ان کا اثر ۶۰۰۰ میل دور جزیرہ ہوائی (Hawii) میں بھی محسوس کیا گیا تھا۔

۱۷۳۷ء میں ایک لہر کیپ لوپٹکا (Cape Lopatka) کے جنوب میں اٹھی جو دو سو دس فٹ اونچی تھی۔

بخاراتِ آبی | علمائے آب نے اندازہ لگایا ہے کہ ہر سال تمام سمندروں سے چودہ فٹ پانی بادلوں کی صورت میں تبدیل ہوتا ہے۔

سامانِ حیات | سمندر کا پانی ہمیشہ زیر و زبر ہوتا رہتا ہے۔ گرم اوپر آجاتا ہے اور ٹھنڈا نیچے چلا جاتا ہے۔ یہ اس لیے تاکہ اوپر کا پانی ہوا سے آکسیجن لے کر ان حیوانات تک پہنچائے جو سمندر کی تہ میں مقیم ہیں۔

وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ (عنکبوت ۶۰) | بہت سے ایسے جانور ہیں، جو اپنے رزق کے متحمل نہیں ہوسکتے انھیں اور تمھیں اللہ رزق پہنچاتا ہے۔

سمندر کی تباہ کاریاں | سمندروں نے ہماری خشکی پر کس کس طرح دست درازیاں کیں؟

تفاصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) انگلستان کا ریونسپر (Ravenspur) شہر، جس سے دو ممبر پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہُوا کرتے تھے، اب غائب ہو چکا ہے۔

(۲) کارنوال کا علاقہ پہلے ۱۵۰۰۰۰۰ ایکڑ تھا۔ اب "بحری حملوں" سے صرف ۸۲۹۵۰۰، ایکڑ رہ گیا ہے اور تقریباً ۷۰۰۰۰۰، ایکڑ رقبہ آب بُرد ہو چکا ہے۔

(۳) جزیرہ سسلی اور سرزمین اٹلی کا درمیانی حصّہ لیونس (Lyoness) کہلاتا تھا۔ اس میں ۱۴۰ گرجے اور تقریباً اتنی ہی بستیاں موجود تھیں۔ آج یہ خطہ زیرِ آب ہے۔

(۴) ماونٹس بے (Mount's Bay) پہلے خشکی تھی۔ دلیل یہ کہ اس کی تہ سے ہمیں درخت، جنگل اور صحرائی جانوروں کے لاتعداد ڈھانچے ملے ہیں، اس علاقہ پر چودھویں صدی میں پانی چڑھ آیا تھا۔

(۵) شمالی ویلز پر آج سے چھ سو سال پہلے پانی چھا گیا اور چودہ گاؤں غرقاب ہو گئے۔ اس تباہی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہاں ایک دروازوں والا بہت بڑا بند تھا جس پر سیتھنم (Seithenym) نامی ایک محافظ مقرر تھا۔ ایک دن اس نے ضرورت سے زیادہ شراب پی لی اور نشے میں بند کے دروازے کھول دیے، جس سے چودہ بستیاں بہ گئیں۔

(۶) کسی زمانے میں ڈنوچ (Dunwich) مشرقی انگلیا (Anglia) کا دارالخلافہ تھا۔ اس میں ایک ٹکسال، ۵۲ گرجے اور ۲۳۶ مدارس تھے۔ عروجِ روما کے وقت یہ روما کی سلطنت میں شامل تھا۔ بعد میں ہنری دوم کے چالیس جہاز یہاں رہتے تھے۔ ایڈورڈ دوم کے عہد میں اس شہر پر پانی نے حملہ کیا اور ۴۰۰ گھر بہ گئے۔ پھر ۱۵۳۵ء اور ۱۶۰۰ء کے درمیان چار گرجے ڈوب گئے۔ ۱۷۰۲ء میں سینٹ پیٹر کا بڑا گرجا منہدم ہو گیا اور ۱۷۱۲ء میں سارا شہر ڈوب گیا۔ اب یہ شہر شمالی سمندر کے ساحل سے کہیں دُور زیرِ آب ہے۔

(۷) اکلیس (Ecles) ومپرل (Wimperell) شپڈن (Shipden) اور نورفوک (Norfolk) بڑے بڑے قصبے تھے، جو مدت سے ڈوب چکے ہیں۔

(۸) آبرن (Auburn)، ہارٹ برن (Hartburn) اور ہائڈ (Hyde) کی جگہ آج صرف ریت کے ٹیلے دکھائی دیتے ہیں اور بس۔

(۹) فریس لینڈ (Friesland) کا دو تہائی حصہ شمالی سمندر میں غائب ہو چکا ہے۔

(۱۰) جزیرہ ہیلگو لینڈ (Heligoland) جس کا گذشتہ جنگ عظیم میں بڑا چرچا تھا۔ اور جو بقول ایڈم ڈی برمسی (Adam de Bremse) ۱۰۷۲ء میں ۴۰۰ میل لمبا تھا۔ اب صرف ایک میل لمبا رہ گیا ہے۔

(۱۱) ہالینڈ میں آبی تباہ کاریاں اور زیادہ افسوس ناک ہیں۔ یہاں ۱۲۷۰ء میں جھیل ڈالرٹ نمودار ہوئی جس کی وجہ سے بہت سا رقبہ پانی کے نیچے آ گیا۔ ۱۲۸۰ء میں زیڈر (Zaider) دریا میں طغیانی آئی اور بستی ہزار نفوس نہنگ اجل کا لقمہ بن گئے۔ ۱۴۲۱ء میں بہتر اور گاؤں بہ گئے۔ ہالینڈ کے شمال کی طرف تئیس بڑے بڑے جزیرے تیئیسویں صدی عیسوی میں موجود تھے۔ اب یہ چھوٹے چھوٹے دھبے رہ گئے ہیں، جنھیں ریت کے ڈھیر کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

(۱۲) جزیرہ وان گیروج (Wangerooge) جو کبھی ایک نہایت آباد جزیرہ تھا اور ڈیون (Devon) کے علاقے سے بڑا تھا۔ اب ریت کا ایک ٹیلا رہ گیا ہے۔

انگریزوں کی قسمت کا ستارہ ہر پہلو میں عروج پر ہے۔ گذشتہ ہزار سال میں ہالینڈ، جرمنی، اٹلی اور دیگر ممالک کو دریائی دہشت برد سے کافی نقصان پہنچا لیکن انگلستان فائدے میں رہا۔ چند سال ہوئے کہ برطانیہ نے ایک کمیٹی اس غرض کے لیے مقرر کی تھی کہ وہ جزائر برطانیہ کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس رپورٹ کا ملخص یہ تھا:

نام	رقبہ دریا بُرد		رقبہ جو دریا سے نکلا	
(۱) انگلستان اور ویلز	۴۶۹۲	ایکڑ	۳۵۴۴۴	ایکڑ
(۲) سکاٹ لینڈ	۸۱۵	"	۴۷۰۶	"
(۳) آئر لینڈ	۱۱۳۲	"	۶۸۵۳	"

ان اعداد کا ماحصل یہ ہے کہ جزائر برطانیہ میں ہر سال ۱۲۰۰ ایکڑ زمین کا اضافہ ہو رہا ہے۔ انگلستان کے مشہور طوفانی مقرر ایڈمنڈ برق (Admund Burke) نے ایک دفعہ کہا تھا:

Even Gods cannot annihilate space and time.

"کہ خود خدا بھی زمان و مکان کو نابود نہیں کر سکتے"

اگر برق آج زندہ ہوتا اور سمندری تباہ کاریوں کی حکایات سنتا، تو اُسے اپنے اس نظریے پر نظر ثانی کرنا پڑتی۔

سمندر کی گہرائی | انگلینڈ اور امریکہ کے درمیان بعض مقامات بارہ ہزار سے اکیس ہزار فٹ تک گہرے ہیں۔ یہ حصے پہلے خشکی تھے۔ یہاں بعض پہاڑ بیس بیس ہزار فٹ اونچے تھے، جن میں سے ایک لارا (Laura) تھا۔ اس پہاڑ کا ذکر مصر کے قدیم کتبوں میں بھی ملتا ہے۔ آج یہ حالت ہے کہ جہاز اس کی چوٹی پر سے گذر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک اور دس ہزار فٹ اونچا پہاڑ چوسر (Chaucer) آج چھ ہزار فٹ پانی کے نیچے ڈوبا ہوا ہے۔

نیوفونڈلینڈ کے جنوب میں سمندر کی گہرائی اکیس ہزار فٹ (تقریباً چار ہزار میل) اور جزائر شرق الہند (جاوا، سماٹرا وغیرہ) کے مشرق میں دو مقامات پر تیس ہزار فٹ ہے۔

دو ہزار فٹ سے کم گہرائی میں ریت اور معمولی کنکر۔ بارہ ہزار کی گہرائی میں سفید چاک، بارہ ہزار سے چودہ ہزار تک کی گہرائی میں خاکستری چاک اور زیادہ گہرائیوں میں کہیں سرخ مٹی

اور کہیں آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا ملتا ہے۔

نیوزی لینڈ کے شمال میں ایک مقام پر سمندر کی گہرائی ۳۰۷۸۸ فٹ اور جزائر فلپائن کے شمال مشرق میں ایک مقام پر ۳۲۱۰۰ فٹ ہے اور غالباً دنیا کا یہ عمیق ترین حصّہ ہے۔ اگر اس ہولناک کھڈ میں مونٹ ایورسٹ (ہمالہ کی سب سے اونچی شاخ) کو ٹپکا دیا جائے، تو اسے چھونے کے لیے ہمیں تین ہزار فٹ کا گہرا غوطہ لگانا پڑے۔

جاپان اور امریکہ کے درمیان سمندر تقریباً پانچ میل گہرا ہے۔ بہ دیگر الفاظ جاپان کا چھوٹا سا جزیرہ ایک مہلک کھڈ کے عین کنارے پر واقع ہے اور ممکن ہے کہ کبھی کوئی زلزلہ اس ملک کو اٹھا کر ایک چھوٹے سے پتھر کی طرح اس کھڈ میں پھینک دے۔

دنیا کے تمام بڑے بڑے شہر سمندر کے ان بھیانک گڑھوں پر واقع ہیں، جنھیں تباہ کرنے کے لیے معمولی سا زلزلہ کافی ہے۔ مقامِ تعجب ہے کہ یہ لوگ موت کے جس قدر نزدیک ہیں، اللہ سے اُتنے ہی دُور ہیں۔ سچ ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (اعراف ۳۴)

ہر قوم کی تباہی کا ایک وقت مقرر ہے اور جب وہ وقت آ جائے گا تو ایک لمحے کی ڈھیل نہیں دی جائے گی۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ○ (عنکبوت ۶۵)

جب یہ لوگ جہازوں پر سوار ہو کر سمندر کی لہروں میں آ جاتے ہیں تو نہایت خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں اور جب خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ ہوش کے مقام میں کر اللہ کا شریک بنا لیتے ہیں۔

سمندروں میں مینارِ روشنی | بحری گذرگاہوں پر جہاز رانی میں رہنمائی پیدا کرنے کے لیے جا بجا مینارِ روشنی نصب کیے گئے ہیں۔

وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ (نحل ۱۶)

ستاروں کے علاوہ کئی اور علامات بھی ہیں جو رہنمائی کا کام دیا کرتی ہیں۔

اس وقت دنیا میں تقریباً بارہ ہزار مینار روشنی ہیں۔ انگلستان کے اردگرد تین سو ہیں اور امریکہ کے ساحل پر تین ہزار۔ ان میں سے بعض سمندر کے وسط میں چٹانوں پر بنے ہوئے ہیں اور بعض ساحل پر۔

دنیا میں سب سے پہلا مینار اسکندریہ میں آج سے بائیس سو سال پہلے تیار کیا گیا تھا۔ ایک صدی بعد رومنز نے مختلف مقامات پر مینار بنائے۔ ۱۸۰۰ء میں ساحل انگلستان پر صرف پچیس مینار تھے۔ سمندر کے درمیان پہلا مینار ۱۶۹۶ء میں بنایا گیا تھا، جو ۱۷۰۳ء میں دریابرد ہو گیا۔ اٹھارھویں صدی کی ابتداء تک یہ مینار لکڑی سے بنائے جاتے تھے۔ جان سمیٹن (John Semeaton) پہلا انجینئر ہے، جس نے پتھر استعمال کیا۔ ۱۸۱۰ء میں رابرٹ سٹیونسن (Rebert Stenvenson) نے بل راک (Bell Rock) پر (جو انچکیپ (Inchcape) کا حصہ ہے) ایک عظیم الشان مینار بنایا جس پر چار سال اور چھ لاکھ پونڈ صرف ہوئے۔

انیسویں صدی کے آخر تک ایک تیل لارڈ آئل (Lard Oil) ان میناروں میں استعمال ہوتا رہا۔ اس کے بعد انجن کے ذریعے بجلی پیدا کر کے بعض میناروں میں روشنی کا سامان کیا گیا۔ بہت سے میناروں میں ریڈیو سٹ بھی رکھ دیے گئے، تاکہ محافظین (جن کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہوتی) کا دل بہلا رہے۔

بعض میناروں میں بدستور تیل جلتا ہے۔ مثلاً مغربی آسٹریلیا کے جزیرۂ اکلپس (Eclipse) کا مینار۔ اس کی روشنی میں گیارہ لاکھ ساٹھ ہزار موم بتیوں کی طاقت ہے۔

فرانس کا ایک مینار جو کیپ ڈی ہیو (Cape de Heve) میں نصب ہے، بجلی سے روشن ہے اور اس کی روشنی بیس کروڑ پچاس لاکھ موم بتیوں کی طاقت ہے۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں   کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے (اقبال)

سفینے | إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ ...... لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ٥ (بقرہ ۱۶۴)

ارض وسما کی تخلیق، اختلافِ لیل ونہار اور کشتیوں میں جو سمندروں میں چلتی ہیں...... ارباب دانش کے لیے اسباقِ حیات وقوت موجود ہیں۔

فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥ (عنکبوت - ۱۵)

ہم نے نوحؑ اور دیگر کشتی نشینوں کو بچا لیا اور کشتی کو اہلِ عالم کے لیے سبق بنا دیا۔

اِن دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کشتیاں عروجِ ملی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور علماء کا فرض ہے کہ وہ قوم کو جہاز سازی و جہاز رانی کا درس دیں۔ تاکہ اللہ کی یہ آیات ہمارے قیام و استحکام کا وسیلہ بن سکیں:

رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مئے مغانہ (اقبالؔ)

ابتدائے بحر پیمائی | ابتدا میں لوگ سمندر کو دنیا کا آخری کنارہ سمجھتے تھے اور اس میں قدم دھرنے سے ڈرتے تھے۔ ہومر کی تصانیف سے پتا چلتا ہے کہ بارھویں اور تیرھویں صدی (ق م) تک لوگ سمندر سے ڈرتے رہے، اس لیے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ پہلی کشتی کسی جھیل میں ڈالی گئی ہوگی۔ آغاز میں بھاری لکڑیوں اور گھاس کے گٹھوں کو عبورِ آب کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ یہ گیاہی ذرائع دریائے نیل کے بعض مقامات پر آج بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد بڑے بڑے تنوں کو کھوکھلا کر کے استعمال کیا گیا۔ افریقہ کی بعض جھیلوں اور دریاؤں نیز برٹش کولمبیا اور جزائر سلیمان میں آج تک کھوکھلے تنے استعمال ہو رہے ہیں۔ رابنسن کروسو نے ایک کھوکھلے تنے کو بطور کشتی استعمال کرنا چاہا، لیکن گھسیٹ کر پانی تک نہ لا سکا۔ ۱۹۰۴ء میں برٹش کولمبیا کی ایک جماعت نے ایک کشتی تیار کی جس سے کپتان واس (Voss) نے تین سال میں تمام دنیا کا چکر کاٹا۔ دریائے

دجلہ میں ایک بڑے ٹوکرے پر چمڑہ چڑھا کر اُسے بطور کشتی استعمال کرتے ہیں۔ اس میں بیک وقت بیس آدمی سوار ہو سکتے ہیں۔

قدیم جہاز راں | قدیم تاریخ کی سب سے بڑی کشتی حضرت نوحؑ نے تیار کی تھی، جو ۴۵۰ فٹ لمبی، ۷۵ فٹ چوڑی، ۴۵ فٹ اونچی اور پندرہ ہزار ٹن بھاری تھی۔

۲۰۰۰ ق م میں فنیقیون نے ایسی کشتیاں تیار کیں، جن کے ذریعے وہ نہ صرف بحیرۂ روم کے ساحلی شہروں سے تجارت کرتے تھے۔ بلکہ جنوب میں ساحلی افریقہ اور شمال میں کارنوال تک جاتے تھے۔

فنیقیون سے پہلے جزیرہ کریٹ (Crete) بحری مرکز تھا اور ان سے بھی صدیوں پہلے اہل اطلانطس[1] جہاز رانی میں ماہر تھے۔ فنیقیون کے بعد کارتھیج مشہور ملاح ہو گذرے ہیں۔ ارسطو کہتا ہے کہ یہ لوگ پہلے جہاز ساز تھے، جن کے جہازوں کے ساتھ آٹھ آٹھ چپو تھے۔

ہمیں مصر کے بعض قدیم مقبروں پر جہازوں کی تصاویر ملی ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں پروفیسر فانڈرس پٹری (Flendera Petrie) نے ریقہ کے ایک مقبرے پر سے ایک ایسی تصویر کا عکس لیا، جو سلاطین مصر کے بارھویں سلسلے یعنی ۲۰۰۰ ق م سے تعلق رکھتی تھی۔ اسی شکل کی بعض کشتیاں ساحل ملایا تک پہنچیں اور دریائے نیل کے بعض حصوں میں استعمال ہو رہی ہیں۔ یہ کشتیاں تقریباً ۹ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتی تھیں۔

---

[1] جرمنی کے ایک محقق نے ثابت کیا ہے کہ آج سے بہت پہلے افریقہ و امریکہ باہم ملے ہوئے تھے۔ درمیانی خطہ مملکت اطلانطس کہلاتا تھا، جو کسی زلزلے وغیرہ کی وجہ سے ڈوب گیا۔ یہ محقق کہتا ہے کہ مصر کی طرح میکسیکو سے بھی اہرام برآمد ہوئے ہیں۔ نیز افریقہ کے مغربی اور امریکہ کے مشرقی ساحل کی تہذیبوں میں کئی مشابہت ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں براعظم پیوستہ تھے اور ان پر کسی ایک قوم کی حکومت تھی، جس کے آثار تمدن کچھ افریقہ اور کچھ امریکہ میں ملتے ہیں۔ (برق)

۱۸۶۱ء میں اسی قسم کی ایک کشتی نپولین سوم نے بنائی، جو ۱۲۰ فٹ لمبی اور سترہ فٹ چوڑی تھی۔ اس کا نمونہ پیرس کے عجائب خانہ لووری (Louvere) میں موجود ہے۔

ارتقاء۔ کچھ مدت بعد کشتی کے بعض حصوں میں لوہا استعمال ہونے لگا۔ اس قسم کے جہاز پہلی مرتبہ ایرانیوں اور پیلو پونیسینز (Peloponnessians) کی جنگ میں استعمال ہوئے تھے۔ پھر جنگ ایکٹیم (Actium) میں انٹنی نے ایسے جہاز استعمال کیے جن کے ساتھ بیس بیس چپّو تھے اور جن جہازوں میں بادشاہ یا امیرالبحر سوار ہوتا تھا، اُن کی رسّیاں اور چپّو رنگ دار ہوتے تھے۔ ان جہازوں کے بقیۃ الآثار جھیل نیمی Lake Nem سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کے بعض حصے تانبے اور سکّے سے تیار کیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک جہاز ۹۰ فٹ اور دوسرا ۴۵۰ فٹ لمبا تھا۔ یہ تجارتی جہاز تھے جن میں ۵۰۰ ٹن غلّہ سما سکتا تھا۔ جنگی جہاز قدرے چھوٹے ہوا کرتے تھے۔

جب روم کا مشہور بادشاہ جولیس سیزر گال (Gaul) پر حملہ آور ہوا، تو ساحلِ انگلستان پر چند جہاز دیکھ کر کہنے لگا کہ "یہ جہاز ہمارے جہازوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔ بحرِ اوقیانوس کی سطح بحرِ روم کے مقابلے میں زیادہ متلاطم رہتی ہے۔ یہاں صرف مضبوط جہاز ہی کام دے سکتے ہیں۔ یہ برطانوی جہاز کھوکھلے تنوں سے تیار کیے گئے تھے۔ آج سے پچاس سال پہلے ایک دوسری قسم کا جہاز لنکن شائر میں برگ (Briggs) کے پاس ملا، جو ساڑھے اڑتالیس فٹ لمبا اور چھ فٹ چوڑا تھا۔ یہ ایک ایسے تنے سے تیار ہوا تھا جس کا محیط ۱۸ فٹ تھا۔ یہ جہاز زمانہ حجری (۲۰۰۰ ق م) سے تعلق رکھتا ہے۔ ان لوگوں نے پتھروں سے اتنا بڑا درخت گرا کر کیسے کھوکھلا کیا ہوگا، ہنوز ایک معمّا ہے۔

جب سیزر نے ۵۴ ق م میں وینیٹی (Veneti) قوم پر حملہ کیا اور ان کے زنجیروں سے بندھے ہوئے بڑے بڑے جہاز دیکھے، تو کہنے لگا:

"ہمارے جہاز اُن کے مقابلے میں کھلونے ہیں"

نارسمین (Norsemen) اپنے سرداروں کو مرنے کے بعد دو طرح رخصت کیا کرتے تھے: لاش کو جہاز میں رکھ کر اور اُسے آگ لگا کر سمندری لہروں کے حوالے کر دیتے۔ یا اس جہاز کو ساحل کے پاس لاش سمیت دفن کر دیتے۔ ۱۸۸۰ء میں سینڈف جورڈ (Sandef-Jord) کے پاس اس قسم کا ایک جہاز برآمد ہوا، جو ۷۹ فٹ لمبا، ۱۶ فٹ چوڑا اور ۵۶۰ من وزنی تھا۔

ایک مرتبہ اہلِ ڈنمارک نے اپنے جہازوں کی بدولت تمام انگلستان کو فتح کر لیا تھا۔ الفریڈ نے کچھ عرصے کے بعد ایک جنگی بیڑا تیار کر کے اہلِ ڈنمارک کو شکست دی۔ ان کے چھے جہاز پکڑ لیے اور اٹھارہ ڈبو دیے۔ الفریڈ برطانوی جہازوں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے۔

۱۱۷۰ء میں اہلِ انگلستان نے ایک ایسا جہاز تیار کیا جس میں ۴۰۰ آدمی سفر کر سکتے تھے۔ رچرڈ پہلا فرماں روا ہے جس نے جہازوں کے متعلق ایک ضابطۂ قوانین تیار کیا۔ اس کے پاس ۲۰۳ جہاز تھے۔ کنگ جان نے ملاحوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور جب ایڈورڈ سوم نے کیلے کا محاصرہ کیا، تو اس کے بیڑے میں ۷۰۰ جہاز اور ۱۴ ہزار ملاح تھے۔ جہازوں کا وزن ۷۰۰ اور ۱۰۰۰ ٹن کے درمیان تھا۔

جہازوں میں پہلے منجنیق ہوا کرتے تھے۔ پندرھویں صدی میں توپیں لگ گئیں۔ ہنری ہفتم نے دو ایسے جہاز تیار کرائے جن میں سے ہر ایک کے اندر ۲۲۵ توپیں تھیں۔ ہنری کے عہد میں وہ مشہور جہاز سینٹا ماریا تیار ہوا جس میں سفر کر کے کولمبس نے نئی دنیا تلاش کی تھی۔ ملکۂ الزبتھ کے عہد میں آرک رائل (Ark Royal) تیار ہوا۔ اس میں تین قطب نما اور ۴۰۰ ملاح تھے۔ سترھویں صدی کے آخر میں یورپ

کی تمام اقوام کا بیڑا بیس لاکھ ٹن تھا (اور آج صرف انگلستان کے پاس ۱۵ کروڑ ٹن وزن کے جہاز موجود ہیں جس میں سے ہالینڈ کے پاس نولاکھ، انگلستان کے ہاں پانچ لاکھ اور فرانس کے پاس صرف ایک لاکھ ٹن تھے۔

بہ دیگر الفاظ آج سے دوسَو سال پہلے انگلستان ایک کمزور ترین ملک تھا۔ بہادر، جواں مرد اور جفاکش انگریزوں نے اسے مہیب ترین سلطنت بنا ڈالا۔ دوسری طرف ہم آج سے چند سو سال پہلے ایک مہیب ترین قوم تھے۔ ہمارے نااہلوں، سست کوشوں، عیاشوں اور وظیفہ خوانوں نے ہمیں تباہ کر کے رکھ دیا لیکن دماغوں میں محبوبِ خدا ہونے کا گھمنڈ بدستور باقی ہے، دنیا کے کسی کونے میں جائے پناہ نہیں ملتی۔ ضاقت علیہم الارض بما رحبت (زمین آج ان پر کشادہ ہونے کے باوجود تنگ کر دی گئی ہے) لیکن خیر سے خیر الاُمم ہونے کے بدستور مدعی ہیں:

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل	یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست	یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

(اقبالؒ)

آہ! کبھی وہ زمانہ بھی تھا کہ بحر و بر میں ہماری طاقت کی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ سلاطینِ زمانہ ہمارے نام سے لرز جاتے تھے۔ بڑے بڑے سرکشانِ گیتی آستانِ خلافت پر جبیں گھسا کرتے تھے۔ یورپ ہمارا غلام بن کر اٹھتا تھا۔ مصر و شام کو ہماری حکومت پر ناز تھا۔ ہم جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے، اقوام و ممالک کی تقدیریں بدل جاتی تھیں اور ہماری ضربِ شمشیر سے مشرق و مغرب لرزہ براندام تھے، لیکن آج صرف نحوست، فلاکت اور ادبار ہے۔ جنت کا نشہ اور شفاعت کا خمار ہے۔ وظیفوں کا پندار اور تسبیحوں کا گھمنڈ ہے۔ مردِ مومن! سوچ، جاگ، دیکھ، اُٹھ، بڑھ کہ رحمتیں بدستور تیری منتظر ہیں۔ قوت کا سامان ڈھونڈ کہ ضعف موت ہے۔ حقیقت پہچان کہ اس

نادانی میں تو لٹ گیا:

تیری زمیں بے حدود، تیرا افق بے ثغور
تیرے سمندر کی موج، دجلہ و ڈینیوب و نیل

ساقیٔ ارباب ذوق، فارس میدانِ شوق
بادہ ہے تیرا رحیق، تیغ ہے تیری اصیل

مردِ سپاہی ہے تو، تیری زرہ لاالٰہ
سایۂ شمشیر میں تیری پنہ لا الٰہ «اقبال»

رجوع بہ مطلب | ۱۶۹۲ء میں فرانس نے انگلستان پر حملہ کرکے اس کی جہازی طاقت فنا کردی، لیکن باہمت انگریزوں نے صرف نو سال میں ۲۸۱ نئے جہاز بنا لیے۔ دوسری طرف دیکھیے کہ مسلمان ایران پر ۱۳۴۱ سال سے قابض ہیں اور اس تمام زمانے میں یہ شیدایانِ حسین ایک لکڑی کی کشتی بھی تیار نہ کرسکے۔ جاہل مجتہدوں، نااہل ملاؤں، شکم پرست واعظوں اور بے بصیرت پیروں نے انھیں ہمیشہ یہی سمجھایا ہوگا کہ محرم کے دن ایک آنسو ٹپکانے سے آپ کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس لیے تمام سال عیش اڑائیے، رکنا باد کے کنارے محفلیں جمائیے، ساقیٔ مہوش کے خالِ سیاہ پر سمرقند و بخارا قربان کرڈالیے اور ساز و چنگ کے ساتھ گائیے:

پدرم خلد بہ یک دانۂ گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بجوئے نفروشم «حافظ»

جہاز بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ دنیا میں کسے ہمت ہو سکتی ہے کہ وہ حسین کے پیاروں اور علی کے قلندروں پر حملہ کرسکے؟ اس قوم کے ساتھ ۱۹۴۱ء میں جو کچھ ہوا، دنیا دیکھ چکی ہے۔

دُخانی جہاز | سب سے پہلی دُخانی کشتی ۱۷۰۷ء میں جو ڈینس پاپن نے بنائی لیکن پوری کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ نقائص باقی رہ گئے تھے۔ ۱۸۰۷ء میں ایک امریکی موجد رابرٹ فلٹن نے ایک سٹیم کشتی بنائی، جو ہوا کے خلاف ساڑھے چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلی۔

اسی موجد نے ۱۸۱۸ء میں پانچ سو ٹن کا ایک دخانی جہاز بنایا جس پر ۲۲ ہزار پونڈ خرچ ہوئے۔ اس کے بعد دخانی جہاز اس قدر مقبول ہوئے کہ صرف ۱۸۳۶ء میں جس قدر جہاز انگلستان کی بندرگاہوں پر بغرضِ تجارت پہنچے تھے، اُن میں تیرہ ہزار دُخانی تھے۔ اطمینان فرمائیے کہ ان میں اسلامی سلطنتوں کا ایک جہاز بھی شامل نہ تھا۔ اس لیے کہ مسلمان یا تو "ذکرِ خدا" اور یا پرستشِ صنم میں مصروف تھے۔ ان غریبوں کو جہاز سازی کی فرصت کہاں تھی اور ضرورت بھی کیا تھی۔ بھلا کسی کی شامت آئی تھی کہ خدا کے پیاروں پر حملہ کرنے کی ہمت کرتا جس اللہ نے مکّہ و کفارِ مکّہ کو بچانے کے لیے ابابیلوں سے ابرہہ کے پرخچے اُڑا دیئے تھے، وہ ایران و عرب کے مسلمانوں پر حملہ کرنے والوں کا تو خدا جانے کیا حال بنائے گا۔

فَذَرْهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۞ (انعام - ۱۱۱) | انھیں اپنی گمراہی میں بھٹکنے دو۔

کاش کہ اس قدر مار کھانے کے بعد بھی مسلمان یہ سمجھ جاتا کہ اللہ بدعمل اقوام کو مٹانے میں نہایت بے نیاز واقع ہوا ہے:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۞ (آل عمران ۹۶) | اگر کوئی نا اہل، کام چور اور قانون شکن بن جائے تو یاد رکھو کہ ہمارا کسی قوم سے کوئی خاص رشتہ نہیں ہے، غنی، اور ہم نا اہلوں کو مٹانے میں بہت دلیر واقع ہوئے ہیں۔

تو تعمیرِ مستقبل کی کوئی صورت نکل سکتی تھی، لیکن اس کج فہم قوم کا کج دماغ مُلّا ہر روز مغفرت، شفاعت اور تسبیح و تہلیل کے وہ سہ آتشہ جام قوم کو پلاتا ہے کہ اُمید بہوش معلوم:

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی (اقبالؔ)

رجوع بمطلب اہلِ انگلستان نے ۱۸۶۸ء میں چار ہزار ٹن کا ایک ایسا تیز رفتار جہاز تیار کیا جس نے بحرِ اوقیانوس کو چار دن اور سترہ گھنٹوں میں عبور کر لیا۔ ۱۹۳۳ء میں فرانس نے ۷۰ ہزار ٹن کا ایک جہاز بنایا۔ اسی سال انگریزوں نے ۷۳ ہزار ٹن کا ایک جہاز تیار

گیا،جس کے انجن میں ۸۰ ہزار گھوڑوں کی طاقت تھی۔ ایک اَور جہاز اولمپک کی لمبائی ۸۵۲ فٹ، چوڑائی ۹۲، اور اونچائی ۱۷۵ فٹ تھی۔ اس میں نوّے ہزار گھوڑوں کی طاقت کا انجن لگا ہُوا تھا اور اس پر ۸۶۰ ملّاح کام کرتے تھے۔

یہ ہے وہ طاقت، جس کی بدولت اقوام زندہ رہ سکتی ہیں اور یہی وہ آیات ہیں جن سے زندہ اقوام کا ایمان زندہ رہتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ - (شوریٰ ۳۰) | سمندر کی سطح پر کوہ پیکر جہاز اللہ کی آیات ہیں۔

کم کوش کاہل مسلمان ان آیات سے غافل ہو کر بیٹھ رہا ہے۔ سلطان ابن سعود کے پاس بندرگاہیں تو ہیں، لیکن ایک کشتی تک کہیں نظر نہیں آتی۔ خلیج فارس میں ایرانیوں کا کوئی ٹوٹا ہُوا جہاز بھی نہیں ملتا۔ بحیرۂ روم و قلزم میں مصریوں کی کوئی دخانی کشتی تک دکھائی نہیں دیتی۔ انصافاً کہو کہ ان نااہل اقوام کو جو دانت کے بدلے دانت نہیں توڑ سکتیں، زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل ہے؟

اللہ نے ہمیں قوت وہیبت کا بارہا درس دیا تھا:

۱۔ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً (توبہ ۱۲۳) | تم دنیا میں یوں رہو کہ لوگ تمھاری تندی کو محسوس کریں۔

۲۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (فتح ۲۹) | خدائی سرکشوں کے ساتھ سخت بنو۔

۳۔ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ (حدید ۲۵) | ہم نے فولاد بھیجا، جو ایک ہیبت دیتا ہے [illegible] شوکت ہو

۴۔ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ (شوریٰ ۳۱) | جہاز اللہ کی آیات ہیں۔

۵۔ ..... مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال ۶۰) | تم اپنے اندر وہ قوت پیدا کرو اور تمھاری چھاؤنیوں میں گھوڑے تمھارے سامنے بندھے ہوئے ہوں کہ تمھارے دشمن اور اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔

لیکن ہم ان اسباق کو بھول گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا کا سب سے بڑا عمل دو نفل ہیں، سب سے بڑا جہاد مسجد کے تاریک گوشے میں اَللّٰہُ کی گردان ہے اور ان معادن و مخازنِ ارضی کا استعمال

نہ تو مستحب ہے اور نہ مستحسن، بلکہ خلاف اسلام ہے، متاع غرور ہے، فانی ہے، یہ ہے، وہ ہے۔ دیکھا آپ نے کہ اس "متاع غرور" کے ترک سے ہم کیوں کر تباہ ہوئے اور ہماری شوکت کی لذیذ داستان کس طرح افسانۂ پارینہ بن کر رہ گئی۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (صافات، ۲۱) یہ ہے تمہارے اعمال کے فیصلے کا دن جسے تم جھٹلایا کرتے تھا۔

پانی کے جانور | سمندر میں نمک کیوں ہے؟ یہ سوال علمائے طبیعی کے ہاں صدیوں زیر بحث رہا۔ حال ہی میں ایک مغربی عالم نے اس کی ایک دل چسپ وجہ بیان کی ہے۔ نمک میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گوشت کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ قدیم مصری قوم اپنے فرماں رواؤں کی لاشوں کو نمک سود کر دیتے تھے تاکہ قبروں میں گل سڑ نہ جائیں۔ ہم اپنے گھروں میں بھی آئے دن رات کے گوشت کو تبح تک محفوظ رکھنے کے لیے نمک لگا دیا کرتے ہیں۔

چوں کہ سمندر میں ہر روز کروڑوں مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کی موت واقع ہوتی رہتی ہے اور ایام جنگ میں ہزاروں انسان سمندر کی بھینٹ چڑھتے ہیں، اس لیے اللہ نے سمندر کو تعفن سے محفوظ رکھنے کے لیے نمک کی بے شمار مقدار پانی میں شامل کر دی۔

اگر خشکی کے کسی جانور کو پانی میں پھینک دیا جائے، تو وہ گل سڑ جاتا ہے۔ قدرت کا کمال ملاحظہ فرمایئے کہ سمندر میں کروڑہا آبی جانور موجود ہیں اور وہ گلنے سڑتے نہیں، بلکہ ہر وقت تازہ رہتے ہیں۔ اللہ نے اس معجزۂ تخلیق کی طرف یوں متوجہ فرمایا ہے:

وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا اور تم ہر دو سمندروں سے تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔

ماہی گیری | ابتدائی انسان سمندروں کے کنارے پر آباد تھے اور مچھلیوں سے گذر اوقات کیا کرتے تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم عدن کے ایک باغ میں رکھے گئے تھے جب وہاں سے نکالے گئے تو غالباً انھوں نے بحیرۂ قلزم کا رخ کیا ہوگا اور اس مقام پر آئے ہوں گے، جہاں آج جدہ آباد ہے اور ممکن ہے کہ مکہ میں بھی پہنچے ہوں۔ تاریخ مکہ میں درج ہے کہ سب سے

پہلے آدم علیہ السلام نے کعبہ بنایا۔ یہ روایت صحیح ہے یا غلط، مورخ ہماری رہنمائی نہیں کر سکتا۔ ہاں مختلف سیاحوں نے ہمیں اتنا بتلایا ہے کہ جدّہ میں جناب حوّا علیہا السلام کی قبر موجود ہے اور جدّہ کا نام اس حقیقت پہ شاہد ہے۔ جدّہ عربی زبان میں دادی کو کہتے ہیں۔ چوں کہ یہاں نوع انسان کی دادی کی قبر تھی، اس لیے یہ مقام جدّہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ علمائے نوع انسانی کا خیال ہے کہ حضرت آدم بھی عموماً مچھلیوں پر گذر اوقات کرتے ہوں گے۔

ابتدا میں لوگ تیر و کمان سے مچھلی کا شکار کھیلتے تھے۔ اس کے بعد جال اور پھر کانٹا ایجاد ہوا۔ اہل روم و یونان پہلی اقوام ہیں، جو مچھلیوں کو برسوں محفوظ رکھنے کا طریقہ جانتی تھیں اور دُور و دراز ممالک کے ساتھ تجارت کیا کرتی تھیں۔ رفتہ رفتہ انگلستان نے ماہی گیری میں شہرت حاصل کی۔ سنہ ۱۷۵۷ء میں انگلستان کے ۵۰۰ جہاز ماہی گیری میں مصروف تھے جو شکار کے لیے ساحل سے چھ سو میل دُور نکل جاتے تھے اور تیس لاکھ پونڈ سالانہ ماہی گیری سے وصول کرتے تھے۔ کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک دوسرے کے ہاں مچھلیاں پکڑنے پر برسوں جنگ رہی۔ آخر ۱۸۱۸ء میں معاہدہ واشنگٹن ہوا جس کی رُو سے ان ممالک کو ایک دوسرے کے ہاں ماہی گیری کی اجازت مل گئی۔

چوں کہ کینیڈا کی مچھلی زیادہ اچھی ہوتی ہے، اس لیے پھر لڑائی چھڑ گئی اور سنہ ۱۸۷۷ء میں برطانیہ اور امریکہ سے پچپن کروڑ پچاس لاکھ پونڈ معاوضہ لے کر کینیڈا کے پانی میں صید ماہی کی رعایت دے دی۔ لیکن سنہ ۱۹۰۸ء میں پھر کسی امر پہ اختلاف ہو گیا اور امریکہ اس رعایت سے محروم کر دیا گیا۔

ماہی گیروں نے برطانوی بیڑے کو دنیا کا عظیم ترین بیڑا بنا دیا ہے۔ یہ ملاح چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ساتھ سمندر کی مہیب موجوں میں شکار کھیلتے ہیں۔ یہ اوقیانوس کے چپے چپے سے واقف ہیں، انھیں علم ہے کہ چٹانیں کہاں ہیں اور دیگر خطرناک مقامات کس طرف ہیں

اور آج بھی لوگ برطانوی بیڑے میں ملّاحی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مختلف ممالک میں ماہی گیروں کا تناسب :-

۱۔ انگلستان ——— ہر ۱۱۲ آدمیوں میں سے ایک ماہی گیر ہے۔

۲۔ آئرلینڈ ——— ہر ۲۰۰ آدمیوں " " "

۳۔ سکاٹ لینڈ ——— ہر ۶۷ آدمیوں " " "

۴۔ ناروے ——— ہر ۱۶ آدمیوں " " "

جاپان ماہی گیری میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہاں ہر سال ایک کروڑ اسّی لاکھ پونڈ کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ چند دیگر ممالک کے اعداد یہ ہیں :

۱۔ امریکہ ——— ایک کروڑ ستّر لاکھ پونڈ

۲۔ فرانس ——— ایک کروڑ پچھتر لاکھ پونڈ

۳۔ انگلستان ——— ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ

دنیا میں ہر سال بیس کروڑ پونڈ کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ اگر ایک پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہو، تو یہ رقم تین ارب روپیہ بنتی ہے، جو مرکزی حکومتِ ہند کے سالانہ محاصل سے دوچند ہے۔ صیدِ ماہی کے لیے جو کشتیاں استعمال ہوتی ہیں، اُن کو ٹرالر کہا جاتا ہے اور اُن کے ساتھ ۱۳۰ فٹ لمبے، ۱۰۰ فٹ چوڑے اور ۲۵ فٹ گہرے جال ہوتے ہیں۔ یہ ٹرالر معمولی بادبانی جہازوں سے اسّی گُنا زیادہ مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ایسے ٹرالر برطانیہ کے پاس تقریباً ۱۰۰۰، جرمنی کے ہاں ۵۰۰، فرانس کے پاس ۳۰۰، ڈنمارک، ہالینڈ اور بلجیم کے پاس کُل ۴۰۰ ہیں۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں صرف انگلستان نے اٹھارہ لاکھ بارہ ہزار پانچ سو مَن مچھلی پکڑی تھی۔

یہاں شاید یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ دنیا میں اسلامی سلطنتوں کا بھی ہے جو تمام کی تمام سمندروں کے سواحل پر واقع ہیں لیکن ان لوگوں نے کبھی کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔

بیچارے کریں کیا، کم بخت پکڑائی نہیں دیتیں، بھاگ جاتی ہیں۔

وہیل مچھلی | وہیل پانی میں مُنہ کھول کر تیرتی ہے جب اس "سرنگ" میں کئی جانور داخل ہو جاتے ہیں، تو مُنہ کو بند کر لیتی ہے۔ ایک وہیل کی چربی سے اتنا تیل نکلتا ہے کہ اٹھارہ اٹھارہ سیر کے دو سَو پچھتّر ٹین بھر جاتے ہیں۔

وہیل پکڑنے کی کشتیاں خاص قسم کی ہوتی ہیں، جن کی تعداد کچھ عرصہ پہلے مختلف ممالک کے پاس یہ تھی:

سال	ملک	تعداد	سال	ملک	تعداد
۱۶۸۰ء	ہالینڈ	۲۶۶	۱۸۴۹ء	امریکہ	۶۷۸
۱۸۱۵ء	برطانیہ	۱۶۴	۱۹۴۲ء	اسلامی سلطنتیں۔	سکیم زیرِ غور ہے ؟ ؟ ؟

۱۸۹۵ء میں ایک جہاز آرکٹک (Arctic) نے دس وہیل مچھلیاں پکڑیں جن کی ہڈیاں چودہ من نکلیں، جو بیس ہزار پونڈ میں فروخت ہوئیں اور ان کی چربی سے ۲۵۲۰ من تیل نکلا۔

وہیل گھنٹہ بھر سانس لیے بغیر پانی کی تہ میں رہ سکتی ہے۔ جب شکاری دُور سے وہیل کو دیکھ پاتے ہیں، تو دَوڑ کر پاس آ جاتے ہیں۔ جُونہی کہ یہ سانس لینے کے لیے دوبارہ سر باہر نکالتی ہے۔ تو شکاری توپ سے فائر کر دیتے ہیں۔ گولہ (جو مضبوط تاروں سے جہاز کے ساتھ بندھا ہُوا ہوتا ہے) وہیل کے جسم میں گھُس جاتا ہے۔ یہ بدک کر بھاگ نکلتی ہے اور کئی سَو میل تک جہاز کو بھی گھسیٹے لیے پھرتی ہے۔ شکاری لگاتار فائر کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ نڈھال ہو کر رہ جاتی ہے۔

وہیل کے چمڑے سے مشینوں کے پٹے بنتے ہیں اور خون سے کھاد کا کام لیا جاتا ہے مسلمانوں کو وہیل کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ نہ ان کے پاس مشینیں ہیں اور نہ اتنی "بلند مزاج" زمینیں۔

جنوبی افریقہ میں آج کل سولہ وہلیں روزانہ پکڑی جاتی ہیں اور ان کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ ایک

ویل ایک وقت میں ایک ہی بچہ دیتی ہے اور وہ پچاس سال میں جوان ہوتا ہے۔ ہر ویل کم از کم اسّی فٹ لمبی اور ساٹھ فٹ موٹی ہوتی ہے۔

دریائی سانپ | ڈڈیلیس (Deadalus) جہاز کے کپتان نے ۱۸۴۸ء میں ایک ساٹھ فٹ لمبا سانپ دیکھا۔ ۱۸۷۲ء میں سسلی کے پاس اسبورنی (Osborne) جہاز کے کپتان نے ایک سانپ دیکھا جس کی پیٹھ پندرہ سے بیس فٹ تک چوڑی تھی۔ اور اس کا جسم پچاس فٹ تک نظر آرہا تھا۔ ۱۸۷۸ء میں امریکہ کے ایک جہاز ڈورفٹ (Drift) کے ملاحوں نے کیپ کاڈ (Cope Cod) کے پاس ایک سانپ دیکھا جو پانی سے اُبھرا اور چالیس فٹ سیدھا کھڑا ہوگیا۔

عجائبات | برٹش سٹار فش (ایک قسم کی مچھلی) ایک سال میں بیس کروڑ انڈے دیتی ہے۔

۲۔ ناروہل کا ایک دانت چھ فٹ لمبا ہوتا ہے

۳۔ کچھوے کی عمر تقریباً سو سال ہوتی ہے۔

۴۔ پیلو ایک بیس فٹ لمبے سانپ کا نام ہے۔ یہ ساحلی پہاڑوں میں رہتا ہے۔ ہر سال اکتوبر میں ساحل پر آکر کسی چٹان کو مُنہ سے پکڑ لیتا ہے اور اپنی لمبی دُم کو پانی پر پھیلا دیتا ہے۔ لہروں کے ہچکولوں سے یہ دم ٹوٹ جاتی ہے۔ اس میں انڈے ہوتے ہیں جو کہیں دُور جا کر بچے بن جاتے ہیں۔ اس کا زخم مندمل ہو جاتا ہے اور دوسرے سال پھر اس مشق کا اعادہ کرتا ہے۔

۵۔ بحرِ چین کی ایک مچھلی میں یہ خوبی ہے کہ اگر کوئی اُسے کھالے تو ہنستے ہنستے مرجاتا ہے۔ اس مچھلی کی فروخت ممنوع ہے۔ قدیم زمانے میں جب کسی امیر کو موت کی سزا دی جاتی تھی، تو اُسے یہ مچھلی کھلائی جاتی تھی۔

۶۔ ایک مچھلی ایسی بھی ہے جس کی دُم موم بتی کی طرح جلاتی ہے اور اس میں سے ۵۰۰

موم بتیوں کی روشنی نکلتی ہے ۔

۷۔ مچھلی کے جسم میں ایک پمپ لگا ہوتا ہے جب وہ ہوا کو اندر کھینچتی ہے تو پانی سے ہلکی ہو کر سطح پر آجاتی ہے اور جب ہوا کو خارج کر دیتی ہے، تو بھاری ہو کر نیچے چلی جاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام نے کشتی بنا کر اپنی قوم کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً زندگی کا سبق دیا تھا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا۔
(شوریٰ۔ ۱۱)

ہم نے تمھیں وہی (قوت اور ہیبت والا) دین عطا کیا ہے جو نوحؑ کو دیا تھا۔

لیکن کسی نے فائدہ نہ اٹھایا۔ قوم نوحؑ کو مٹا دیا گیا اور قوم محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) پٹ رہی ہے۔

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ
اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ
اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا
مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝
ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝
(مومنون۔ ۲۷ تا ۳۱)

ہم نے نوحؑ کو کہا تھا کہ ظالموں کی سفارش ہمارے ہاں مت کرنا کہ وہ غرق ہو کر رہیں گے۔ جب تم اور تمھارے ساتھی جہاز میں سوار ہو جائیں تو سب کہو "اس اللہ کا شکر ہے، جس نے ظالموں سے ہمیں نجات دلائی اے رب! اب ہمیں کسی مبارک مقام پر اتارنا۔" نوحؑ کے اس واقعہ میں کچھ اسباق پنہاں ہیں۔ قوموں کو ابتلاء میں ڈالنا ہمارا کام ہے اور آئندہ بھی ہم مسلمانوں کو بھی اس ابتلاء میں ڈالیں گے۔ اگر ان لوگوں نے سمندر پر قبضہ کر کے نجات حاصل کر لی تو فبہا، ورنہ ہم اسے مٹا ڈالیں گے جس طرح کہ قوم نوحؑ کو مٹا دیا تھا اور ہم نے قوم نوحؑ کا وارث ایک اور قوم کو بنا دیا تھا۔

باب (۷)

صحیفۂ فطرت کے چند اور اوراق

آغازِ تخلیق | اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے:

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ۔ (عنکبوت ۲۰)	اے رسولؐ! مسلمانوں کو حکم دے کر وہ زمین کے مختلف شواہد کا معاینہ کرنے کے بعد آغازِ آفرینش کا کھوج لگائیں۔

علمائے فطرت کا خیال ہے کہ آغاز میں ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔ یہ دھواں دراصل وہ ترکیبی عناصر تھے جن سے آسمان، ایتھر وغیرہ تعمیر ہوئے۔ آفتاب و دیگر کواکب کی تشکیل کے بعد ایک بہت بڑا ستارہ سورج کے قرب وجوار سے گذرا۔ زورِ کشش سے ایک ٹکڑا علیٰحدہ ہوگیا، جو تقریباً ساڑھے نو کروڑ میل دور جا کر گھومنے لگا۔ اس ٹکڑے کا نام زمین ہے۔ یہ زمین آغاز میں پگھلے ہوئے لوہے کی طرح تھی۔ ہزارہا صدیوں کے بعد قشرِ زمین ٹھنڈا پڑ گیا، لیکن اندر سے زمین بدستور ویسی ہی گرم ہے۔

اگر ہم زمین کے اندر اترنا شروع کر دیں، تو ہر تیس میٹر (میٹر = ۳۹ انچ) کے بعد زمین کا درجۂ حرارت ایک کے حساب سے بڑھتا جائے گا۔ ۳۰۰ میٹر کی گہرائی میں درجۂ حرارت دس ہوگا۔ ۳۰۰۰ کی گہرائی میں سو اور تیس ہزار کے عمق میں ایک ہزار تک پہنچ جائے گا جب زمین سورج سے الگ ہوئی تھی: اس وقت اس کا درجۂ حرارت دس ہزار سے اوپر تھا۔ بیس لاکھ سال کے بعد قشرِ زمین جس کی موٹائی ۹۳۰ گز ہے، ٹھنڈا ہو گیا اور زمین مختلف مدارج طے کرنے لگی۔

درجۂ اولیٰ میں معادن کی تکوین ہوئی۔ یہ معادن پہلے دُخانی صورت میں ہر سُو پریشان تھے۔ درجۂ ثانیہ میں طوفان آئے اور زلازل کی بدولت پہاڑ تعمیر ہوئے۔ حالتِ سوم میں نباتات کا آغاز ہُوا اور حالتِ چہارم میں زندگی نے جنم لیا۔

سونے اور چاندی کے مبہم | مختلف معادن کو گیسی صورت میں تبدیل کرنے کے لیے مختلف درجہائے حرارت کی ضرورت ہے۔ مثلاً:

۱۔ سکّے کو گیس میں تبدیل کرنے کے لیے ۲۲۶ درجۂ حرارت درکار ہے۔

۲۔ المونیم	″	″	″	۲۶۵	″	″
۳۔ چاندی	″	″	″	۹۰۴	″	″
۴۔ تانبے	″	″	″	۱۰۵۴	″	″
۵۔ سونے	″	″	″	۱۰۷۵	″	″

جب زمین سورج سے علیحدہ ہوئی تھی تو بہت گرم تھی نتیجۃً یہ معادن بار بار گیس بن کر فلاک کی طرف اُٹھتیں۔ خنک فضاؤں میں پہنچتے ہی دوبارہ زمین پر ٹپک پڑتیں اور پھر گیس میں تبدیل ہو کر اوپر چلی جاتیں۔ لاکھوں برس تک بادل زمین پر سیم وزر کی بارشیں برساتے رہے۔ بعد میں جب قشرِ زمین سرد پڑنے لگا، تو یہ دھاتیں بھی منجمد ہونے لگیں سب سے پہلے سونا پھر تانبا اور آخر میں سکّہ منجمد ہُوا، تاآں کہ زلزلے آئے اور یہ معادن زمین میں دب گئیں۔

مدارج ستّہ | تفاصیلِ بالا کا ماحصل یہ ہے کہ کائنات کو ارتقا کے چھ درجوں سے گذرنا پڑا:

(۱) عناصرِ ترکیبی دُخان کی صورت میں نمودار ہوئے۔

(۲) اِن عناصر سے آسمان و اجرامِ سماوی پیدا کیے گئے۔

(۳) آفتاب سے زمین نکلی۔

(۴) زمین ٹھنڈی ہوئی، بخارات پانی بن کر ٹپک پڑے اور زلازل سے ہر طرف پہاڑ تعمیر ہو گئے۔

(۵) پھر نباتات کا ظہور ہوا۔

(۶) اور آخر میں حیوانات کی تخلیق ہوئی جن کی ارتقائی صورت انسان ہے۔

ماحصل یہ کہ اللہ نے آسمان کو دو عصروں اور کائناتِ ارضی کو چار عصروں میں مکمل کیا۔

ان نتائج پر جدید علمائے مغرب سینکڑوں برس کی تحقیق و تلاش کے بعد پہنچے اور ہمارے اُمّی رسولؐ نے آج سے ۱۳۶۱ برس پہلے فرمایا تھا:

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ۝ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۝

(حٰم سجدہ ۹ تا ۱۱)

کیا تم اُس ہستی کے قوانین توڑتے ہو جس نے دو یوم میں زمین کی تکمیل کی۔ تم خواہ مخواہ اس کے شریک گھڑ رہے ہو حالانکہ وہ رب العالمین ہے۔ اللہ نے زمین پر پہاڑوں کا سلسلہ بچھا کر اس میں برکت ڈال دی۔ اس میں روئیدگی نباتات کی استعداد رکھ دی اور یہ سب کچھ چار دنوں میں ہوا۔ ان خزائن کے منہ سب کے لیے برابر کھلے ہوئے ہیں۔ پھر سماوات (بعض سماءم) کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت دُھوئیں کی حالت میں تھا۔ پھر اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ آؤ اور اپنا کام طوعاً و کرہاً شروع کر دو، تو زمین و آسمان نے کہا کہ ہم فرماں بردار غلاموں کی طرح حاضر ہیں۔ اللہ نے سات آسمان دو دنوں میں مقرر کر دیے اور ہر آسمان کو ایک ضابطے کا پابند کر دیا۔

تو گویا زمین، پہاڑ اور نباتات وغیرہ چار یوم[۵] میں بنائے اور آسمان دو یوم میں مقرر کیے۔

قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آسمانوں کی رفعت اور تسویہ اور رات دن کی تفریق پہلے ہوئی اور زمین کا بچھایا جانا بعد میں واقع ہوا۔

---

۵ حالات کوائف کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کا ایک دن ہزار، پچاس ہزار، پچاس لاکھ بلکہ پچاس کروڑ سال کا ہو سکتا ہے تفصیل وہیں دیکھیے۔ (برقی)

ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ○ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ○ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ○ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ○ أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ○ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ○ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ○ (نازعات۔ ۲۷ تا ۳۳)	(اے لوگو!) کیا تمہاری تکوین دشوار ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ نے آسمانوں کو بلند کر کے اُن کی ساخت پہلے مکمل کی۔ پھر شب و روز کا انتظام تکمیل تک پہنچایا۔ اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ پھر پانی، نباتات، اور پہاڑوں کی تعمیر کی اور یہ چیزیں تمام ذی حیات کے لیے مدارِ زندگی ہیں۔

چھ (ستّہ) | اعداد کی تین قسمیں ہیں: (۱) زائد (۲) ناقص اور (۳) کامل۔ عددِ زائد میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل سے زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ۱۲۔ اس کے اعدادِ ضرب (یعنی جن پر تقسیم ہو سکتا ہے یا جن کا حاصل ضرب ۱۲ ہوتا ہے) ۶، ۴، ۳، ۲، ۱ ہیں جن کا مجموعہ ۱۶ ہے۔ عددِ ناقص میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل سے کم ہوتا ہے، مثلاً ۸۔ اس کے اعدادِ ضرب یعنی ۴، ۲، ۱ کا مجموعہ ۷ ہے۔ عددِ کامل میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل کے برابر ہوتا ہے، مثلاً ۶۔ اس کے اعدادِ ضرب یعنی ۳، ۲، ۱ کا مجموعہ ۶ ہے۔

اعدادِ کاملہ اکتیس لاکھ تک صرف چھ ہیں یعنی عددِ کامل چھ جستوں میں اکتیس لاکھ تک جا پہنچا۔ اسی طرح جیسے کائنات چھ زمانوں سے گزر کر تکمیل تک پہنچی۔ دنیا میں کم و بیش اکتیس لاکھ قسم کے نباتات، حیوانات و جمادات پیدا ہو گئے اور یہ انواع چھ کے عدد کی طرح ہر لحاظ سے مکمل تھیں۔

اعدادِ کاملہ دس سنکھ تک صرف ۷ ہیں یعنی:

(۱) ۶

(۲) ۲۸

(۳) ۴۹۶

(۴) ۸۱۲۸

(۵) ۱۳۰۸۱۶

(۶) ۲۰۹۶۱۲۸

(۷) ۳۳۵۵۰۳۳۶

(۸) ۵۳۶۸۵۴۵۲۸

(۹) ۸۵۸۹۸۶۹۰۵۶

(۱۰) ۱۳۷۴۳۸۶۹۱۳۲۸

(۱۱) ۲۱۹۹۰۲۲۲۲۰۶۹۷۶

(۱۲) ۵۶۲۹۴۹۹۳۶۶۴۴۰۹۶

(۱۳) ۳۵۱۷۴۳۶۷۸۹۴۵۲۸

(۱۴) ۹۰۰۷۱۹۹۱۸۷۶۳۲۱۲۸

(۱۵) ۱۴۴۱۱۵۱۸۷۸۰۷۴۲۰۴۸۶

(۱۶) ۲۳۰۵۷۴۳۰۰۸۱۳۹۹۵۲۱۲۸

(۱۷) ۳۶۸۹۳۴۴۸۸۱۴۳۱۲۴۱۳۵۹۳۶

زمینوں کی تعداد | موجودہ علمائے فلک کا خیال یہ ہے کہ کائنات میں کم و بیش تیس کروڑ زمینیں چکر کاٹ رہی ہیں۔ اس نظریے کی بنیاد اس مشاہدے پر رکھی گئی ہے کہ فضا میں شموس کی تعداد دس کروڑ ہے اور ہر سورج کے ارد گرد کم و بیش تین زمینیں گھوم رہی ہیں

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ (مدثر آیت ۳۱) اللہ کے لشکروں کا علم صرف اللہ ہی کو ہو سکتا ہے۔

جہنم | بعض کتب احادیث شریف میں مذکور ہے کہ جہنم زمین کے نیچے ہے۔ اور دوسری طرف علمائے جدید نے ثابت کیا ہے کہ زیر زمین ۱۳۰۰ درجہ حرارت کی آگ موجود ہے۔ آتش فشاں پہاڑوں کے منہ سے جو مواد باہر نکلتی ہیں وہ اندرونی آگ کی وجہ سے پگھلی ہوئی ہوتی ہیں

ہم جہنّم کا تصور یُوں کر سکتے ہیں کہ ایک شدید زلزلے کی وجہ سے بطنِ زمین باہر آجاتا ہے اور ہر طرف آگ کے مواج سمندر لہریں لینے لگتے ہیں بس یہی جہنّم ہے[۱]۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۔ (ج ۱۰)	اے انسانو! اللہ سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک خوفناک چیز ہو گی۔

اندازہ یہ ہے کہ اگر زمین کا بطن باہر آجائے تو دفعتہً تمام سمندر کھَولنے لگ جائیں۔ نباتات وجمادات میں آگ بھڑک اُٹھے اور تمام فضا سُرخ چنگاری کی طرح دہکنے لگے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ قیامت کے دن کوئی تازہ زمین کسی آفتاب سے نکال لائے جو بے انتہا گرم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس روز سُورج زمین کو اِس قدر قریب کھینچ لے کہ لوہار کی بھٹی کا سماں بندھ جائے۔

بہرحال کسی کو یقینی علم حاصل نہیں کہ اُس وقت کیا کیفیت ہو گی، اس لیے کہ

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔ (لقمان ۳۴)	قیامت کا علم صرف اللہ کو حاصل ہے۔

ہماری زمین کی عمر | مصر میں چند مقامات سے چار ہزار سال پہلے کے گھر برآمد ہوئے ہیں۔ ایک گھر کی دیوار پر اُس عہد کی زبان میں یہ حروف کندہ ہیں:

"جُوییا، میری پیاری جُوییا، ایک حسین اور چھوٹا سا شوہر ہے"

ایک اور قبر پر یہ حروف منقوش ہیں:

"اس میں بغیر اِس کے کوئی اَور عیب نہ تھا کہ یہ مجھے چھوڑ کر یہاں آگئی"

اِن فقرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کا انسان دماغی ساخت اور اندازِ تخیّل میں ہم سے مختلف نہ تھا بلکہ وہ ہماری ہی طرح متمدن و مہذب تھا چوں کہ نسلِ انسانی کو ابتدائی دَورِ وحشت سے گذر کر مناسب تمدن تک پہنچنے کے لیے ہزارہا قرن درکار ہیں، اِس لیے بائبل

---

[۱] کسی مدِّ لاشہ کر سزل مجود اندار کیا است

کی بتلائی ہوئی انسانی عمر (۶۰۰۰ سال) درست نہیں[۱]۔

لارڈ کلون کے ہاں زمین کی عمر دو کروڑ سال ہے اور اُس نے اس نظریے کی بنیاد زمین کی مختلف بیرونی حالتوں اور اندرونی درجۂ حرارت پر رکھی ہے۔ اس کے خیال میں زمین کا بیرونی قشر بیس لاکھ سال میں ٹھنڈا ہوا تھا۔

بعض علمائے طبقات الارض کی رائے یہ ہے کہ زمین کی اندرونی تہوں میں ریڈیم کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ چوں کہ ریڈیم حرارت پیدا کرتا ہے، اس لیے زمین کا پیٹ گرم ہے لیکن لارڈ کلون اس نظریے کے ساتھ متفق نہیں۔ چنانچہ ایک خط (جو ۱۹۰۶ء میں لکھا گیا اور "برٹش ویکلی" میں شائع ہوا) میں لکھتے ہیں:

"یہ بات قطعاً ناقابلِ یقین ہے کہ سورج اور زمین ریڈیم کی وجہ سے گرمی و روشنی دے رہے ہیں"۔

پروفیسر جولی کا اندازہ | آغازِ آفرینش میں جب پہلی دفعہ سمندر بنے، تو اُن کا پانی میٹھا تھا۔ پھر برساتی نالوں اور دریاؤں (جو اِدھر اُدھر سے سوڈا بہا لاتے ہیں) کی وجہ سے رفتہ رفتہ نمکین ہو گیا۔

پروفیسر جولی نے سالہا سال کی تحقیق و جستجو کے بعد اعلان کیا کہ ہر سال دنیا کے تمام دریا اور نالے سمندروں میں سولہ کروڑ ٹن نمک کا اضافہ کرتے ہیں اور اس وقت سمندروں کے نمک کا مجموعی وزن ۱۴،۴۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ ٹن ہے، جس کے جمع ہونے پر نو کروڑ برس صرف ہوئے اور یہی زمین کی عمر ہے۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ ہی کو فاش کر دیا — میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں (اقبال)

آغازِ حیات | حیوانات و نباتات کا خوردبینی معائنہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بے حجاب

---

[۱] میرا مقصد یہ ہے کہ بائیبل کے سال کو ۳۶۵ دن کے برابر سمجھنا درست نہیں۔ اللہ کے دن اور سال بہت لمبے ہوتے ہیں، ورنہ حاشا وکلا کلامِ الٰہی کی تکذیب منظور نہیں۔ (برق)

ہو چکی ہے کہ تمام حیوانات و نباتات خلیوں سے بنے ہیں۔ ان میں سے بعض واحد الخلیہ ہیں اور بعض کثیر الخلایا۔ یہ خلیے سمندر کے ایک جھلی والے مادے نخز مایہ سے تیار ہوئے تھے، جو سمندر کے ساحل پر ملتا ہے۔ سب سے پہلے اس نخز مایہ سے ایمیبا (Amoeba) بنا۔ ایمیبا ایک واحد الخلیہ جانور ہے۔ جو صرف کیچڑ میں ملتا ہے۔ اس کے بعد دو، تین، چار، بلکہ ہزاروں اور کروڑوں خلیوں والے جانور وجود میں آئے جن میں تمام حیوانات نیز انسان بھی شامل ہیں۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۔ (صافات ۱۱) ہم نے انھیں لیس دار کیچڑ (ساحلی دلدل) سے پیدا کیا ہے۔

حیوانات کا موجودہ تنوع اس واحد الخلیہ مخلوق کے ارتقاء و استمرار کا نتیجہ ہے۔

رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ۔ (نساء ۱)	اللہ نے تمھیں واحد الخلیہ جانور سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی مادہ نکالی۔

ایمیبا کے تکوینی اجزا یہ ہیں: کاربن، نائٹروجن، آکسیجن، ہائیڈروجن۔ اور یہی ہمارے اجزائے تعمیر ہیں۔ پانی اور ہوا کے عناصر ترکیبی بھی یہی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانی زندگی کی ابتدا سمندر سے ہوئی تھی۔

توریت باب پیدائش میں درج ہے:

" پھر ہم نے پانیوں (سمندر) کو حکم دیا کہ جان دار و متحرک مخلوق پیدا کرو "

قرآن حکیم میں مذکور ہے:

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ	آغاز میں ارض و سما کا ہیولیٰ ایک تھا پھر ہم نے اُسے علیحدہ علیحدہ کر کے مختلف دنیائیں بناڈالیں اور جاندار اشیاء کو پانی (سمندر) سے پیدا کیا۔

یہ واحد الخلیہ مخلوق (ایمیبا) مندرجہ ذیل مدارج سے گزر کر تکوین آدم پر منتہی ہوئی:

(۱) اِن خلیوں سے پہلے نباتات بنے۔

(۲) پھر حیوانی نباتات نمودار ہوئے، یعنی، ایسے نباتات جن میں حرکت، معدہ اور بعض حیوانی اعضاء تو موجود تھے، لیکن دیکھنے، سُننے اور سُونگھنے سے محروم تھے، مثلاً اخطبوط اور ذوافیت۔

(۳) پھر رینگنے والے کیڑے پیدا ہوئے، جو ذوافیت سے زیادہ مکمل تھے۔

(۴) اس کے بعد اصداف اور جونکیں وجود میں آئیں۔

(۵) پھر سرطان البحر نے جنم لیا اور ساحل پر بچھو نظر آنے لگے۔

(۶) اس کے بعد مچھلیوں۔ مگرمچھوں اور دیگر حیواناتِ آبی کا دَور آیا۔

(۷) پھر زندگی نے خشکی پر قدم رکھا۔ کیڑوں، مکوڑوں، پرندوں اور چوپاؤں کے بعد انسان کی باری آئی اور فوراً:

خبرے رفت زگردوں بہ شبستانِ ازل   حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد (اقبالؒ)

الغرض زندگی پانی کی پیداوار ہے۔ پہلے یک خلیہ تھی، پھر اسفنجیہ، پھر شعاعیہ اور پھر ہلامیہ بنی۔ اس کے بعد حشرات، دیدان، عناکب، طیور اور حیواناتِ سفلی و علوی کے منازل سے گذر کر انسانی عظمتوں تک جا پہنچی۔ انسانوں میں بعض وحشی، بعض عقلا، بعض اولیاء و بعض انبیاء ہیں۔ پتہ نہیں چلتا کہ راہوارِ حیات کی آخری منزل کون سی ہے۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی۔ (نجم ۴۲) | اور بے شک تمہاری آخری منزل خیامِ قدس تک رسائی ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں   کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے (اقبالؒ)

رحم | رحمِ مادر میں بالکل وہی عناصر موجود ہیں، جو سمندر میں ملتے ہیں اور درجۂ حرارت بھی وہی ہے۔

ہومنِ تولید نے ہزارہا تجارب و مشاہدات کے بعد یہ ایمان افروز اعلان کیا ہے کہ جس طرح قلزم میں زندگی مختلف مدارج سے ہوتی ہوئی منزلِ انسانیت تک پہنچی تھی، اُسی طرح کا ایک حیرت انگیز سلسلہ ماں کے پیٹ میں کارفرما ہے۔ نطفہ رحمِ مادر میں پہلے ایک خلیہ سا ہوتا ہے

اس کے بعد چند مدارج سے گذر کر جونک بنتا ہے، پھر مینڈک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر پرندوں کی طرح ایک چونچ سی نظر آنے لگتی ہے، اس کے بعد چوپاؤں کی صورت بدلتا ہے۔ چوتھے مہینے میں سر و بازو کے ہمراہ ایک چھوٹی سی دُم نکلتی ہے، جو پانچویں مہینے میں غائب ہو جاتی ہے۔ چھٹے مہینے میں نر و مادہ کی تمیز ہوتی ہے۔ آٹھویں میں آنکھیں کھلتی ہیں اور سر پر بال اُگ آتے ہیں۔

الغرض انسان کا بچہ تمام اُن منازل سے گذرتا ہے جن سے زندگی کو آغازِ آفرینش سے گذرنا پڑا تھا۔ ابتدائی مراحل میں انسانی بچہ دیگر حیوانات کے بچوں سے تمیز نہیں کیا جا سکتا۔

ان مدارج میں سے بعض کا ذکر قرآنِ حکیم میں بھی موجود ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ (مومنون ۔ ۱۲ تا ۱۴)

اس آیت میں چار الفاظ قابلِ غور ہیں:

۱۔ سُلَالَۃ ۔ اس لفظ کے معنی الفرائد الدریہ میں یوں دیے ہوئے ہیں:

سلالۃ (Offspring) یعنی بچہ

(Essence) یعنی نچوڑ

ہم عرض کر چکے ہیں کہ امیبا کیچڑ میں جنم لیتا ہے۔ یعنی وہ کیچڑ کا بچہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔

۲۔ عَلَقَۃ ۔ اس لفظ کے معنی جونک بھی ہیں۔ عُلِقَ (اُسے جونک لگائی گئی)، اَعْلَقَ (اُس نے جونک لگائی)

۳۔ مُضْغَۃ ۔ اس کے مشتقات میں سے ایک لفظ مضیغہ ہے جس کے معنی بانس اسپ ہیں۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ رحمِ مادر میں ایک منزل پر بچہ چوپائے کی صورت اختیار

(۲) پھر حیوانی نباتات نمودار ہوئے، یعنی، ایسے نباتات جن میں حرکت، معدہ اور بعض حیوانی اعضاء تو موجود تھے، لیکن دیکھنے، سُننے اور سُونگھنے سے محروم تھے بمثلاً اخطبوط اور زوافیت۔

(۳) پھر رینگنے والے کیڑے پیدا ہوئے، جو زوافیت سے زیادہ مکمل تھے۔

(۴) اس کے بعد اصداف اور جونکیں وجود میں آئیں۔

(۵) پھر سرطان البحر نے جنم لیا اور ساحل پر بچھو نظر آنے لگے۔

(۶) اس کے بعد مچھلیوں، مگرمچھوں اور دیگر حیوانات آبی کا دَور آیا۔

(۷) پھر زندگی نے خشکی پر قدم رکھا۔ کیڑوں، مکوڑوں، پرندوں اور چوپاؤں کے بعد انسان کی باری آئی اور فوراً:

خبرے رفت زگردوں بہ شبستانِ ازل — حذر اے پردگیاں پردہ نشینے پیدا شد (اقبالؔ)

الغرض زندگی پانی کی پیداوار ہے۔ پہلے ایک خلیہ تھی، پھر اسفنجیہ، پھر شعاعیہ اور پھر ہلامیہ بنی۔ اس کے بعد حشرات، ویدان، عناکب، طیور اور حیوانات سفلی و علوی کے منازل سے گذر کر انسانی عظمتوں تک جا پہنچی۔ انسانوں میں بعض وحشی، بعض عقلا، بعض اولیاءؔ اور بعض انبیاء ہیں۔ پتہ نہیں چلتا کہ یا ہوارِ حیات کی آخری منزل کون سی ہے۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی۔ (نجم۔ ۴۲) | اور بے شک تمہاری آخری منزل خیام قدس تک رسائی ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے (اقبالؔ)

برحم | رحمِ مادر میں بالکل وہی عناصر موجود ہیں، جو سمندر میں ملتے ہیں اور درجۂ حرارت بھی وہی ہے۔ ماہرین تولید نے ہزارہا تجارب و مشاہدات کے بعد یہ ایمان افروز اعلان کیا ہے کہ جس طرح آفاق میں زندگی مختلف مدارج سے ہوتی ہوئی منزلِ انسانیت تک پہنچی تھی، اُسی طرح کا ایک حیرت انگیز سلسلہ ماں کے پیٹ میں کارفرما ہے۔ نطفہ رحمِ مادر میں پہلے ایک خلیہ سا ہوتا ہے۔

اس کے بعد چند مدارج سے گذر کر جونک بنتا ہے، پھر مینڈک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر پرندوں کی طرح ایک چونچ سی نظر آنے لگتی ہے، اس کے بعد چوپاؤں کی صورت بدلتا ہے۔ چوتھے مہینے میں سر و بازو کے ہمراہ ایک چھوٹی سی دُم نکلتی ہے، جو پانچویں مہینے میں غائب ہو جاتی ہے۔ چھٹے مہینے میں نر و مادہ کی تمیز ہوتی ہے۔ آٹھویں میں آنکھیں کھلتی ہیں اور سر پر بال اُگ آتے ہیں۔

الغرض انسان کا بچہ تمام اُن منازل سے گذرتا ہے جن سے زندگی کو آغازِ آفرینش سے گذرنا پڑا تھا۔ ابتدائی مراحل میں انسانی بچہ دیگر حیوانات کے بچوں سے تمیز نہیں کیا جا سکتا۔

ان مدارج میں سے بعض کا ذکر قرآنِ حکیم میں بھی موجود ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ (مومنون۔ ۱۲ تا ۱۴)

اس آیت میں چار الفاظ قابلِ غور ہیں:

۱۔ سُلَالَةٍ۔ اس لفظ کے معنی المنجد میں یوں دیے ہوئے ہیں:

سلالۃ (Offspring) یعنی بچہ

(Essence) یعنی نچوڑ

ہم عرض کر چکے ہیں کہ امیبا کیچڑ میں جنم لیتا ہے، یعنی وہ کیچڑ کا بچہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔

۲۔ عَلَقَةً۔ اس لفظ کے معنی جونک بھی ہیں۔ عُلِقَ (اُسے جونک لگائی گئی)، عَلَقَ (اُس نے جونک لگائی)

۳۔ مُضْغَةً۔ اس کے مشتقات میں سے ایک لفظ مضیغہ ہے جس کے معنی بانئے اسپ ہیں۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ رحمِ مادر میں ایک منزل پر بچہ چوپائے کی صورت اختیا

کر دیتا ہے۔

۳۔ خَلقًا اٰخَرَ۔ رحمِ مادر میں بچہ پہلے جونک، پرندے اور حیوان کی شکل میں ہوتا ہے آخر میں جب اُسے انسانی صورت عطا ہوتی ہے تو یہ حقیقتاً ایک نئی تخلیق ہوتی ہے۔

آیت کا ترجمہ | "ہم نے آغاز میں انسان کو کیچڑ کے بچے یعنی امیبا سے پیدا کیا تھا اور اب اس کی تولید کا سلسلہ رحمِ مادر سے جاری کر دیا ہے۔ پہلے ہم نطفہ کو جونک (علقہ) کی شکل میں تبدیل کرتے ہیں۔ پھر جونک کو گوشت کا لوتھڑا (گھوڑے سے مشابہ) بناتے ہیں۔ پھر ہڈیاں پیدا کر کے اوپر گوشت چڑھاتے ہیں اور اس کے بعد ہم اُسے انسانی صورت دے کر باہر نکال لاتے ہیں۔ وہ بہترین خالق کس قدر قابلِ تعریف ہے"

علماء کا خیال ہے کہ شروع میں انسان کی پیدائش خطِ استوا کے قریب سمندر کے ساحل پر ہوئی تھی۔ انسانی رحم نے نہ صرف اس حرارت کو محفوظ رکھا، بلکہ وہ تمام عناصر بھی یہاں موجود ہیں، جو سمندروں میں ملتے ہیں۔

اللہ اکبر! تخلیق و تکوین کے جس منظر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو، ایک اکمل و اتم نظام چھلکتا نظر آتا ہے جس کی تفسیر کا نام معرفت ہے۔ وقت آگیا ہے کہ انسان اس شاہدِ جمیلہ حسین کو ڈھونڈ کر بے نقاب کرے:

فارغ نہیں بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا یا اپنا گریباں چاک، یا دامنِ یزداں چاک

(اقبال، قدرے ترمیم کے ساتھ)

ایوانِ کائنات کی اینٹیں | اس کائنات کا ہر منظر، لالۂ صحرا سے لے کر عرش کے تاروں تک ذراتِ برقیہ سے تعمیر ہوا ہے۔ اگر ہم خوردبین سے پانی کا معائنہ کریں تو ہمیں چھوٹے چھوٹے ذرات نظر آئیں گے، جن میں سے ہر ایک کا قطر $\frac{1}{5,000,000}$ انچ ہوگا۔ مائیکروب پر نگاہ ڈالیے، گو یہ خاکی ذرے سے بہت چھوٹا ہوتا ہے، لیکن در اصل کئی ہزار جواہر سے

مرکب ہوتا ہے، پھر ہر جوہر منفیے و ثبلتیے کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ مائیکروب سے ہزار گنا چھوٹے ذرات وہ اینٹیں ہیں، جن سے ایوانِ فطرت تیار ہوا۔ اس مہیب کائنات کا ہر منظر انہی بے مقدار ذرات سے بنا۔ سائنس کا یہ انکشاف توحید پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ فرض کیجیے، ایک انسان زمین کا پیٹ چیر کر میلوں اندر گھس جاتا ہے اور وہاں سے نرالی دھات کا ایک ٹکڑا نکال لاتا ہے۔ پھر بحر الکاہل کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر سات میل نیچے سے کوئی خول اٹھا لاتا ہے۔ اس کے بعد آسمان کی نیلی فضاؤں میں کھرب ہا میل دُور جا کر کسی مدھم تارے سے ایک کنکر اُڑا لاتا ہے اور خوردبین کے نیچے رکھ کر ہر سہ کا معائنہ کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی حد نہ رہے گی کہ ان تینوں کے اجزائے ترکیبی وہی ذراتِ برقیہ ہیں جو ذرۂ غبار، ورقِ گل، قطرۂ شبنم و زہرہ و مشتری میں یکساں پائے جاتے ہیں:

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو لہو خورشید کا ٹپکے، اگر ذرے کا دل چیریں (اقبال)

فوق العرش سے تحت الثریٰ تک عناصرِ تکوینی کی یہ وحدت، وحدتِ خالق کا ایک ناقابلِ تردید اعلان ہے۔

کبھی وہ زمانہ تھا کہ علماء کو اللہ کی ہستی کے متعلق بے شمار شبہات ہوا کرتے تھے۔ علم اس قدر ناقص تھا کہ جہالت و معرفت کی سرحدیں باہم ملی ہوئی تھیں۔ آج علمائے مغرب کی تلاش و محنت نے عروسِ فطرت کے بہت سے خد و خال عُریاں کر دیے ہیں اور کوئی دن میں انسان کا گستاخ ہاتھ دامنِ قدس تک پہنچا چاہتا ہے:

عشق بھی ہو حجاب میں، حُسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو، یا مجھے آشکار کر (اقبال)

ان خشت ہائے ہستی (Atoms) کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً جواہرِ آبی، آکسیجنی، آہنی و کاربنی وغیرہ۔ پانی کا خورد ترین قطرہ آکسیجن کے ایک جوہر اور ہائیڈروجن کے

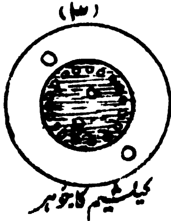
یہ خالی جگہ یوں معلوم ہوتی ہے جس طرح ایک لاٹھی کو آگ لگا کر ہوا میں گھمائیں تو فضا میں آتشیں چکر بن جاتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز انھی زندہ و تیز رَو ذرات کا مجموعہ ہے، اسی لیے تو قرآن حکیم میں پہاڑوں کو متحرک کہا گیا ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (قصص۔ ۸۸)	تم پہاڑوں کو ساکن خیال کرتے ہو، حالاں کہ وہ بادل کی رفتار سے چل رہے ہیں۔

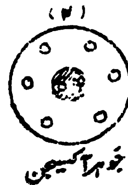
پہاڑوں کی یہ حرکت ایک تو حرکتِ زمین کی وجہ سے ہے اور دوسرے ان منفیوں کی وجہ سے، جن سے ان پہاڑوں کی ترکیب ہوئی۔

کائنات میں تنوّع ایک سوال	اگر سونے اور مٹی کے اجزائے ترکیبی وہی ہیں تو پھر سونا، سونا کیسے بن گیا اور مٹی، مٹی کیوں رہ گئی؟

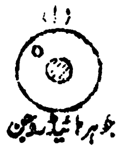
جواب | جواہر میں منفیوں کی کمی بیشی اور اختلافِ نظام سے کائنات میں تنوّع پیدا ہو گیا کسی جوہر میں منفیے وسط میں ہیں، تو کہیں کناروں کے پاس ہیں۔ پھر تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی اختلاف نظام و تعداد تنوّعِ مناظر کا سبب ہے۔ مثلاً:



کیلشیم کا جوہر



جوہر آکسیجن



جوہر ہائیڈروجن

تشریح | ۱. ہائیڈروجن کے جوہر میں صرف ایک منفیہ ہوتا ہے۔

(۲) آکسیجن کے جوہر میں آٹھ منفیے ہیں۔

(۳) کیلشیم " " بیس " "

(نوٹ) خط کشیدہ حصہ برقِ مثبت کا مرکز ہے۔

تو یہ ہیں کائنات کی اینٹیں۔ ایک مغربی عالم نے جب ان جواہر کی ایمان افروز مشینری کو دیکھا، تو پکار اٹھا:

"It is no wonder that man's brain reels before the infinitely great things of the Universe on the one hand and the infinitely small things of Nature other other."

"حیرت ہے کہ ایک طرف تو انسانی عقل قدرت کی بڑی بڑی مہیب اشیا کو دیکھ کر لرز اٹھتی ہے اور دوسری طرف باریک ترین ذرات کا اعجاز دیکھ کر تحیر میں کھو جاتی ہے۔"

قرآن حکیم نے ہمیں ان خوردبینی اجزائے تکوین کی طرف یوں متوجہ کیا:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ○ (یونس-۶۱)

ارض و سما کا کوئی ذرہ (جوہر)، ذرے سے بھی چھوٹا (منفیہ) یا بڑا (سالمہ)، اللہ کی نگاہ سے غائب نہیں، بلکہ اس کی روشن کتاب میں موجود ہے۔

اس آیت میں اگر اصغر و اکبر سے مراد منفیہ و سالمہ نہ لیے جائیں، تو ساری آیت ایک چیستان بن کر رہ جاتی ہے چونکہ اللہ کو علم تھا کہ بیسویں صدی میں علمائے فطرت ذرے کے یہ اقسام دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، اس لیے نبی کی اس آخری کتاب کی عظمت تسلیم کرانے کے لیے اللہ نے اقسامِ ذرات کا بھی ذکر فرما دیا۔ قرآنِ حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اس میں ایک ایسی چیز کا ذکر موجود ہے، جس کا علم ایک طاقتور خوردبین کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

مجھ پر ایک دورِ الحاد (۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۰ء) بھی گزر چکا ہے، جب قرآن حکیم پر پھبتیاں کسنا، مذہب کو ڈھونگ قرار دینا اور اللہ سے مذاق اڑانا میرا مشغلہ ہوا کرتا تھا اور اب

کہ میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مجھے کائنات کا ہر ذرہ ایک آیت اور ہر پتہ کتاب اللہ کا ایک ورق نظر آتا ہے:

خود را نہ پرستیدۂ عرفاں چہ شناسی کافر نہ شدی، لذت ایماں چہ شناسی

انھی ذراتِ خوردبینی کا سالہا سال تک مطالعہ کرنے کے بعد لارڈ کلون چلا اٹھا تھا:

" It is impossible to conceive either the begining or the continuance of life without an over-ruling creative power. Over powering strong proofs of benevolent and intelligent design are to be found around us, teaching us that all living things depend on one ever lasting Creator and Ruler."

"یہ خیال سراسر باطل ہے کہ کائنات کا آغاز یا تسلسل بغیر کسی خالق کے ہو سکتا ہے۔ فطرت کے یہ حیرت انگیز مناظر جن سے تکمیل و رحمت برستی ہے، اپنی تخلیق و تعمیر پر مبہوت کن دلائل ہیں، جو ہمیں صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ وجود کائنات کا انحصار ایک حی و قیوم فرماں روا کی مشیت پر ہے"

لارڈ کلون کے نتائج غور و فکر الہام کے قریب جا پہنچے ہیں،

اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ (بقرہ - ۲۵۵)	پرستش کے قابل ارض و سماء کا وہ حی و قیوم نگران ہے، جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔

فضا کے ان کروڑوں کروں میں تصادم کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تھام رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ (فاطر ۴۱)	اللہ ارض و سماء کے سرکش گروں کی باگیں تھامے ہوئے ہے کہیں یہ اپنے مداروں کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اور اگر ایسا اتفاق ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نہیں، جو انھیں تھام سکے۔
وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (حج - ۶۵)	اللہ نے آسمانوں کو تھام رکھا ہے کہ زمین پر گر نہ پڑیں۔

خیز و واکن دیدہ مخمور را ۔۔۔ دوں مخواں ایں عالم مجبور را
غایتش توسیع ذاتِ مسلم است ۔۔۔ امتحانِ ممکناتِ مسلم است (اقبالؒ)

بجلی ان ذرات میں بجلی کہاں سے آگئی؟ ہم نہیں جانتے۔ ہمیں اب تک صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ بجلی دو قسم کی ہوتی ہے؛ مثبت و منفی۔ اگر شیشے کی ایک سلاخ کو ریشمی کپڑے میں رگڑا جائے تو سلاخ کے کافی منفیے کپڑے میں چلے جاتے ہیں۔ اور پیچھے تقریباً مثبت بجلی رہ جاتی ہے۔ اور اگر لاکھ کی کسی سلاخ کو اسی کپڑے میں رگڑیں، تو کپڑے کے منفیے سلاخ میں چلے جاتے ہیں اور سلاخ میں منفی بجلی بڑھ جاتی ہے۔ جب کسی جسم میں منفیے بڑھ جاتے ہیں تو وہ فالتو منفیوں کو دور پھینک دیتا ہے۔ اس پھینکنے کو اصطلاح میں "ڈسچارج" کہتے ہیں۔ یہ ڈسچارج ہمیشہ منفی مبرق جسم سے مقابلۃً مثبت جسم کی طرف ہوتا ہے۔ منفیوں کی یہ دوڑ بجلی کی رَو کہلاتی ہے۔ چونکہ تانبے یا پیتل کا تار بہت ٹھوس ہوتا ہے اور اس کے جواہر ایک دوسرے کے بہت قریب ہوتے ہیں؛ اس لیے یہ جواہر نہایت پھرتی کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف منفیے پھینک سکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک قطار میں پچاس چُست لڑکے کھڑے ہوئے ہیں جن میں سے پہلا دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو کوئی چیز پکڑا رہا ہو بس یہی کیفیت تانبے کے تار کی ہے کہ پہلا جوہر نہایت تیزی سے دوسرے جوہر کو منفیے دے رہا ہے اور اسی کا

نام برقی رَو ہے۔

جب ہم پیتل کا تار زنک کے قریب لاتے ہیں تو زنک کے منفیے تار میں گھس جاتے ہیں اگر ہم زنک کو کسی ایسے سلوشن میں ڈال دیں جس میں وہ گھل سکتا ہو تو زنک کے تمام منفیے اس سلوشن میں مل جائیں گے پھر اگر پیتل کا ایک ٹکڑا اس سلوشن میں ڈال دیں اور ہر دو زنک اور پیتل کے ٹکڑے کو پیتل کے تار سے مربوط کر دیں تو منفیوں کی افراط کی بدولت اس تار میں بجلی کی رَو کافی طاقتور ہو جائے گی۔ اسی اصول پر بیٹریاں تیار کی جاتی ہیں۔

بعض اجسام منفیوں کو بہت جلد آگے چلاتے ہیں اور بعض اس معاملے میں بے حد سست واقع ہوتے ہیں۔ اول موصل اور دوم غیر موصل کہلاتے ہیں۔ تانبے کے ایک تار سے آہنی تار کی نسبت بجلی چھ گنا تیزی سے گذرتی ہے۔ شیشہ کم درجے کا موصل ہے اور لکڑی غیر موصل ہے۔ اگر آپ چارپائی پر بیٹھ کر بجلی کے تار کو چھوئیں، تو صدمہ محسوس نہیں ہوگا، اس لیے کہ بجلی لکڑی سے گذر کر زمین میں نہیں جا سکتی۔

ساون کے موسم میں ہمالہ کی طرف نگاہ اٹھاؤ۔ سیاہ بادلوں کی ایک مہیب فوج انسانی دنیا کی طرف گرجتی، کڑکتی اور دھاڑتی ہوئی بڑھ رہی ہے، دل بیٹھے جا رہے ہیں اور کلیجے دھڑک رہے ہیں کہ کہیں بجلیاں بھونچال نہ ڈھا دیں۔ ان بادلوں کی رفتار میں کس قدر وقار ہے، اس لیے کہ ان کے جلو میں بجلیوں کے طوفان ہیں اور زمستان کے وہ بادل کس قدر مُردہ نظر آتے ہیں جن کے پہلو میں آگ نہیں، دامن میں بجلیوں کا خزانہ نہیں اور ہاتھ میں آتشیں تازیانہ نہیں۔ بس دنیا میں وہی قومیں باوقار و معزز کہلاتی ہیں، جن کے قبضے میں بجلیاں ہوں، جن کے ہم رکاب طوفان ہوں اور جن کی مہیب رفتار سینۂ ہستی کو دھڑکا رہی ہو۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ۔ (رعد-۱۲)	تمہارا خدا وہ ہے جس کی بجلیاں تم میں خوف و طمع کی دو گونہ کیفیات پیدا کر دیتی ہیں اور جس کے لرزہ انگیز بادل تمام کائنات پر چھا جاتے ہیں۔

ہمارے صوفیوں اور واعظوں نے کائنات کو لرزا دینے والے مُسلم کے سامنے گذشتہ آٹھ سو سال میں وُہ وُہ گوسفندانہ بولیاں بولیں عجز، تواضع اور انکسار کے محض سلبی اخلاق کا وُہ تباہ کُن درس دیا کہ اس سَیلِ تُندرَو کی طغیانیاں سکونِ مرگ میں تبدیل ہو کر رہ گئیں اور اس کی طوفانی رفتار لغزشِ پیرانہ میں بدل گئی:

جس دریا کی لہر نہ اونچی وہ کیسا دریا ۔۔۔ جس کی ہوائیں تُند نہیں ہیں وُہ کیسا طوفان؟

اقوامِ عالم برق و باد کو مسخّر کرنے کے بعد برشگالی بادلوں کی رفتار سے کائنات پر چھا رہی ہیں۔ اُن کی پُرہیبت گرج سے ارض و سما لرز رہے ہیں اور ان کی شمشیرِ خاراشگاف سے قہرمانانِ گیتی رعشہ براندام ہیں اور دوسری طرف صوفی زدہ مُسلم گوسفندانہ عجز و مسکنت اور میشانہ ذل و انکسار کا پیکر بنا ہوا ہے:

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر ۔۔۔ یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

پیروانِ اسلام! یاد رکھو کہ تمھاری نجات اللہ کی طرف لَوٹنے میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔ (توبہ-۱۱۶)	یاد رکھو کہ ارض و سما کا مالک اللہ ہے، اقوام کی موت و زندگی اُسی کے بس میں ہے اور تمھارے لیے اللہ کی پناہ میں آنے کے بغیر کوئی اور سبیل کا موجود نہیں۔

تم سے پہلے بھی بعض اقوام پر یہ بُرے اوقات آئے تھے جس طرح اُن کی بگڑی بنی، تم بھی وہی کرو۔

حَتّٰٓی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْہِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْہِمْ اَنْفُسُہُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّآ اِلَیْہِ ثُمَّ تَابَ عَلَیْہِمْ لِیَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ (توبہ-۱۱۸)	جب اُن لوگوں پر یہ وسیع زمین تنگ ہوگئی، اُن کا دم گھٹنے لگا اور انھیں یقین ہوگیا کہ اللہ کے بغیر کوئی اور جائے پناہ موجود نہیں تو اللہ نے پھر اُن کی طرف گوشۂ التفات مبذول فرمایا کہ وہ الٰہی رحمت کے دامن میں دوبارہ آجائیں۔ حقیقتاً اللہ بہت مہربان اور نادم بندوں کی بخشنے والا ہے۔

مسئلۂ ایتھر یا جو | ایتھر ازل سے کائنات میں موجود ہے۔ لیکن علمائے فطرت کو حال ہی میں اس کا پتہ چلا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن (بُعد النظر) معجزاتِ ایتھر ہیں۔

تالاب کے پُرسکون پانی میں ایک کنکر ٹپکا دو۔ فوراً پانی میں لہریں پیدا ہو جائیں گی۔ پانی وہیں رہے گا، لیکن لہریں تالاب کے کناروں تک جا پہنچیں گی۔ بہ دیگر الفاظ پانی انتقالِ امواج کا وسیلہ بنتا ہے۔ اسی طرح ایتھر بھی ہماری متعدد خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ یہ ہمارا قاصد ہے کہ ہمارے پیغامات آناً فاناً ہزارہا میل کی مسافت پر پہنچا رہا ہے اور عملِ بصارت ایتھر ہی کی بدولت وقوع پذیر ہو رہا ہے۔

یہ قانونِ فطرت ہے کہ ایک جسم دوسرے جسم پر کسی درمیانی واسطے کے بغیر عمل نہیں کر سکتا۔ اندھیری رات میں ایک جہاز ران دُور سے مینار پر روشنی کو دیکھتا ہے۔ اس مینار اور جہاز ران کے درمیان ایک واسطہ موجود ہے، جو روشنی کی لہروں کو اس ملاح تک پہنچا رہا ہے۔ اسی درمیانی واسطے کا نام ایتھر ہے۔ مینار کی روشنی ایتھر میں لہریں پیدا کرتی ہے۔ یہ لہریں ملاح کے پردۂ چشم سے ٹکراتی ہیں اور دماغ روشنی دیکھ لیتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ دیکھنے کا عمل دماغ سے سرزد ہوتا ہے اور آنکھیں محض آلاتِ بصارت ہیں۔

اسی طرح آفتاب ایتھر میں ہیجان پیدا کرتا ہے اور یہ ہیجان ہمارے دماغ تک پہنچ کر روشنی و حرارت کا احساس دلاتا ہے۔ مقناطیس کچھ فاصلے سے سُوئی کو کھینچ لیتا ہے۔ سُوئی اور مقناطیس کے درمیان کوئی واسطہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کا نام ہم نے ایتھر رکھا ہوا ہے۔

اگر ہم ایک صراحی سے ہوا نکال کر اندر ایک بجلی کی گھنٹی لگا دیں، جو لگاتار بج رہی ہو تو ہم آواز نہیں سُن سکیں گے، اس لیے کہ آواز کا درمیانی واسطہ یعنی ہوا موجود نہیں۔ اور اگر اس صراحی میں بجلی کا لیمپ روشن کر دیا جائے، تو روشنی نظر آئے گی، اس لیے کہ نظر

کا واسطہ ایثر عنصر حی میں بھی موجود ہے۔

صحیفۂ فطرت کے ایک روسی فاضل مسٹر شلیف کا خیال ہے کہ ایثر گیس سے بھی زیادہ لطیف کوئی چیز ہے جس کے ذرات جسم میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن ابھی تک اس نظریے کی تائید نہیں ہوئی۔

امواج ایثری ۱۱۱۶۰۰۰۰ میل فی منٹ اور ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں۔ سورج کی روشنی بھی اسی رفتار سے زمین پر آتی ہے جس سے علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ روشنی نہیں چلتی بلکہ امواج ایثری حرکت کرتی ہیں۔

ایثر کس نے دریافت کیا | ہالینڈ کے ایک پروفیسر مسٹر ہوئی گینس نے آج سے دو سو برس پہلے وجودِ ایثر کا اعلان کیا تھا۔ کچھ مدت بعد جب لنڈن کے ایک فاضل ڈاکٹر تھامس ینگ نے اس نظریے پر مزید روشنی ڈالی تو کسی نے توجہ نہ کی بلکہ "ایڈن برگ ریویو" جلد ۵۔ اشاعت ۱۸۰۴ء صفحہ ۹۰ میں اس نظریے کو بری طرح [illegible] گیا۔ جب پروفیسر تھامس نے اس کڑی نکتہ چینی کے جواب میں ایک رسالہ لکھا تو اس کا صرف ایک نسخہ فروخت ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد علماء اس نظریے کی طرف متوجہ ہوئے اور آج اس کے نتائج آپ کے سامنے ہیں۔

امواج ایثری | ساکن پانی میں ایک پتھر [illegible] کر لہروں کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ [illegible] پھر ایک سیکنڈ میں [illegible] بیس گنا چھوٹا ہو جائے گا [illegible] میں [illegible] ہو تو [illegible] [illegible] ایثر کی [illegible] سیکنڈ میں [illegible]

میں ایتھر کے اندر سو مرتبہ جنبش پیدا کی جائے، تو ہر لہر کا درمیانی فاصلہ ۱۸۶۰ میل ہوگا۔

علمائے ایتھر نے بعض ایسی امواج بھی دیکھی ہیں جن کا درمیانی فاصلہ ۱/۵۰۰۰۰ انچ تھا۔ یہ ایتھری لہریں منفیوں کی گردش سے پیدا ہوتی ہیں اور حالات ذیل میں یہ مختلف رنگوں کا احساس پیدا کرتی ہیں۔

ایک انچ میں لہریں	منفیوں کی گردش فی سیکنڈ	کس رنگ کا احساس پیدا ہوتا ہے
(۱) ۳۷،۰۰۰	۴۴۰ بلین	نارنجی رنگ
(۲) ۴۲،۰۰۰	۵۰۰ ״	زرد
(۳) ۴۸،۰۰۰	۵۷۰ ״	سبز
(۴) ۵۱،۰۰۰	۶۰۰ ״	نیلا
(۵) ۶۱،۰۰۰	۷۰۰ ״	انڈیگو
(۶) ۶۴،۰۰۰	۷۵۰ ״	بنفشی

حقیقتِ ایتھر | مثبت بجلی، کشش زمین، روح اور ایتھر وہ راز ہیں جن کا علم انسان کو ابھی تک حاصل نہیں ہوا۔ اب تک صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ ایتھر ہر جگہ موجود ہے۔ یہ ایک لطیف سا بادل ہے، جو عرش سے تحت الثریٰ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں کہیں کوئی خلا یا روزن موجود نہیں اور نہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ غالباً آیۂ ذیل میں اسی ایتھر کی طرف اشارہ ہے:

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَزَیَّنّٰھَا وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ (ق۔۶)	کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کے سروں پر ایک آسمان بنا کر اسے آراستہ کر رکھا ہے اور اس میں کہیں خلا یا روزن موجود نہیں۔

روشنی و بصارت | روشنی اُن لہروں کے احساس کا نام ہے۔ جو منفیوں کے ۴۰۰ بلین

چکر فی سیکنڈ سے پیدا ہوں۔ سورج سے پیدا کردہ لہروں میں تیس فی صدی امواج نور اور ستر فی صدی امواج حرارت ہوتی ہیں۔ جگنو کی دُم صرف امواج نور اٹھاتی ہے جن میں امواج حرارت شامل نہیں ہوتیں۔ اگر جگنو ہمیں یہ راز بتا دے، تو ہم ایک بہت بڑے سرکس کو ایک جوکر کی دُم سے روشن کر سکیں۔

جب امواج ایثری کسی جسم پر پڑتی ہیں تو اس کے منفیوں میں ہیجان پیدا کر دیتی ہیں۔ اس ہیجان کے احساس کا نام بصارت ہے۔ یہ امر یاد رہے کہ امواج نور کے منفیے اس جسم سے ٹکرا کر خود ساکن ہو جاتے ہیں اور اس جسم کے منفیوں میں ہیجان اٹھا دیتے ہیں۔ بعض اجسام ایسے بھی ہیں جن میں سے یہ امواج یُوں پار گزر جاتی ہیں کہ ان کے منفیوں میں کوئی ہیجان نہیں اُٹھتا یا بہت کم اُٹھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس جسم کے منفیے طاقت ور ہوں، تو وہ مقابلہ کرتے ہیں اور ایثر مرتعش ہو جاتا ہے اور اگر کمزور ہوں تو کھسک جاتے ہیں اور امواج ایثری پار گذر جاتی ہیں، ایسے اجسام شفاف کہلاتے ہیں۔ چوں کہ ہر جسم کے منفیے کچھ نہ کچھ مقابلہ کرتے ہیں۔ اس لیے کوئی چیز مکمل طور پر شفاف نہیں کہلا سکتی، یہاں تک کہ بعض علماء ہَوا کو بھی غیر شفاف سمجھتے ہیں۔

احساسِ رنگ | چوں کہ رنگ سات ہیں، اس لیے ایثر میں منفیات نور سات قسم کی لہریں پیدا کر رہے ہیں۔ اگر یہ تمام لہریں کسی چیز میں جذب ہو جائیں تو وہ سیاہ نظر آئے گی۔ اگر تمام منعکس ہو کر ہماری نگاہ تک پہنچیں تو وہ سفید دکھائی دے گی۔ اگر چھ قسم کی لہریں جذب ہو جائیں اور نیلے رنگ کا احساس پیدا کرنے والی لہریں جذب نہ ہو سکیں تو نیلی نظر آئے گی۔ یہ یاد رہے کہ ہر لہر صرف اپنے رنگ کے منفیوں کو مرتعش کرتی ہے، یعنی زرد رنگ والی لہر جسم کے صرف اُن منفیوں کو متحرک کرے گی، جو زرد رنگ کا احساس پیدا کرتے ہیں اور باقی لہریں چُپ چاپ جذب ہو جائیں گی۔ اگر آج سورج

کی روشنی میں سے سرخ رنگ نکال دیا جائے تو دنیا میں کوئی چیز سرخ نظر نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہم ایک سرخ پھول کو سیماب کے تبخیری لیمپ کی روشنی میں دیکھیں تو یہ سیاہ نظر آئے گا، اس لیے کہ اس لیمپ کی روشنی میں سرخ رنگ کا احساس پیدا کرنے والی امواج موجود نہیں ہوتیں۔

آنکھ کے پردے ریٹنا Ratina. کے وسط میں ایک نشیب سا ہے، جس پر چھوٹے چھوٹے ابھار [illegible] جن میں مختلف رنگوں کے احساس کی طاقت ہے اور لطف [illegible]

[illegible] ہے جو سورج کی بعض مہلک شعاعوں کو [illegible] اور لطیفہ ہے [illegible] کی لہروں کو زمین کی طرف منعکس کر دیتا ہے۔ [illegible] سکتے:

حقیقت [illegible] | [illegible] (اقبال)

[illegible] اور [illegible] بے شک [illegible] کے

[illegible] | [illegible] سباق [illegible]

[illegible] وسائل اور [illegible] پر [illegible] کے [illegible] کو [illegible] اور قوم کو [illegible] دنیا [illegible] دور پھینک دیتا:

یہ [illegible] | یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
[illegible] آگاہ [illegible] | [illegible] و جمادات و نباتات

[illegible] ہے؟ ہوائی [illegible] اسی تموّج سے ہزارہا علوم [illegible] پیدا ہوئے۔ اسی تموّج کا نام [illegible] ہے اور اسی تموّج سے دنیا

میں سینکڑوں سیاسی و اخلاقی انقلاب آئے۔ اگر آج ہوا سے تموّج خارج کر دیا جائے تو چڑیوں کے چہچہے، کوئل کے نغمے، عنادل کے زمزمے اور ہر قسم کی نوائیں ختم ہو جائیں، جس طرح ہوائی تموّج سے دنیا کی چار ہزار زبانیں پیدا ہوئیں، اسی طرح ابتدائی عناصر سے کائنات کے مختلف مناظر وجود میں آئے۔

عربی زبان کے حروفِ ابجد اٹھائیس ہیں جن میں سے چودہ مقطعاتِ قرآنی (الٓمٓ، الٓر، طٰہٰ۔ یٰسٓ وغیرہ) میں استعمال ہوئے۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ کائنات کی آدھی رونق حروف یعنی علوم و فنون سے ہے اور آدھی عناصر سے۔

جس طرح حروف سے مختلف قسم کے اشعار مثلاً مدحیہ، ہجویہ، رزمیہ وغیرہ تیار ہوتے ہیں، اسی طرح ابتدائی عناصر سے مختلف قسم کے مناظر وجود میں آئے۔ لالہ زار و دیگر دلکش مناظر اشعارِ فطرت ہیں۔ مہیب کہستان، دھاڑتے ہوئے سمندر اور گرجتے ہوئے بادل رزمیہ عناصر ہیں اور زمینِ شور، آبِ تلخ و شجرِ زقوم ہجو عنصری ہے۔

عناصر ترکیبی (یعنی ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن، کورونیم، یورینیم، سوڈیم وغیرہ جن کی تعداد ۹۲ تک پہنچ چکی ہے) کا مستقر ایتھر ہے۔ جس طرح ہمارے خطبوں و مکالموں سے ہوا میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی، اسی طرح کائنات کی تخلیق سے خزانۂ ایتھر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ عناصر حروفِ ابجد کی طرح ہیں۔ حروف سے علوم و فنون نکلے اور عناصر سے لوحِ فطرت پر بے شمار غزلیات و قصائد لکھے گئے:

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝

(کہف - ۱۰۹)

اگر الٰہی کلمات کو لکھنے کے لیے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور ان میں سات اور سمندر ملا دیے جائیں، تو بھی کلماتِ الٰہیہ (مناظرِ تخلیق) کی مکمل فہرست تیار نہ ہو سکے گی۔

آیہ زیر بحث میں اِختِلافُ اَلسِنَتِکُم مطالعۂ علوم و فنون اور اِختِلافُ اَلوَانِکُم معاینۂ عناصر کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اختلافِ السنہ سے علوم میں بے شمار ترقی ہوئی۔ زبان کی تمام شاخوں میں اس قدر لٹریچر پیدا ہوا کہ قدسیانِ فلک کو ایک مرتبہ اور انسانی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا:

زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے ہیں   یہ خاکی زندہ تر، پایندہ تر، تابندہ تر نکلا
(اقبال)

بڑی بڑی زبانیں دو ہیں: آریائی و سامی۔ آریائی زبان کی شاخیں یہ ہیں:

انگریزی، یونانی، لاطینی، نرویجی، ایسلاندی، سویڈی، ڈنمارکی جرمن، ہالینڈی، ارمینوی، بلغاروی، بوہیموی، بولونوی، روسی، ہندی، فارسی، سنسکرت وغیرہ۔

فارسی زبان کی شاخیں یہ ہیں:

لغۃ المادیلین، ساسانی (پہلوی)، و فارسی جدید۔

فارسی جدید کی شاخیں:

افیانی، زبانِ بحیرۂ خزر (یعنی ساحلِ خزر)، بلوچی، کُردی، واکسی، سیانی، پامیری، نا ریقوتی، تاجیکی، سنگ لیسی، منجانی، مُنگی، یانوبی، سمنانی، ماژندرانی، لاہجانی، گلاکی، طالیسی، تاط، ظفراہی، سیوندی، شیرازی اور گابری۔

ہندوستانی زبان کی شاخیں:

مہاراشٹری، جینا مہاراشٹری، ماگدھی، ادھا گدھی، سورسینی، اپابرہمسا، پاسیاسی، بہاری، بنگالی، مارواڑی، آسامی، نیپالی، برہمی، تامل، تلنگو، پنجابی، سندھی، پشتو، کشمیری، اُردو وغیرہ۔

لاطینی کی شاخیں:

فرانسیسی، ہسپانوی، پرتگالی، رومانوی۔

سامی زبان کی شاخیں :

عربی، بابلی، آشوری، حبشی، حمیری، آرامی، فنیقی وغیرہ

اس وقت تمام دنیا میں تقریباً چار ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یورپ میں ۵۸۷۔ ایشیا میں ۹۳۷۔ افریقہ میں ۲۷۶۔ امریکہ میں ۱۶۲۴۔ اور ہندوستان میں تقریباً ۱۴۰۔ میزان ۳۸۲۴۔

مختلف زبانوں سے نہ صرف علم میں ترقی ہوتی ہے، بلکہ ایک انسان کی وقعت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ مختلف زبانوں کا عالم ہے۔ ایک شخص زبانوں کے مطالعہ سے ماہرِ علوم اور اختلافِ الوان پر غور کرنے سے عالم کائنات بن جاتا ہے۔ آیۂ زیرِ بحث میں اَلوان کا ذکر اَلسنہ کے بعد آیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مطالعۂ کائنات حصولِ علم کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ۔

اَلوان | رنگ ازمنۂ تاریخی سے پہلے کی ایجاد ہے۔ ہمیں آثارِ قدیمہ میں کئی ایسی رنگ دار تصاویر ملی ہیں، جو ہزارہا برس پہلے بنائی گئی تھیں۔

سُرخ رنگ ایک پودے مَیڈر (Madder) کی جڑوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ کام تُرک کیا کرتے تھے۔ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں اہلِ یورپ نے بھی یہ ہُنر سیکھ لیا۔ ۱۸۴۹ء میں پکرک ایسڈ (Picric Acid) کو زرد رنگ کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ یہ مواد مسٹر وُلف نے انڈیگو نائٹرک ایسڈ سے ملا کر تیار کیا تھا۔ ۱۸۶۵ء میں کونین کا تجزیہ کرتے کرتے مسٹر درگوئن نے سرخ رنگ کا مواد پالیا۔ اور اس کا نام میگنیٹا (Magneta) رکھا۔ کچھ عرصہ پہلے رنگ پتوں اور جڑوں سے حاصل کیا جاتا تھا۔ بعد میں کیمیاوی طریقوں سے تیار ہونے لگا۔ ۱۸۵۸ء میں مسٹر پیٹر گریس نے معلوم کیا کہ امونیا کے مرکبات میں نائٹروجن کا ایک جوہر ہائیڈروجن کے

تین جوہروں کا بدل ہو سکتا ہے اور کہ اس مرکب میں کاربولک ایسڈ اور اینلین (Aniline) ملا کر مختلف رنگ تیار ہو سکتے ہیں جن سے ریشم، سوت، لکڑی اور چمڑے وغیرہ کو رنگ دیا جا سکتا ہے ۱۸۸۳ء سے پہلے ان مواد کو استعمال کرتے وقت المونیم و دیگر مرکبات سے مدد لی جاتی تھی۔ لیکن ۱۸۸۳ء میں مسٹر بائیر نے ایک ایسا مادہ دریافت کیا، جس سے کسی دوسرے مرکب کی مدد کے بغیر اشیاء کو رنگ دیا جا سکتا ہے نارنجی رنگ انڈیگو اور برومین کا مرکب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں رنگ اصداف وغیرہ سے حاصل کیے جاتے تھے اور اب دو ہزار سے زائد مواد رنگدہ ایجاد ہو چکے ہیں۔

کپڑا کیوں رنگ قبول کرتا ہے: اس کے متعلق مختلف نظریے ہیں۔ زیادہ معقول نظریہ یہ ہے کہ موادِ رنگدہ اور کپڑے کے اجزاء میں مختلف بجلیاں (مثبت و منفی) موجود ہوتی ہیں، اس لیے کپڑا رنگ کو کھینچ لیتا ہے۔ اونی کپڑے میں ذراتِ برقیہ کی باہمی کشش سوتی کپڑے سے پندرہ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اونی کپڑے کا رنگ پائدار ہوتا ہے اور سوتی کپڑا جلدی پھیکا پڑ جاتا ہے۔

حیوانوں کے رنگوں میں حکمت: گیدڑ، لومڑی، ہرن، خرگوش، چکور، تیتر اور بٹیر ہم رنگِ زمین یعنی، خاکستری ہوتے ہیں اور ان کا یہ رنگ انھیں اعداء سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر ایک خرگوش سبز، زرد یا سرخ ہوتا تو شکاری جانوروں کو بہت دور سے نظر آ جاتا۔ اور بہت جلد نہنگِ اجل کا لقمہ بن جاتا۔ جو خرگوش ہمارے گھروں میں رہتے ہیں اور ان کی نگرانی انسان کے سپرد ہوتی ہے، وہ سفید ہوتے ہیں۔ بعض شکاری جانور مثلاً باگھ، بھیڑیا وغیرہ بھی خاکی رنگ کے ہیں، تاکہ شکار انھیں دور ہی سے دیکھ کر بھاگ نہ جائے اور یہ بھوکے نہ مر جائیں۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُہَا۔ (ہود۔۶) | تمام جانداروں کے رزق کا کفیل اللہ ہے۔
افریقہ کے جنگلوں میں شیر بہت زیادہ ہیں اور ابلق گدھے بھی کافی ہوتے ہیں۔ ان غیر مفید گدھوں کو شیر کافی دور سے دیکھ پاتے ہیں اور فوراً پیچھا شروع کر دیتے ہیں۔ گدھوں کی یہ رنگت بہت سے مفید جانوروں کو شیر کے حملے سے محفوظ رکھتی ہے۔

گائے، بیل، گھوڑے، کتے اور بلی کے رنگ میں اس لیے تنوع ہوتا ہے کہ یہ جانور انسانی پناہ میں رہتے ہیں اور انھیں ہم رنگِ زمین بننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انسان ان کی حفاظت کرتا ہے اور یہ اپنے مختلف رنگوں کے باعث انسان کے متنوع پسند ذوق کے لیے سامانِ فرحت بہم پہنچاتے ہیں۔

ماحصل یہ کہ جو حیوانات انسانی پناہ میں رہتے ہیں، اللہ نے انھیں قدرتی اسباب حفاظت سے محروم کر دیا ہے۔ دوسری طرف ہرن کو خاکی رنگ دیا تاکہ دور سے نظر نہ آسکے۔ تیز ٹانگیں دیں کہ آندھی کو بھی پیچھے چھوڑ جائے۔ دبلا پن دیا کہ دوڑ میں ہانپ نہ جائے۔ سچ ہے اللہ انھی کا ہوتا ہے جن کا کوئی نہیں ہوتا اور جو اپنی حفاظت کی خود فکر کرتے ہیں۔ انسانی پناہ (غلامی) میں رہنے والی قوم اونٹ کی طرح بے ڈول، بھینسے کی طرح بھاری بھرکم، کچھوے کی طرح سست، گدھے کی طرح ذلیل اور بلی کی طرح حریص بن جاتی ہے۔ دوسری طرف ایک آزاد قوم شیر کی طرح مہیب، ہرن کی طرح چست، چیتے کی طرح حسین اور عقاب کی طرح تیز رفتار ہوتی ہے:

قہاری و جباری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان (اقبالؒ)

کالا رنگ | گرم ممالک میں رنگ کی سیاہی ایک رحمت ہے جس طرح سبز عینک آنکھوں کو تیز روشنی سے محفوظ رکھتی ہے، اسی طرح کالی چمڑی جسم کے خلیوں کو جلنے سے بچاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سورج کی گرم اور تیز شعاعوں کو جلدی جذب کر کے جلد ہی با

نکال دیتی ہے اور اس طرح جسم کو نقصان نہیں پہنچتا۔ قدرت دھوپ میں کام کرنے والے کسانوں کا رنگ حسب ضرورت سیاہ کر دیتی ہے، تاکہ انھیں نقصان نہ پہنچے۔ یوں سمجھیے کہ کالا رنگ ایک زرہ ہے، جو جسم کو آفتاب کے آتشیں تیروں سے بچاتا ہے۔

علمائے فطرت کا خیال ہے کہ تمام کالے جانور (کوئل، کوا، کالی بکری وغیرہ) خطِ استوا کے ارد گرد پیدا ہوئے تھے اور ان کی یہ رنگت تیز دھوپ سے بچنے کی خاطر تھی۔ یہیں سے ان کی نسلیں دیگر خطوں میں پہنچیں اور وہاں بھی ان کا رنگ کالا ہی رہا۔ اس لیے کہ ایک حبشی کی نسل یورپ میں بھی سیاہ ہی رہتی ہے۔

بالوں کا رنگ | بالوں کی جڑوں میں ایک رنگدہ مادہ ہوتا ہے، جو بڑھاپے میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ہوا لے لیتی ہے، اس لیے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ بوڑھا ضعف کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا اور سائے میں پڑا رہتا ہے اور جوان کو دھوپ میں کام کرنا پڑتا ہے، اس لیے اللہ نے اسے کالے رنگ کے بال عنایت کیے، تاکہ سر کو دھوپ سے نقصان نہ پہنچے۔ دفتر میں کام کرنے والے کلرکوں اور دیگر سایہ نشینوں کے بال جلدی سفید ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ قدرت ان کے بالوں کو سیاہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔

رنگ کے لحاظ سے انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ سفید و غیر سفید۔ سفید اقوام کی جلد میں سرخ رنگ دینے والا مادہ ہوتا ہے، جسے کراموجن (Chromogen) کہتے ہیں اور دیگر اقوام میں سیاہ رنگ دینے والا مادہ ہوتا ہے، جسے فرمنٹ (Ferment) کہا جاتا ہے۔ زیبرا کے بعض حصوں میں فرمنٹ ہوتا ہے اور بعض میں صرف ہوا، اس لیے وہ ابلق بن جاتا ہے۔ فرمنٹ میں ہائیڈروجن پیرا کسائڈ ملانے سے اسے سرخ، زرد اور براؤن بنایا جا سکتا ہے۔ یہ کیمیاوی عمل نباتات و حیوانات میں سدا جاری رہتا ہے، اسی لیے بعض حیوانات کے رنگ میں حسب عمر تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔

رنگ وہ مادہ صرف روشنی میں پیدا ہوتا ہے۔ چوں کہ پروٹیس (ایک فٹ بھر لمبا جانور) ایسی غاروں میں رہتا ہے، جہاں روشنیٔ آفتاب کا گذر نہیں ہو سکتا، اس لیے اس کا رنگ سفید رہتا ہے۔

ہمیں سمندر کی گہرائیوں میں بعض رنگین جانور ملے ہیں، حالاں کہ وہاں روشنیٔ آفتاب کا گذر تک نہیں ہوتا۔ مزید تلاش و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ سمندر کے نیچے بعض ایسی مچھلیاں رہتی ہیں، جن کے سروں پر بجلی کے مشعل ہوتے ہیں۔ نیز لولو و مرجان کی روشنی بھی سمندری تہوں میں موجود ہوتی ہے اور یہ روشنی رنگ وہ مادہ تیار کرنے کے لیے کافی ہے۔

گرگٹ کا رنگ گرگٹ کے علاوہ چند ایسے حشرات اور مچھلیاں دریافت ہوئی ہیں جن کا رنگ عموماً بدلتا رہتا ہے، جس کی وجہ کوئی خاص واقعہ یا حادثہ ہوتا ہے۔ مثلاً ڈر، شرم، غم، مسرت وغیرہ کہ یہ کیفیات رنگ دینے والے مادے میں ایک ہیجان اٹھا دیتی ہیں۔ رنگ کا ایک سیلاب جلد پر اُمنڈ آتا ہے اور پہلے رنگ کو بدل دیتا ہے۔

الغرض فطرت کے جس پہلو پر نگاہ ڈالو:

کرشمۂ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است

یہ کائنات معجزاتِ تخلیق کا ایک عظیم الشان نگار خانہ ہے جس کا ہر منظر عقلِ انسانی کو حیرت میں ڈال دیتا ہے یا ایک ادبستان ہے، جہاں آیاتِ الٰہی کا عملی درس دیا جاتا ہے۔ یہ کوہ و دریا، یہ ابرو باراں، یہ لیل و نہار صحیفۂ فطرت کے وہ اوراق ہیں، جن پر عظمتِ انسانی کے اسرار درج ہیں۔ وہ اقوام آج کس قدر ذلیل ہیں، جو ان اسرار آیات سے آشنا نہیں۔ سورۂ جاثیہ کی اس تنبیہ پر ذرا غور فرمائیے:

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اس میں کوئی کلام نہیں کہ زمین و آسمان میں مومنوں

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ۝ وَيْلٌ لِكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (جاثیہ آیت ۴تا۸)

کے لیے آیات موجود ہیں۔ تمھاری تخلیق اور حیوانات کی فراوانی میں ارباب یقین کے لیے آیات موجود ہیں۔ لیل و نہار کے اختلاف، زمین کو زندہ کر دینے والے قطرات باراں، ہواؤں کے رخ بدل کر چلنے میں عقل مندوں کے لیے آیات موجود ہیں۔ یہ اللہ کی وہ آیات ہیں جو ہم تمھیں صحیح صحیح سنا رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ ان آیات کی پروا نہیں کرتے، تو پھر اور کون سے دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ اللہ پر ایمان لائیں گے۔ اُس بدکار و کذاب پہ لعنت جو ہماری ان آیات کو سننے کے بعد اپنی جہالتوں پر یوں جما رہتا ہے کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں (آج کل کے مسلمان کا یہ نقشہ ہے) ایسے کذاب کو خوفناک عذاب کی بشارت دے دے۔ (اللہ اور اُس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ اُس عذاب میں آج ہم گرفتار ہیں)

غور فرمایا آپ نے کہ خزائن ارض و سما سے متمتع ہونے والوں کو ارباب عقل و ایمان کہا گیا ہے اور ان آیاتِ قوت و ہیبت سے اعراض کرنے والوں کو عذاب الیم کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ دونوں منظر آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اقوامِ یورپ نے آیاتِ ارض و سما پر دھیان دیا اور تمام عالم اُن کی دانش پہ شاہد ہے۔ دوسری طرف ہم نے کائنات سے منہ پھیر لیا اور سارا جہان ہماری ذلت، جہالت، حماقت اور نامرادی پر شہادت دے رہا ہے:

اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی
(اقبال)

باب (۸)

معجزاتِ جبال

اَفَلَا یَنظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ۝ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ۝ وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ۝ وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ۝ فَذَکِّرۡ اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ (غاشیہ)

کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اونٹ کی تخلیق کیسے ہوئی، آسمان کیوں کر مرتفع کیا گیا۔ پہاڑ کیسے نصب کیے گئے اور زمین کیوں کر بچھ گئی۔ اے رسُولِ اعلائے الٰہی کی ایمان افروز داستان ان کو سنا کہ یہ تیرا فرض ہے۔

پہاڑوں کی قدر و قیمت پہاڑ ہماری دولت، ہتھیار، وجہِ قیام اور وسیلۂ حیات ہیں۔ ان سے مختلف معدنی چشمے نکل کر ہماری کھیتیوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ان کی بلندیوں پر چیڑ اور دیودار جیسے مفید درخت اُگتے ہیں یہی پہاڑ آگ اُگل کر بطنِ زمین کے خزائن ہمارے استعمال کے لیے باہر پھینکتے ہیں۔ کوئلہ، چاک، چونا، تانبا، سونا، لوہا اور دیگر معادن پہاڑوں کی آغوش سے دستیاب ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کی قدر و قیمت انہی معادن کی وجہ سے ہے۔

جس طرح انسان علم کے بغیر مُردہ خیال کیا جاتا ہے، اسی طرح پہاڑ معادن کے بغیر قالبِ بے جان سمجھے جاتے ہیں۔ یہ پہاڑ کروڑوں سال تک سمندر کے نیچے رہے اور جوان ہونے کے بعد معادن کی ایک دنیا پہلو میں لیے باہر آئے۔ حقیقتاً پہاڑ پانی کے یا اِنسان کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔

وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ (انبیاء ۳۰) ہم نے ہر چیز کو پانی کی بدولت زندگی بخشی۔

طبقاتِ جبال دنیا کی ادنیٰ کے ذریعے جو طبقات تجارِ بطنِ زمین سے برآمد ہوئے ہیں،

ان کے معاینہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کی تہ میں مختلف قسم کے پتھر موجود ہیں۔ مثلاً:

۱۔ گرانیٹ۔ اس بلورین پتھر میں سفید، سبز، سیاہ یا بھورے رنگ کا ابرک ہوتا ہے۔

۲۔ فلسیٹ۔ یہ پتھر صاف، چمکیلا اور ہلکے خاکستری یا سبز رنگ کا ہوتا ہے، لیکن ہوا کے اثر سے اس کی بیرونی سطح سفید سی ہو جاتی ہے۔ خوردبین سے دیکھنے پر یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک غیر مکمل بلورین پتھر ہے۔

۳۔ ٹراکیٹ۔ یہ ایک کمزور سا بلورین پتھر ہے، جس کا رنگ عموماً ہلکا خاکستری، سبزی مائل اور بعض اوقات گہرا خاکستری، سیاہ یا سفید ہوتا ہے۔

۴۔ انڈی سیٹ۔ اس کا رنگ بھورا، سبزی مائل یا خاکستری ہوتا ہے اور سیپ کی طرح معمولی صدمے سے ٹوٹ جاتا ہے۔

۵۔ ڈایابیج۔ یہ مختلف رنگوں کا دانے دار پتھر چٹانوں کی گہرائی میں دھنسا ہوا ملتا ہے۔

۶۔ ڈالریٹ۔ اس کی ساخت ستونی و شش پہلو سی ہوتی ہے۔ اس میں لوہا زیادہ ہوتا ہے اور اسی لیے سیاہ نظر آتا ہے۔

۷۔ گرافیٹ۔ خالص حجری کاربن، جس سے پنسل بنائی جاتی ہے۔

۸۔ کاربونیٹ آف لائم۔ چاک، ولایتی چونا اور سنگ مرمر اسی کاربونیٹ سے تیار ہوتے ہیں۔ اگر پانی میں کاربونک ایسڈ موجود ہو اور وہ کسی پتھر پر ٹپک رہا ہو تو یہ پتھر تحلیل ہو کر بہ نکلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں چونا بکثرت ہو، وہاں غار بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ آبی علاقوں میں بعض غاروں کی چھت سے پانی ٹپکتا ہے۔ کچھ حصہ بخارات بن کر اڑ جاتا ہے اور حل شدہ کاربونیٹ فرش پر ستون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ منظر کشمیر کے ایک مقام امرناتھ میں نظر آتا ہے۔

۹ چقماق۔ اگر چونے کے پتھر سے بلورین مادہ علیحدہ ہو جائے تو سمجھیے چقماق رہ جا

ہے ۔ یہ پتھر وہیں چلتا ہے، جہاں آبی احجار کی کثرت ہو ۔

۱۰۔ کوئلہ۔ کوئلہ نباتات سے تیار ہوتا ہے۔ اگر ہم آئرلینڈ کی دلدلوں یا شمالی انگلستان کی کائیوں کا معائنہ کریں تو زندہ نباتات کوئلے میں تبدیل ہوتی نظر آئیں گی۔ وہاں سطح زمین پر کائی زمین دوز بیلوں کے ساتھ لپٹی ہوئی ہے۔ دو تین انچ نیچے بھورے رنگ کا ایک اسفنجی مواد نظر آتا ہے، جو گلی سڑی گھاس کے ریشوں اور جڑوں سے تیار ہو رہا ہے۔ ذرا اور نیچے یہی مواد سیاہ بن رہا ہے۔ قدرے اور نیچے دیکھیے تو یہ مادہ کالے رنگ کی گوند بنا ہوا ہوگا۔ جسے پنیر کی طرح کاٹا جا سکتا ہے۔ اگر اس گوند کو کسی عمل سے خشک کیا جا سکے تو کوئلہ تیار ہو جائے گا۔

ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ جو درخت ٹیلوں کے نیچے دب جاتے ہیں، وہ چند صدیوں کے بعد سیاہ ہو کر کوئلہ یا کوئلہ نما بن جاتے ہیں۔ کوئلے کی کانوں میں زغالی طبقات پر نباتی شاخو اور ساقوں کا ایک جال سا نظر آتا ہے۔ اگر کوئلے کا خوردبینی معائنہ کیا جائے تو نباتی بافتیں صاف صاف دکھائی دیں گی۔

ہیرا اسی کوئلے کا حقیقی بھائی ہے۔ ہر دو کاربن سے تیار ہوئے ہیں۔ ان کے رنگ میں تفاوت اس لیے ہے کہ کوئلہ درختوں سے اور ہیرا درختوں کی گوند سے تیار ہوتا ہے۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ...	پہاڑوں کے سفید، سرخ، سیاہ اور دیگر مختلف اللون طبقات پر غور کرو ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ اور یاد رکھو کہ اللہ

... إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۷-۲۸) سے صرف علمائے فطرت ہی ڈرا کرتے ہیں۔

سمندر کے بیٹے | ہمیں پہاڑوں سے مندرجہ ذیل چیزیں ملی ہیں:

۱۔ ایسی سیپیاں جو سمندروں ہی میں ہو سکتی ہیں۔

۲۔ حیواناتِ آبی کے بے شمار ڈھانچے۔

۳۔ دلدلوں پر رینگنے والے کیڑوں کے نشانات۔ آج سے لاکھوں برس پہلے ساحلی دلدل پر سے کوئی رینگنے والا جانور گندا چکنی مٹی پر ایک لکیر سی بن گئی اور آج جب پہاڑ کو کھودا تو کئی ایسے نشانات برآمد ہوئے۔

ان حقائق سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ یہ پہاڑ لاکھوں سال تک سمندر کے نیچے رہے اور یہ دراصل سمندر ہی کے بیٹے ہیں۔

تدوینِ جبال | سمندر میں پہاڑ دو طرح سے تیار ہوتے ہیں:

اوّل۔ زلزلوں کی وجہ سے بطنِ زمین کا مواد باہر آجاتا ہے اور سمندر کی گہرائی میں پہاڑ کی طرح جمع ہو جاتا ہے۔

دوم۔ ندیاں، نالے اور دریا، پتھروں کی بہت بڑی مقدار بہا کر سمندر میں لے آتے ہیں اور خود سمندر بھی ساحلی چٹانوں کو تھپیڑے امواج سے توڑتا رہتا ہے۔ پانی میں چند معادن محلولہ موجود ہوتی ہیں، مثلاً چونا، لوہا، سلیکا وغیرہ، جو گوندبن کر ان پتھروں کو جوڑ دیتی ہیں اور اس طرح سمندر میں کئی سو میل لمبی اور کئی ہزار فٹ اونچی چٹانیں تیار ہو جاتی ہیں۔ ان حجری تہوں کو جمانے کے لیے پانی کا دباؤ بہت مؤثر ثابت ہوتا ہے اور دریاؤں کی لائی ہوئی چکنی مٹی بھی گارے کا کام دیتی ہے۔ یہ عمل ان گنت صدیوں تک جاری رہتا ہے اور جب وہ حکیم علی الاطلاق دیکھتا ہے کہ خشکی کے اکثر پہاڑ اخراج معادن کی وجہ سے تہی دست، بے نوا و بے کار ہو چکے ہیں اور پانی کے اندر زر و جواہر سے لبریز پہاڑوں کی ایک نئی دنیا تیار ہو چکی ہے، تو اس کی رحمت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ وہ زمین کو یوں جھنجھوڑتا ہے کہ بلند پست اور پستیاں بلند ہو جاتی ہیں۔ پانی ادھر ادھر بہ نکلتا ہے اور نیچے سے نوجوان پہاڑ دفائن و خزائن کی دنیا ہمراہ لیے باہر آجاتے ہیں۔

مجھے سمندر کی حیثیت یوں نظر آتی ہے کہ یہ ایک مرغی ہے جو انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔

جب بچے تیار ہو جائیں گے، تو مرغی اوپر سے اُڑ جائے گی اور بچے (پہاڑ) باہر آ جائیں گے۔ وہ حکیم مطلق کوئی کام بلا ضرورت نہیں کیا کرتا، جب تک موجودہ پہاڑوں میں معادن کے ذخائر موجود ہیں، ایسا شدید زلزلہ کبھی نہیں آئے گا اور جب یہ دو پہاڑوں کی دولت ختم ہو جائے گی تو نسلِ انسانی کی خاطر نئے پہاڑ باہر آ جائیں گے۔ سچ ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا (بقرہ۔ ۱۰۵)

جب ہم کائنات کے بعض مناظر مٹا دیتے ہیں تو اُن سے بہتر یا ویسے ہی اور مناظر پیدا کر دیتے ہیں۔

جس زمین پر آج ہم چل رہے ہیں۔ یہ کسی وقت پانی کے نیچے تھی اور میری نگاہ مستقبل کی تاریکیوں میں وہ زمانہ بھی دیکھ رہی ہے، جب یہ زمین پھر سمندر کے نیچے چلی جائے گی۔ خالقِ فطرت کا ہر عمل ایک عظیم الشان حکمت کا حامل ہے۔ یہ دنیا کیا ہے؟ ایک پُر عظمت کیمیا خانہ۔ پہاڑ بن اور بگڑ رہے ہیں۔ ہوائیں چل رہی ہیں۔ صحرا تپ رہے ہیں اور کائنات کا وہ کیمیاگر اس معمل میں بیٹھ کر نئے نئے تجربے کر رہا ہے۔ رنگا رنگ پھول میوے اور پودے بنا رہا ہے۔ اس کا رگاہِ عالم کے عجیب تغیر و تنوع پر غور کیجیے اور انصاف فرمائیے کہ اس صناعِ بے چون کی حیرت انگیز تخلیق و تزئین کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

اے رب! تو ہی بتا کہ ہم اس حیرت و ہیبت کو کیسے صرف کریں جو تیرے اس مہیب کارخانے پر ایک جھلکتی سی نگاہ ڈالنے سے ہم۔۔۔ سے قلب پر طاری ہو جاتی ہے۔ اس خشیت کو بے شمار سجدے، لاتعداد نمازیں ۔۔۔ تسبیحیں بھی کم نہیں کر سکتیں۔ یہ ایک اضطراب ہے، روح افروز بے چینی ہے ۔۔۔۔ مجھے عریاں و ہیئت کا ایک ناقابلِ تسخیر ہیجان ہے۔ تیری روشنی مجھے ٹمٹماتے ہوئے ستاروں میں نظر آئی۔ تیری ایک تبسم نما سی جھلک مسکراتے ہوئے پھولوں میں دیکھی۔ تیری عظمت بلند پہاڑوں سے

ترانے گاتی ہوئی اُتر رہی ہے میں گھبرا رہا ہوں، پسینہ چھوٹ رہا ہے، نبض تیز ہو رہی ہے اور سینے میں تجھ سے لپٹ جانے کی بے پناہ تمنائیں کروٹ لے رہی ہیں۔ او میرے حسین آقا! میں اب سمجھا کہ موسیٰؑ کیوں بے ہوش ہوا تھا۔ جب مجھ جیسا بے بصیرت انسان کو ہساروں کو دیکھ کر تیرے جلال و شکوہ کے تصور سے تھرا اٹھتا ہے تو موسیٰؑ جیسا راز دانِ قدس طورِ سینا کے دامن میں تیری لرزہ فگن سطوت کو دیکھ کر کیوں مدہوش نہ ہوتا۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ (اعراف ۱۴۳)	الٰہی تجلیوں سے کوہ طور کے پرخچے اُڑ گئے اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر گیا۔

عالمِ آب و خاک میں تیری نگاہ سے شباب
ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے فروغِ آفتاب (اقبالؒ)

دو زلزلے | زلزلے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وُہ جو بطنِ زمین سے اٹھتے ہیں اور دوسرے وُہ جن کا مرکز انسانی دل و دماغ ہوتا ہے۔ زمینی زلزلے زمینی دفائن کو باہر پھینک دیتے ہیں اور انسانی زلزلے انسانی جوہر کو عریاں کر دیتے ہیں۔ عربی میں کاشت کاری کے لیے لفظ "فلاحہ" ہے جس کا مادہ "فلح" ہے، یعنی زمین کی زندہ تہوں کو قبضہ اِنی سے باہر لے آنا جس طرح دہقان زمین کی زندہ قوتوں کو بے نقاب کر دیتا ہے، اسی طرح محنت (انسانی زلزلہ) انسان کی تمام قلبی و دماغی طاقتوں کو بروئے کار لے آتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے محنتی، جفاکش اور کامران افراد و اقوام کو مُفلح کہا ہے۔

.... وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	.... اور اُن کی خفیہ طاقتیں عیاں ہو رہی ہیں۔

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی — رُوحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب
صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم — کرتی ہے جو ہر زماں رُوحِ عمل کا حساب (اقبالؒ)

خدائی تعزیرات میں سب سے بڑا جرم کاہلی ہے اور آج اسی کاہلی کی پاداش میں مُسلم پِٹ

رہا ہے۔ دنیا کی تمام بد اخلاقیوں اور ذلتوں کی وجہ جہالت ہے اور جہالت کی وجہ سُستی۔ عموماً یہ شکایت سُننے میں آتی ہے کہ "اجی کیا کریں، بے گانوں کی حکومت ہے۔ اگر اپنی حکومت ہوتی تو سب کچھ ہو جاتا!" یہ عذر ہائے لنگ قطعاً قابلِ سماعت نہیں۔ اوّل، اس لیے کہ حکومت نے تلاشِ علم کے لیے کچھ آسانیاں ہی مہیا کی ہیں، کہیں کوئی خاص رکاوٹ کھڑی نہیں کی۔ دوم، جن ممالک (عرب، ایران، افغانستان وغیرہ) میں آپ کی سلطنت قائم ہے، وہاں آپ کون سا کمال دکھلا رہے ہیں؟ جہالت کی تاریک گھٹائیں وہاں بھی اسی طرح محیط ہیں۔ احتیاجِ سیاسی و اقتصادی کا وہاں بھی یہی عالم ہے۔ قلم، پنسلیں اور چاقو تک وہاں بھی یورپ سے منگوائے جاتے ہیں۔ کیا آپ نے آج تک کسی چیز پر میڈ اِن ٹرکی، ایران یا عرب لکھا ہوا دیکھا ہے؟ کبھی نہ دیکھا ہوگا اور ابھی شاید اس کے لیے دو چار سو سال اور انتظار کرنا پڑے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں علم کا تصور قطعاً بگڑ چکا ہے۔ ہمارے خانہ برانداز مُلّاؤں نے فقہی مسائل اور غلط سلط منطقی قضایا کو معراجِ علم قرار دے دیا ہے۔ ہر جمعہ کو لاکھوں مساجد سے اس موضوع پر تقاریر کے دریا بہائے جاتے ہیں اور اب ہماری رگ رگ میں یہ تخیل اُتر چکا ہے کہ خانقاہوں سے "اللہ" کے نعرے بلند کرنا معراجِ تقدس اور دیوبند سے چند فرسودہ کتابیں پڑھ آنا انتہائے علم ہے اور یہ پہاڑوں، دریاؤں، دھاتوں، پُلوں، ریلوں، توپوں، جہازوں، طیاروں اور ٹینکوں کا علم محض مادہ پرستی و دنیا طلبی ہے۔ یا للعجب!

دین و دنیا کی اس مُہلک تفریق اور علم کے متعلق اس غیر اسلامی، غیر قرآنی، غیر فطری اور غیر خدائی تخیل نے مُسلم کا ستیاناس کر دیا۔ اس کی دین و دنیا ہر دو تباہ ہو گئے۔ اس کی کشتی آمریت و جمہوریت کی امواجِ ذخار میں گرفتار ہے اور یہ جہالت کا پیکر ضعف و

اضمحلال کے مہیب نتائج میں اُلجھا ہوا کبھی سائنس کی پناہ ڈھونڈتا ہے، کبھی صدرِ امریکہ کی آغوش میں گھستا ہے، اور کبھی فانصرنا علی القوم الکافرین کی لمبی لمبی دعائیں مانگتا ہے۔ جب تم گذشتہ دو سو برس سے دیکھ رہے ہو کہ اللہ کاہلوں کی دعائیں نہیں سنتا تو پھر اس فریب کاری اور فریب خوردگی سے کیوں باز نہیں آتے؟ کیوں دل و دماغ، سمع و بصر اور دست و پا کو استعمال نہیں کرتے؟ اور کیوں کاہلوں کے عبرت انگیز انجام اور باعمل اقوام کی کامرانیوں پر درس طلب نگاہ نہیں ڈالتے؟

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ زندہ اقوام طاقت کی بھوکی ہیں جو اپنی موت سے پہلے زلزلے سے دنیا پر وارد ان مخفی طاقتوں کو بروئے کار لے آتی ہیں اور پھر وہ ان زلزلوں (جو زلزلوں کے رستہ باہر آتے ہیں) سے مستفید ہو کر اللہ سے انعامِ سلطنت پاتی ہیں۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا | جب زمین میں زلزلہ آئے گا اور زمین کے خزانے باہر

لہ یہ چند کی آیت یوم حشر سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن علامہ کی تفسیر کا منشا بھی مختلف ہو سکتی ہے۔ مولانا الیمانی ... نے اس سورہ کا حسبِ ذیل ترجمہ کیا ہے:

جب زمین ہلائی جاتی ہے اپنا ہلایا جانا۔ اور زمین نکال دیتی ہے اپنے مدفون بوجھوں کو۔ زمین اُس وقت تہ و بالا ہو جاتی ہے۔ اور انسان (حیران و پریشان ہو کر) کہتا ہے کہ اس زمین کو کیا ہوا؟ اُس دن یہ زمین تہ و بالا ہو کر اور اپنے اندرونی طبقات کو کھول کر اپنی خبریں بتاتی ہے۔ یہ خبریں پیچھے رہ جانے والے یا پیچھے آنے والے لوگ حاصل کرتے ہیں۔ طبقات الارض سے زمین کی بہت سی تاریخ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ (یہ خبریں زمین دیتی ہے) اس لیے کہ تیرے رب نے اُس (زمین) کے فائدہ (اور آئندہ کام دینے) کے لیے اس میں وحی کی ہوئی ہے۔ اس دن وہ (مرنے والے) لوگ الگ الگ ہو کر (آخرت میں) نکل جاتے ہیں تاکہ انھیں اُن کے عمل دکھائے جائیں۔ انسان کا احساس بڑھ جاتا ہے سب اعمال سامنے آ جاتے ہیں۔ سو جو شخص ذرہ برابر بھلائی کرتا ہے اُسے دیکھ لیتا ہے اور جو

اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ہ	باہر آجائیں گے تو انسان حیرت سے پوچھے گا کہ یہ
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ہ يَوْمَئِذٍ	کیا ہو گیا۔ اُس وقت زمین اگزشتہ ہزارہا صدیوں
تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ہ بِاَنَّ رَبَّكَ	کی حکایت سنا رہی ہوگی اور یہ سب کچھ الٰہی حکم سے
اَوْحٰى لَهَا ہ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ	ہو رہا ہوگا۔ تب انسان مختلف گروہوں میں بٹ
اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ہ	جائیں گے (بعض ان معادن سے فائدہ اٹھائیں گے
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا	اور بعض نہیں اٹھائیں گے) اور یہ تمام گروہ اپنے
يَّرَهٗ ہ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ	اعمال کے مطابق اجر پائیں گے اور ہر ایک کو ذرہ بھر
ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ہ (زلزال ۱تا ۸)	نیکی و بدی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قلندراں کہ بہ تسخیرِ آب و گِل کوشند ۔۔۔ ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بہ جلوت اند و کمندے بہ مہر و ماہ پیچند ۔۔۔ بہ خلوت۔ ند و زماں و مکاں در آغوش اند
(اقبال)

وجہِ زلازل صفحاتِ گزشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ زمین کا پیٹ ایک بھڑکتی ہوئی بھٹی کی طرح ہے۔ ہر بھٹی کے لیے ایک چمنی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ کوہ ہائے آتش فشاں اس بھٹی کی چمنیاں ہیں جن کے ذریعے اندرونِ زمین کے بخارات باہر نکلتے ہیں۔ اگر لاوے کی کثرت یا کسی اور وجہ سے برکان (کوہ آتش فشاں) کا منہ بند ہو جائے تو یہ بخارات کوئی اور راستہ تلاش کرتے ہیں اور جہاں کہیں زمین کی کوئی نرم تہہ مل جاتی ہے تو اُسے چیر کر بڑے زور سے نکلتے ہیں کہ زمین ہل جاتی ہے۔

جب کسی برکان سے دُھواں نکلنا بند ہو جائے تو سمجھو کہ زلزلہ آیا۔ ۱۷۳۳ء میں

(حاشیہ بقیہ از صفحہ ۲۳۰) شخص ذرہ بھر شرارت کرتا ہے، اُسے دیکھ لیتا ہے۔
انسان خیر و شر کو پہچانتا ہے۔ قد تبین الرشد من الغی ۔ ملا لوگوں نے فرضی اور خیالی خیر و شر پیدا کر لی ہیں۔ بعض لوگ پیر پرستی اور تعزیہ پرستی و قبر پرستی کو بھی خیر جانتے ہیں۔ معاذ اللہ پناہ بخدا۔ (تفسیر بیان للناس منزل ہفتم صفحہ ۲۶۵)

کلیبریا کے چھوٹے برکان کا دُھواں بند ہو گیا تھا اور معاً زبردست جھٹکے محسوس ہوئے۔ ۱۷۹۹ء میں جزائر انڈیز کے پیسٹو سے دُھواں نکلنا موقوف ہو گیا تھا۔ نتیجۃً ایک ایسا زلزلہ آیا کہ شہر ریوبمبا کے چالیس ہزار نفوس ہلاک ہو گئے۔

مسٹر مالٹ نے زلزلوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے جس میں ۱۶۰۶ ق م سے ۱۸۴۲ء تک کے زلزلے درج ہیں۔ اس کے بعد ایک فرانسیسی محقق موسیو ڈیژان نے ۱۸۵۰ء تک کے زلزلوں کو گن ڈالا ہے۔ اس ۳۴۴۸ برس کے عرصے میں ۶۸۳۱ ایسے زلزلے آئے جن کا حال قلم بند ہو چکا ہے لیکن ایک بہت بڑی تعداد انسانی ذہنوں سے اُتر گئی۔ یہ زلزلے اوّل تو تاریخ میں درج نہ ہو سکے اور جو درج ہوئے، وہ محفوظ نہ رہ سکے۔ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۰ء تک کے زلزلوں کو ذرا احتیاط سے قلم بند کیا گیا ہے، ان کی تعداد ۳۵۰۰ کے قریب ہے۔ اگر صرف پچاس سال کے عرصے میں ساڑھے تین ہزار بھونچال آئے ہیں تو ۳۴۴۸ سال میں یہ تعداد ۲ لاکھ تیرہ ہزار ہونی چاہیے تھی، لیکن افسوس کہ ان کا حال اوراق تاریخ میں نہیں ملتا۔

زلزلوں کی تقسیم | مسٹر مالٹ نے زلزلوں کی مندرجہ ذیل تقسیم کی ہے:

۱۔ بڑے زلزلے یعنی جن کا اثر ۱۰۰۰ میل سے ۲۰۰۰ میل تک محسوس کیا گیا۔

۲۔ متوسط درجہ کے زلزلے " ۴۰۰ میل سے ۲۰۰ میل تک محسوس کیا گیا۔

۳۔ معمولی زلزلے " ۱۰۰ میل " ۱۵۰ " " "

مذکورہ بالا طویل عرصے یعنی ۳۴۴۸ برس میں صرف ۲۱۶ بڑے زلزلوں کا حال ہمیں معلوم ہے اور دوسری طرف ۱۸۰۰ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان ان زلزلوں کی تعداد ۵۲۰ ہے۔ ان اعداد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں ہر سال ایک بڑا زلزلہ آیا اور اگر چھوٹے زلزلوں کو بھی ان میں شامل کر لیں تو یہ تعداد آٹھ فی ماہ تک پہنچ جاتی ہے۔

زلزلوں کی طاقت | زلزلوں کا مرکز زمین کے اندر ۳۵ میل کی گہرائی میں ہے۔ اس مرکز میں زلزلے کی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے جب یہ رَو زمین کی تہوں کو چیرتی ہوئی اوپر کو اٹھتی ہے، تو مقاومت کی وجہ سے راہ میں سُست پڑ جاتی ہے اور اصل طاقت کی صرف ایک کسر باقی رہ جاتی ہے، تاہم یہ لہر اس قدر طاقت وَر ہوتی ہے کہ ریو بمبا کے زلزلے نے بعض آدمیوں کو اُچھال کر سَو فٹ کی بلندی پر پھینک دیا تھا اور رو میپائی (اٹلی) کے زلزلے نے آٹھ آٹھ سَو من کی چٹانیں ہزار ہزار گز اوپر ہَوا میں اُچھال دی تھیں۔ ان حقائق کے علم کے بعد حضرت امیر مینائی کے اس شعر میں کوئی مبالغہ نہیں معلوم ہوتا:

مَیں وہ مردُود ہوں کہ ڈرتا ہوں　　چرخ پر پھینک دے زمیں نہ کہیں

سطحِ زمین کا مدّوجزر | زلزلوں کی وجہ سے سطحِ زمین کہیں بلند اور کہیں پست ہو جاتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ جنوبی امریکہ میں ۱۸۳۵ء میں ایک شدید زلزلہ آیا، جس کا اثر چھ لاکھ مربع میل تک محسوس کیا گیا۔ سطحِ زمین دو سے سات فٹ تک بلند ہو گئی اور بعض ندیوں کی رفتار زیادہ ڈھلان کی وجہ سے تیز ہو گئی۔

۲۔ والپریزو کے پاس تیرہ سَو فٹ کی بلندی پر سیپیاں ملی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطۂ زمین صدیوں سمندر کے نیچے رہا اور اب کسی زلزلہ کی وجہ سے باہر آ گیا ہے۔

۳۔ اس قسم کی سیپیاں چیلو کے جنوب میں ۳۵۰ فٹ، شمال میں کوکیمبو کی طرف ۲۰۰ فٹ کی بلندی پر، نیز مشرقی ٹرا ڈل فیوگیو کے شمال میں مشرقی ساحل پر ۱۱۸۰ میل تک اور مغربی کنارے پر ۵،۲۰ میل تک ملی ہیں۔

۴۔ ۱۸۲۲ء میں ایک زلزلہ امریکہ میں آیا، جس کی وجہ سے جزیرہ سنٹا مرایا کی سطح ۹ فٹ بلند ہو گئی۔ یہاں حیواناتِ بحری کے پتھر آج بھی ملتے ہیں۔

۵- ہندوستان میں دریائے اٹک کے دہانے سے کچھ دُور ایک علاقہ کچھ کہلاتا ہے۔ یہاں جون ۱۸۱۹ء میں ایک زلزلہ آیا جس کی وجہ سے ایک شہر بھوج تباہ ہو گیا خشکی کا دو ہزار مربع میل ایک قطعہ پانی میں ڈوب گیا اور اس کے شمال میں ایک خطہ جو ۵۰ میل لمبا اور دس سے سولہ میل تک چوڑا تھا۔ دس فٹ بلند ہو گیا۔

۶- ۱۸۶۵ء میں جرمنی کے ایک فاضل فان بوخ نے اعلان کیا کہ سویڈن، ناروے، ۔۔۔ سے بلند ہو رہا ہے۔

۷- ۱۸۱۶ء میں سپنگن گراہ اور ۱۸۳۲ء میں ڈاکٹر پنگل نے گرین لینڈ کے مغربی کنارے کی پیمائش کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ایگالیکو اور ڈیبکو کے درمیان چھ سو میل تک زمین پست ہو گئی ہے۔

۸- جزیرہ کنڈیا (۱۳۵ میل لمبا) کا مغربی کنارہ ۲۵ فٹ اُبھر آیا ہے اور مشرقی گوشہ پانی میں ڈوب گیا ہے۔

۹- اُس زلزلے کے متعلق جو ۱۸۳۵ء کو ولڈیویا میں آیا تھا، ڈارون لکھتا ہے:

"زلزلے کے دوران میں زمین کی حالت اُس ہلکی کشتی کی طرح تھی، جو سمندر کی خطرناک لہروں کے تھپیڑے کھا رہی ہو"

۱۰- انگلینڈ کے شمالی حصے اُبھر رہے ہیں اور جنوب مشرقی حصے ڈوب رہے ہیں۔ آج سے بہت عرصہ پہلے انگلستان یورپ سے ملا ہوا تھا، بعد میں کسی زلزلے کی وجہ سے علیحدہ ہو گیا۔

۱۱- ریاست ٹینیسی میں ۱۸۱۲ء کے ایک زلزلے نے لمبی چوڑی جھیل پیدا کر دی جس کا نام ہے ریل فٹ۔

۱۲- اسی طرح ریاست ہائے آرکینسس اور کینٹکی میں جنگل کا ایک معتد بہ حصہ

جھیل بن گیا ہے۔

۱۳۔ یونان کے پاس ایک ساحلی مقام پر پہلے سمندر کی گہرائی ۴۰۰۰ فٹ تھی اور اب صرف ۲۰۰ فٹ رہ گئی ہے۔

۱۴۔ بحیرۂ روم پہلے ایک دریا تھا جس کا بحر اوقیانوس سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اب یہ سمندر بن چکا ہے۔

۱۵۔ پرانے زمانے میں افریقہ کا صحرائے اعظم پانی کے نیچے تھا۔ اس کے بعض حصے آج بھی سمندر کی سطح سے پست ہیں اور اوقیانوس سے نہر کاٹ کر انہیں سیراب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ کام کون کرے۔ اہلِ افریقہ جہالت و وحشت میں ضرب المثل ہیں۔ کیڑوں کو شکار کر کے پیٹ پالتے ہیں۔ ان کی بلا جانے کہ نہر کس طرح کاٹی جاتی ہے۔

۱۶۔ قدیم زمانے میں افریقہ اور برازیل آپس میں ملے ہوئے تھے۔ اگر آج بھی انہیں کھینچ کر ملا دیا جائے تو یوں فٹ آئیں گے جس طرح کسی پیالے کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا اپنے مقام پہ رکھ دیا جائے۔ اسی طرح شمالی امریکہ گرین لینڈ سے اور گرین لینڈ یورپ سے متصل تھا۔ نیز آسٹریلیا ہندوستان سے اور ہندوستان افریقہ سے ملا ہوا تھا۔ ان ملکوں کے درمیان سمندر آج بھی بہت کم گہرا ہے۔

۱۷۔ قطبین پہلے گرم تھے۔ ان میں سے ہمیں بعض ایسے جانوروں اور درختوں کے آثار باقی ملے ہیں جو گرم ممالک ہی میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ خطے پہلے خطِ استوا کے قریب تھے۔ اور اب ہٹ کر شمال و جنوب کی طرف چلے گئے ہیں۔ قطبِ شمالی سے پانچ پانچ ہزار فٹ اونچے برفانی تودے کھسک کر اب یورپ کے قریب آ گئے ہیں اور تمام علاقے کی آب و ہوا کو سرد بنا رہے ہیں۔

الغرض اس زمین کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔ معلوم نہیں کہ کس وقت کھسک کر سمندر

کے نیچے چلی جائے۔ ہمیں ہر وقت دھمکاتی رہتی ہے:

"سنبھل جا اے انسان! ورنہ اٹھا کر امواجِ سمندر کے حوالے کر دوں گی یا کئی ہزار گز اوپر ہوا میں اچھال دوں گی"

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (حج۔ ۱)	اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک مہیب حادثہ ہوگا۔

باب (۹)

جسمِ انسانی کے معجزات

انسانی بدن الٰہی صنعت و تخلیق کا ایک حیرت انگیز اعجاز ہے، جسے دیکھ کر عقل انسانی سربسجود ہو جاتی ہے۔ ماہرینِ ارحام نے تکوینِ جنین کا ہر منزل اور ہر درجے پر تماشا دیکھنے کے بعد اس حقیقت سے نقاب اٹھایا ہے کہ بدنِ انسانی کی ترکیب خلیوں سے ہوتی ہے۔ آغاز میں یہ خلیہ ایک ہوتا ہے، پھر دو، پھر چار اور پھر آٹھ میں متضاعف ہو کر بدن کی تشکیل کرتا ہے۔ بعض خلیے کان، بعض آنکھ، بعض ناک اور بعض دیگر اعضاء کی تشکیل پر لگ جاتے ہیں۔ یہ آج تک کبھی نہیں ہوا کہ چند خلیے سازش کر کے کان کی جگہ ناک اور ناک کی جگہ آنکھیں بنا ڈالیں یا پیچھے کوئی دُم چسپاں کر دیں۔ یہ اس لیے کہ ایک ہمہ بین آنکھ ان کی نگرانی کر رہی ہے، جس کی قہرمانیت کے سامنے تمام کائنات سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے:

لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران۔ ۸۳)	ارض و سما کی ہر چیز مشیت ایزدی کو بجالانے پر مجبور و مجبول ہے۔

آج علم ترقی کرتے کرتے خیام قدس کے اسرار تک بے نقاب کرنے پر تُل چکا ہے اور دوسری طرف تعلیم یافتوں میں ایک دو فی صدی آدمی بہ دستور ایسے موجود ہیں، جو

اللہ کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، جن کے نقطۂ خیال سے تکوین و تدوین کی یہ کارگاہِ عالم کسی ناظم و آمر کے بغیر چل رہی ہے اور تخلیق کے یہ روح افروز خوارق خود بخود سرزد ہو رہے ہیں۔ ان کج فہمی کے نخستوں سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ اگر یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے اور کوئی نگران آنکھ پیچھے موجود نہیں تو پھر رحمِ مادر میں خلیوں نے تمہیں انسانی شکل کیوں دی، گدھا کیوں نہ بنا دیا؟ یا سر گدھے کا اور دُم بندر کی کیوں نہ لگا دی؟ ایک اچھا خاصہ پروں والا گدھ کیوں نہ بنا دیا؟ مینڈک اور کچھوے کی شکل کیوں نہ دے دی؟ تخلیقِ آدم سے آج تک اب کھرب انسان پیدا ہو چکے ہیں۔ پھر انسانی پیٹ سے آج تک کیوں کوئی بکری پیدا نہ ہوئی؟ بکری کے پیٹ سے مرغی نے کیوں جنم نہ لیا اور کبوتر کے انڈوں سے تیتر کیوں نہ نکلا؟ ہے کوئی جواب ان منکرین خدا کے پاس؟ اگر ہے تو لاؤ اور اگر نہیں تو آؤ اور ہمارے ہم نوا بن کر کہو:

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۔ آل عمران۔ ٦	وہ صرف اللہ ہی ہے جو اپنی مشیتِ قاہرہ کے مطابق ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری صورتیں بناتا ہے۔

کیا بنے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ
(اقبالؔ)

جسمِ انسانی کے مختلف مناظر

١۔ چار طبائع —— حرارت، برودت، یبوست، رطوبت۔

٢۔ چار ارکانِ جسم —— آگ، ہوا، مٹی، پانی۔

٣۔ چار اخلاط —— صفرا، خون، بلغم، سودا۔

٤۔ نو طبقات —— سر، گردن، سینہ، پیٹھ، پیٹ، کمر، ران، ساق، پاؤں۔

٥۔ ستون —— ٢٤٨ ہڈیاں

٦۔ رسیاں —— ٧٥٠ پٹھے

٧۔ خزانے —— دماغ، نخاع، پھیپھڑے، دل، جگر، تلی، معدہ، انتڑیاں، گردے، مثانہ۔

۸۔ مسالک و شوارع ـــــ ۲۰۹۰ عروق

۹۔ نہریں ـــــ ۲۹۰ وریدیں

۱۰۔ دروازے ـــــ آنکھیں، کان، ناک، پستان، منہ اور شرم گاہیں۔

انوکھا شہر جسم انسانی کو ایک شہر سمجھیے جس میں مختلف اعمال ہو رہے ہیں، مثلاً:

۱۔ باورچی ـــــ معدہ ایک باورچی کی طرح غذا پکا رہا ہے۔

۲۔ عطار ـــــ کوئی عطار غذا کا جوہر نکال کر جزو بدن بنا رہا ہے۔

۳۔ حکیم ـــــ جگر ایک طبیب کی طرح غذا میں تیزاب ملا رہا ہے۔

۴۔ جاروب کش ـــــ انتڑیاں، جلد، گردے اور پھیپھڑے غلاظت کو جسم سے باہر پھینک رہے ہیں۔

۵۔ شعبدہ باز ـــــ کوئی صناع خون کو گوشت میں تبدیل کر رہا ہے۔

۶۔ بھٹہ ـــــ ہڈیاں اینٹوں کی طرح پک کر مضبوط بن رہی ہیں۔

۷۔ جُلاہا ـــــ کوئی بافندہ اعصاب اور جھلّیاں بُن رہا ہے۔

۸۔ درزی ـــــ کوئی درزی زخموں کو سی رہا ہے۔

۹۔ کاشت کار ـــــ کسی کاشت کار کی قلبہ رانی سے جسم کے کھیت میں گھاس کی طرح بال اُگ رہے ہیں۔

۱۰۔ رنگ ساز ـــــ کوئی صباغ دانتوں کو سفید، بالوں کو سیاہ اور خون کو سُرخ بنا رہا ہے۔

۱۱۔ بُت تراش ـــــ کوئی بُت تراش ماں کے پیٹ میں ایک خوب صورت سا بچہ تراش رہا ہے۔

ایک چھوٹی سی کائنات ۱۔ زمین ـــــ جسم انسانی | ۲۔ پہاڑ ـــــ ہڈیاں

۳۔ معادن ـــــ مُخ | ۴۔ ستارے ـــــ عقل، قوتِ مفکرہ، متخیلہ وغیرہ

۵۔ سمندر —— پیٹ	۱۰۔ ہوا —— تنفس	۱۵۔ حیات —— بیداری یا علم
۶۔ نہریں —— رگیں	۱۱۔ صبح کی روشنی —— مسکراہٹ	۱۶۔ بہار —— بچپن
۷۔ بدروئیں —— انتڑیاں	۱۲۔ بارش —— رونا	۱۷۔ گرما —— جوانی
۸۔ نباتات —— بال	۱۳۔ ظلمت —— غم	۱۸۔ خزاں —— بڑھاپا
۹۔ میدان —— ماتھا اور پیٹھ	۱۴۔ موت —— نیند یا جہالت	۱۹۔ برف باری —— سفید بال
		۲۰۔ رعد و برق —— غصہ

انسان میں حیوانیت

۱۔ شیر کی طرح بہادر	۸۔ کچھوے کی طرح سست رَو	۱۶۔ چوہے کی طرح مُضر
۲۔ خرگوش ، بزدل	۹۔ اونٹ ، مطیع	۱۷۔ گھوڑے ، وفادار
۳۔ کوّے ، ہوشیار	۱۰۔ چیتے ، سرکش	۱۸۔ سانپ ، بے وفا
۴۔ اُلو ، خود فراموش	۱۱۔ قطاۃ ، رہبر	۱۹۔ مور ، حسین
۵۔ لومڑی ، پُرکار	۱۲۔ شتر مرغ ، گمراہ	۲۰۔ گِدھ ، بدوضع
۶۔ بھیڑ ، سادہ لوح	۱۳۔ بُلبل ، گویا	۲۱۔ ہُدہُد ، مسعود
۷۔ ہرن ، تیز خرام	۱۴۔ گدھے ، بدآواز	۲۲۔ اور اُلو ، منحوس ہے
	۱۵۔ مرغی ، مفید	

چھوٹی سی کائنات ہندوستان کے کسی بڑے کارخانے میں تشریف لے جائیے۔ انجن کسی ایک طرف کے کمرے میں ہوگا اور ہر طرف مختلف پُرزے مختلف اعمال سرانجام دے رہے ہوں گے، کہیں تلواریں بن رہی ہوں گی، کہیں تیل نکالا جا رہا ہوگا، ایک طرف ٹین کے ڈبے تیار ہو رہے ہوں گے اور دوسری طرف لوہا پگھل رہا ہوگا بس یہی حال کائنات کا ہے۔ اس کارگاہِ عظیم کے مختلف اعمال پر ذرا نگاہ ڈالو، دریا بہہ رہے ہیں، ہوائیں چل رہی ہیں۔ آفتاب روشنی کے طوفان اٹھا رہا ہے، درخت اُگ رہے ہیں اور بادل برس رہے ہیں۔ گو اس کارگہِ حیات کا ہر منظر مختلف فرائض کی بجا آوری میں مصروف ہے، لیکن نگران صرف ایک

ہی ہے یعنی اللہ۔

ادھر جسمِ انسانی کو دیکھو، بال اُگ رہے ہیں، آنسو بہہ رہے ہیں، دل دھڑک رہا ہے، سانس چل رہی ہے، کان سُن رہے ہیں، آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور دماغ سوچ رہا ہے۔ اس کارخانے کے انجن کا نام رُوح ہے۔ روح جسم کے کس حصے میں رہتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر بال، ہر رگ اور ہر قطرۂ خون میں۔ لیکن اگر آپ چاقو سے کسی حصۂ جسم کو کاٹ کر رُوح کو دیکھنا چاہیں تو آپ کو کامیابی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کائنات کے ہر ذرّے میں جلوہ گر ہے، لیکن روح کی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ انسانی جسم حقیقۃً ایک چھوٹی سی کائنات ہے، جس میں روح اُسی طرح کام کر رہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات میں۔

توُنے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا

مَیں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں (اقبال)

خلق آدم علی صورتہٖ (حدیث)۔ انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

حفاظت ہمیں گہری نیند سے کوئی شور بیدار نہیں کر سکتا لیکن ماں کو بچے کی ہلکی سی آواز جگا دیتی ہے۔ مثلاً گھر والوں کے شور، موٹروں وغیرہ کی گڑگڑاہٹ سے نہیں جاگتا لیکن ایک اجنبی پاؤں کی ہلکی سی آہٹ ہمیں جگا دیتی ہے۔ ہم جہاز میں آرام سے سوتے ہوتے ہیں اور جونہی جہاز کا انجن بگڑ جاتا ہے، بیشتر مسافر جاگ اُٹھتے ہیں، یہ کیوں؟ اس لیے کہ انسانی دماغ کا ایک حصہ ہمارے تمام واقعات و خطرات کا محافظ رہتا ہے یا یوں سمجھیے کہ قدرت نے چند فرشتے ہم پر مقرر کر رکھے ہیں کہ جب بھی کوئی خطرہ ہماری زندگی پر حملہ کرنے لگتا ہے، یہ محافظ ہمیں فوراً جگا دیتے ہیں:

هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (جہاں کہیں بھی تم ہو، جاگتے ہو یا سوتے ہو) اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہوتا ہے۔

جماہی آدمی بیدار ہو کر جماہیاں اور انگڑائیاں لیتا ہے۔ سانس کو چند لمحوں کے لیے

اندر کھینچ کر پھر باہر نکال دیتا ہے، اسی کا نام جماہی ہے۔ یہ اس لیے کہ رات کے وقت خون کی ایک کثیر مقدار دل کا عمل جاری رکھنے کے لیے پھیپھڑوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ بیداری کے بعد چوں کہ باقی اعضاء کو بھی کام کرنا ہوتا ہے اور خون کی تمام جسم میں ضرورت پڑتی ہے، اس لیے جماہی سے پھیپھڑے سکڑتے ہیں۔ جمع شدہ خون یہاں سے نکل کر تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور چہرے کی رنگت شگفتہ سی ہو جاتی ہے۔ انگڑائی خون کو پھیلانے میں مدد کرتی ہے۔

آنکھ| آنکھ کی پتلی ایک سوراخ ہے جس سے روشنی گذرتی ہے۔ اگر روشنی زیادہ ہو تو پتلی سمٹ جاتی ہے اور اگر کم ہو تو پھیل جاتی ہے تاکہ زیادہ روشنی اندر جاسکے کیمرہ آنکھ کی نقل ہے۔ اگر ہمیں شام کے وقت کوئی تصویر لینا منظور ہو، تو روشنی کا سوراخ زیادہ دیر تک کھلا رکھتے ہیں اور زیادہ روشنی میں صرف ۱/۲ سیکنڈ۔

آنسو اُن گلٹیوں میں تیار ہوتے ہیں جو آنکھوں کے متصل کانوں کی طرف واقع ہیں چوں کہ بعض چھوٹے چھوٹے راستے آنکھ اور ناک کو ملاتے ہیں، اس لیے ہجوم گریہ میں عموماً آنسوؤں کی کچھ مقدار ناک میں چلی جاتی ہے اور روتے وقت ناک سے بھی پانی نکلتا ہے۔

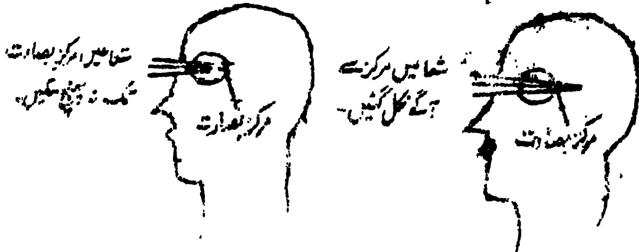


آنسو آنکھوں کو صاف رکھتے ہیں۔ آنکھ اسی لیے بار بار جھپکتی ہے تاکہ آنسو یا معمولی نمی آنکھ کے ہر حصے تک پہنچ سکے۔ آنکھ کا پچھلا حصہ کیمرے کی پلیٹ کی طرح ہے، جسے محفوظ رکھنے کے لیے ایک سخت جلد ارد گرد لگا دی گئی ہے۔ یہیں سے تار دماغ کو جاتے ہیں جب

کوئی چیز اس حصے پر منعکس ہوتی ہے تو ان تاروں کے ذریعے دماغ میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے۔ دیکھنے کا کام دماغ کرتا ہے اور آنکھ صرف آلۂ بصارت ہے۔ اگر کسی صدمے سے یہ تارے کار ہو جائیں تو آنکھ بصارت سے محروم ہو جاتی ہے۔

آنکھ میں سات پردے ہیں۔ قرنیہ، عنبیہ، عنکبوتیہ، شبکیہ، مشیمیہ، صلبیہ اور ملتحمہ۔ مشیمیہ و صلبیہ، ریدوں کے ذریعے آنکھ کو غذا بہم پہنچاتے ہیں۔ عنکبوتیہ رطوبت کی حفاظت کرتا ہے۔ عنبیہ صُوَرِ مرسومہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ ملتحمہ آنکھ کو اصلی ہیئت میں قائم رکھتا ہے اور وہ عصب جس میں ٹیلیگرافی تاروں کا جال بچھا ہوا ہے، محسوسات کو جلیدیہ تک پہنچاتا ہے۔ پلکیں غبار اور تیز روشنی کو روکتی ہیں اور پپوٹا رومال اور برش کا کام دیتا ہے۔

آنکھوں کے لینز شیشے کی طرح شفاف ہیں۔ ان سے روشنی گزر کر اسی طرح ٹیڑھی ہو جاتی ہے جس طرح پانی میں لاٹھی کج نظر آتی ہے۔ اگر آنکھ سے گزرنے والی شعاعیں ٹھیک مرکزِ بصارت (Bull's eye) پر مل جائیں تو آدمی کی نظر ٹھیک رہتی ہے اور اگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے آنکھ کے شیشے اچھی طرح کام نہ کریں تو شعاعیں مرکزِ بصارت سے آگے نکل جاتی ہیں یا ورے پڑتی ہیں اور آنکھ کو دوربینی یا نزدیک بینی کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ شکل یہ ہے:



یہ آدمی دور کی چیز اچھی طرح دیکھتا ہے

اس آدمی کو نزدیک بینی

ان بیماروں کو ایسی عینکیں دی جاتی ہیں جن کے شیشے شعاعوں کو مرکز بصارت تک پہنچنے دیتے ہیں اور یہ دورے ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

نزدیک بین عینک کے شیشے شعاعوں کو پھیلا کر مرکز بصارت تک پہنچا دیتے ہیں۔

دور بین عینک کے شیشے شعاعوں کو سمیٹ کر بصارت پر ڈال دیتے ہیں۔

آنکھ کے پردے میں تیس لاکھ تہیں اور تین کروڑ ستون ہیں۔ دیکھا آپ نے! آنکھ کی مشینری کس قدر پیچیدہ اور اس کا نظام کتنا دقیق ہے۔ اسی لیے تو قرآن حکیم میں جابجا انسانی سمع و بصر کو الٰہی صناعی پر بطور شہادت پیش کیا گیا ہے:

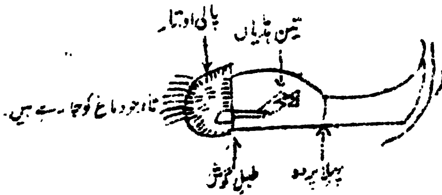
إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۔ (دہر: ۲)

ہم نے انسان کو مرد و زن کے مخلوط نطفے سے پیدا کر کے سمع و بصر کی نعمت سے سرفراز فرمایا، تاکہ یہ دیکھیں کہ انسان ان قویٰ کا کیسے استعمال کرتا ہے۔

کان: کان کی اندرونی دیواریں ایک مادہ موم کی طرح خارج کرتی ہیں تاکہ گرد و غبار اور کیڑے مکوڑے یہیں چمٹ کر رہ جائیں۔ اگر حالت نیند میں کوئی چیونٹی وغیرہ کان میں گھس جائے تو اس کی زندگی وہاں ختم ہو جائے۔ اللہ نے لاڈلے انسان کی حفاظت کے لیے یہ گوند تیار کیا تاکہ چیونٹی وغیرہ کان میں داخل ہوتے ہی ہلاک ہو جائے۔

کان کے ذرا آگے ایک پردہ ہے۔ اس سے آگے تین ہڈیاں زنجیر کی طرح ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں جس طرح موٹر کے سپرنگ جھٹکوں کو جذب کر لیتے ہیں، اسی طرح یہ ہڈیاں بلند آواز کی کرختگی کو نرم کر کے اندر پہنچاتی ہیں۔ ان ہڈیوں سے آگے طبل گوش ہے جس کے پیچھے پانی ہے۔ پانی میں چھوٹے چھوٹے بال یا تار ہیں۔ آواز طبل گوش سے ٹکرا کر ان تاروں میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور یہ ارتعاش ہم تک پہنچا دیتا ہے۔ ریڈیو سیٹ کان کی ایک عمدہ نقل ہے۔ شکل یہ ہے:

لہ ضرورتاً تفسیر اوراق آئندہ میں آئے گی۔ (برق)



طبلِ گوش کے پیچھے ان تاروں کی تعداد تین ہزار ہے۔ ہر تار ایک خاص آواز سن کر دماغ تک ایک نئی راہ سے پہنچاتا ہے اور ہم بیک وقت تین ہزار آوازیں سن سکتے ہیں۔

ناک: سونگھنے اور سانس لینے کے علاوہ ناک جاسوس کا کام بھی کرتی ہے۔ جو جراثیم ہوا میں موجود ہوں اور کسی دوسرے طریقے سے معلوم نہ ہو سکیں تو ناک ان کے وجود سے دماغ کو اطلاع دیتی ہے اور دماغ فوراً ہاتھ کو حکم دیتا ہے کہ ناک کے آگے رومال رکھ دے تاکہ جراثیم اندر نہ جانے پائیں۔

ناک اور منہ کے درمیان ایک سقفی ہڈی کا حجاب موجود ہے۔ یہ ہڈی حلق میں گوشت کا ایک لوتھڑا (گھنڈی) بن جاتی ہے۔ جب ہم کوئی چیز حلق سے اتارتے ہیں تو یہ گھنڈی ناک کی راہ کو روک لیتی ہے تاکہ غذا وغیرہ کا کوئی ذرہ ناک میں نہ جائے۔

ناک کے اندر اور آس پاس چند جگہیں موجود ہیں جنہیں ڈھول کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ بولتے وقت آواز ان ڈھولوں سے ہو کر گزرتی ہے اور اس لیے گونج پیدا ہوتی ہے۔ زکام میں کثرتِ بلغم نیز ماؤف ہونے کی وجہ سے یہ ڈھول بند ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آواز بھدی ہو جاتی ہے۔ شکل یہ ہے:

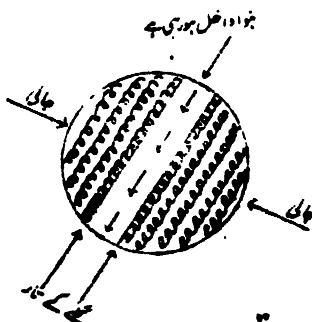


▭ سے ڈھولوں کے مقامات ظاہر کیے گئے ہیں۔

سانس لیتے وقت غذائی نالی ایک ڈھکنے کی وجہ سے بند ہو جاتی ہے اور حلق سے غذا اُتارتے وقت سانس کی نالی بند ہو جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ غذا سانس کی نالی میں اور ہوا غذا کی نالی میں نہ جا سکے کہ اس سے بہت تکلیف پیدا ہوتی ہے۔ سانس کی نالی ٹھوڑی کے نیچے ہے اور غذائی نالی کچھ پیچھے۔

آواز | ہوائی نالی کے مُنہ پر دو تار لگے ہوئے ہیں جن کے اردگرد ایک جالی ہے۔ جب ہم بولتے ہیں تو پھیپھڑوں کی ہوا ان تاروں سے ٹکرا کر آواز میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ان کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ معمولی تنفس سے آواز پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک سیٹی مُنہ میں لے کر آہستہ آہستہ ہوا اوپر نیچے کھینچیں تو آواز نہیں نکلے گی اور اگر زور سے پھونکیں تو آواز پیدا ہوگی۔ یہی حال گلے کے تاروں کا ہے۔

اگر یہ سب کے تار ڈھیلے ہوں تو آواز موٹی اور بھدی نکلتی ہے اور اگر کھنچے ہوئے ہوں تو آواز صاف ہوتی ہے۔ اسی طرح موٹی آواز نکالتے وقت یہ تار ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور صاف آواز کے وقت تن جاتے ہیں۔ اگر کوئی گویا گا رہا ہو تو اس کا گلا چھو کر دیکھیے۔ گلے کا یہ حصہ گاتے وقت تنا ہوا ہوگا۔ شکل یہ ہے:



جلد | قوت لامسہ جلد میں ہوتی ہے۔ جلد کا ہر حصہ تلغرافی تاروں کے ذریعے دماغ کو پیغام بھیجتا

ہے اور دماغ احکام نافذ کرتا ہے۔

گرمیوں میں خون اور پسینے کی نالیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ جسم کو تپش آفتاب سے محفوظ رکھنے کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ جسم کے اردگرد کی حرارت پانی کو بخارات میں تبدیل کرنے پر صرف ہو جائے اور جسم ٹھنڈا رہے۔ موٹر کے انجن کے اردگرد پانی کی نالیاں اسی مقصد کے لیے ہوتی ہیں کہ ہوا ریڈیٹر (Rediater) سے گذر کر انجن کو ٹھنڈا رکھ سکے۔ گرمیوں میں پسینہ بکثرت آتا ہے جس سے قرب جسم کی حرارت تبخیر میں صرف ہو جاتی ہے جلد ٹھنڈی پڑ جاتی ہے جس سے خون ٹھنڈا ہو کر رگوں میں واپس چلا جاتا ہے اور اس طرح جسم معتدل رہتا ہے۔

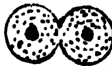
سردیوں میں پسینے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے پسینے اور خون کی نالیوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سردیوں میں چہرہ مقابلۃً پھیکا پڑ جاتا ہے اور بہار میں چمک اٹھتا ہے۔

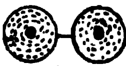
دانت | دانتوں کا انیمل دانتوں کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ اس انیمل کی وجہ سے دانت کی بیرونی سطح بہت سخت ہوتی ہے اور اندر سے نرم۔ اگر کوئی جرثومہ ایک دفعہ کسی دانت میں راہ بنا لے تو اندرونی حصے کو فوراً تباہ کر دیتا ہے۔ یہ جرثومہ سیاہ رنگ کے بے شمار بچے نکالتا ہے۔ ان سے ایک قسم کا زہر خارج ہوتا ہے جو غذا یا تھوک کے ہمراہ اندر جا کر سارے خون کو خراب کر دیتا ہے۔

پیدائش | انسان خلیوں سے بنا ہے۔ ہر خلیہ تقسیم ہو کر بھی مکمل رہتا ہے۔ یہ خلیہ دراصل ایک چھوٹا سا دانہ ہے، جس میں ایک سیاہ دھبہ ہوتا ہے۔ تقسیم ہونے کے بعد بھی ہر حصے میں یہ دھبہ موجود رہتا ہے۔

اشکال


خلیہ


خلیہ تقسیم ہو رہا ہے


تقسیم ہو چکا ہے

یہ خلیہ ماں کے رحم میں موجود ہوتا ہے، لیکن اس میں منقسم و متضاعف ہونے کی استعداد

نطفۂ پدری کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ جوں ہی کہ نطفۂ پدری کا اس خلیے سے اتصال ہوتا ہے یہ تقسیم در تقسیم ہو کر تعمیر جنین میں مصروف ہو جاتا ہے۔ بعض خلیے کان بناتے ہیں اور بعض دیگر دل وعلیٰ ہذا القیاس۔ جوں کہ ایک بینائے کُل آنکھ اوپر موجود ہے۔ اس لیے یہ کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا کہ دل کی جگہ ناک اور آنکھ کی جگہ منہ تیار ہو جائے۔

انسانی نطفہ دس عناصر سے مرکب ہوتا ہے۔ آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، اوزات، گندھک، فاسفورس، پوٹاش، میگنیشیم، چونا، اور فولاد۔ ان عناصر میں عقل و حواس موجود نہیں ہوتے لیکن اللہ کی صناعی دیکھیے کہ جو کُل ان اجزاء سے تیار ہوتا ہے، اس میں عقل و حواس موجود ہوتے ہیں۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ (دہر-۲)	ہم نے انسان کو مرکب نطفے سے بنا کر اُسے سمع و بصر کی نعمت عطا فرمائی۔ تاکہ ہم اُسے آزمائیں۔

غذا ایک آدمی جب کمرے میں آرام سے بیٹھا ہوا ہو تو وہ ایک گھنٹے میں تقریباً پچیس ہزار مکعب سینٹی میٹر آکسیجن استعمال کرتا ہے۔ کھانے کے بعد ۳۶ ہزار اور ورزش کے دوران میں یہ مقدار ۸۰ ہزار مکعب سینٹی میٹر تک پہنچ جاتی ہے۔ سردیوں میں جسم کو گرم رکھنے کے لیے آکسیجن کی زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے، اسی لیے بھوک زیادہ ستاتی ہے۔

ہمیں اپنی غذاؤں سے پانچ چیزیں ملتی ہیں: (۱) پانی (۲) چربی (۳) نمک (۴) ہائیڈروجنی، آکسیجنی اور کاربنی مرکبات (۵) نائٹروجنی مرکبات۔ مرکب نمبر ۴ کو کاربوہائیڈریٹ اور مرکب نمبر ۵ کو لحمیات یا پروٹینز بھی کہتے ہیں۔ بعض اغذیہ کے اجزاء یہ ہیں:

غذا کا نام	پانی فی صدی	لحمیات فی صدی	نشاستہ فی صدی	چربی فی صدی
۱۔ گوشت	۶۹	۲۱ء ۹	×	۷۰۳
۲۔ مرغی کا سینہ	۷۴	۲۴ء ۶	×	۰۰۲

۳۔ مچھلی	۶۵	۱۸٫۹	×	۱۰تا۱۷
۴۔ مکھن	۱۴	×	×	۸۱٫۹
۵۔ دودھ	۸۸	۳٫۳	۴٫۸	۳٫۶
۶۔ سیب	۸۴	۰٫۳	۱۲٫۵	۰٫۴
۷۔ لیموں	۹۱	۰٫۵	۳٫۱	۰٫۵
۸۔ اُبلے ہوئے آلو	۸۱	۱٫۹	۱۴	×
۹۔ سُرخ آٹے کی روٹی	۴۴	۱٫۵	۴۵٫۸	۰٫۱
۱۰۔ سفید " "	۴۳	۶٫۶	۴۸٫۷	۰٫۱
۱۱۔ شہد	۱۸	۰٫۴	۷۱٫۴	×
۱۲۔ چکولیٹ	۱۰	۲٫۸	۵۹٫۶	۳۱٫۱
۱۳۔ کھانڈ	×	×	۱۰۰	×

چربی دار غذاؤں کی کاربن اور ہائیڈروجن آکسیجن سے مل کر زیادہ حرارت پیدا کرتی ہے۔ لحمیات کثرتِ آب کی وجہ سے کم گرم ہوتی ہے۔ دودھ ہر لحاظ سے بہترین غذا ہے۔

ہماری اغذیہ معمولہ میں کاربن، آکسیجن وغیرہ کی مقدار حسبِ ذیل ہوتی ہے:

نام	کاربن	ہائیڈروجن	آکسیجن	نائٹروجن	سلفر
۱۔ چربی	۷۷	۱۱٫۵	۱۱٫۵	×	×
۲۔ نشاستہ	۴۴٫۴	۶٫۲	۴۹٫۴	×	×
۳۔ شکر	۴۲٫۱	۶٫۵	۵۱٫۴	×	×
۴۔ لحمیات	۵۱٫۵	۷	۲۰۔۳۰	۱۵٫۹	۲٫۵

ایک آدمی کو روزانہ تین پونڈ غذا درکار ہوتی ہے۔ تمام دنیا کے انسان ہر روز چھ ارب

پونڈ یعنی سات کروڑ پچاس لاکھ من غذا کھاتے ہیں ۔

ہمارے جسم میں نائٹروجن کا کچھ حصّہ ناخن اور بال اُگانے پر صَرف ہوتا ہے اور باقی پسینے اور پیشاب وغیرہ میں مل کر خارج ہو جاتی ہے ۔ بالوں پر روزانہ ۲۹. ـــ . گرام اور ناخنوں پر ۷... ـــ . گرام نائٹروجن خرچ ہوتی ہے ۔ سانس کے ذریعے جس قدر نائٹروجن روزانہ خارج ہوتی ہے ، اس کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ بے کار آدمی ایک گھنٹے میں ۷۱. ـــ . گرام نائٹروجن خارج کرتا ہے ۔
۲۔ معمولی کام کرنے والا " " ۱۳ ـــ . " " " " "
۳۔ سخت " " " " " ۲۲ ـــ . " " " " "
۴۔ سائیکل چلانے والا چار گھنٹوں میں ۵۵ ـــ ۲ کیلو گرام پسینہ خارج کرتا ہے ۔ جس میں ۵۶ ـــ . گرام نائٹروجن اور ۶۷ ـــ ا گرام نمک ہوتا ہے ۔
۵۔ ایک عورت ایامِ حیض میں روزانہ ۸۴ ـــ . گرام تک نائٹروجن خارج کرتی ہے ۔

بھوک کی حالت میں نائٹروجن اور چربی ہر دو جلتی ہیں ۔ کام کے وقت صرف چربی پگھلتی ہے ۔ نشاستہ آرام و محنت ہر دو صورت میں جلتا ہے اور چربی کو جلنے سے بچاتا ہے نشاستہ باہر نہیں جلتا ، لیکن جسم میں بہت جلد جل جاتا ہے ۔ چربی باہر بہت جلد پگھلتی ہے لیکن جزوِ جسم بننے کے بعد بڑی مشکل سے حل ہوتی ہے ۔

جسم میں حرارت رقبۂ جسم کے مطابق ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ لمبے آدمی کو چھوٹے آدمی کی نسبت زیادہ بھوک لگتی ہے ۔

حیاتیات یا وٹیمن | حیاتیات نظامِ جسمانی کے اہم عناصر ہیں ۔ اس وقت تک ہمیں حیاتیات کی آٹھ اقسام معلوم ہو چکی ہیں یعنی :

۱۔ حیاتیہ اے | ۲۔ حیاتیہ بی (۱) | ۳۔ حیاتیہ بی (ب) | ۴۔ حیاتیہ بی (ج)

۵۔حیاتیہ بی (د) | ۶۔حیاتیہ سی | ۷۔حیاتیہ ڈی | ۸۔حیاتیہ ای

۱۔اے۔حیاتیہ کی غیر موجودگی میں جسمانی نشو ونما رک جاتی ہے۔نیز آنکھ کے پپوٹوں کو ایک بیماری لاحق ہوجاتی ہے۔یہ حیاتیہ مچھلی کے تیل، مکھن اور انڈوں میں بکثرت ہوتا ہے۔

۲۔بی (۱) اس حیاتیہ کی غیر موجودگی ٹانگوں کو کمزور کردیتی ہے۔

۳۔بی (ب) " " " " میں ناسور کی عام شکایت رہتی ہے۔

۴۔حیاتیہ بی کے باقی اقسام بھی جسمانی نشو ونما کے لیے ضروری ہیں۔یہ حیاتیے انڈوں، پھلوں کے بیج اور غلوں میں ملتے ہیں۔

۵۔سی۔یہ حیاتیہ پھلوں اور سبزیوں میں بکثرت ہوتا ہے۔تازگیٔ دماغ، صفائیٔ خون، اور شادابیٔ رنگ کے لیے از بس مفید ہے۔

۶۔ای۔اس کی غیر موجودگی میں قوتِ رجولیت جواب دے جاتی ہے۔یہ حیاتیہ سبزی کے تیلوں اور پتوں سے ملتا ہے۔

تحلیلِ غذا | حلق سے اترنے کے بعد غذا ایک تھیلی (معدہ) میں پہنچتی ہے، جس کی دیواروں سے ایک رس نکل کر پہلے ہی وہاں موجود ہوتا ہے اور کچھ بعد میں آجاتا ہے۔یہ رس ترش ہوتا ہے اور غذا کو حل کرکے جزوِ بدن بناتا ہے۔تھوک بھی عملِ ہضم میں مدد دیتا ہے۔

سوال۔یہ رس معدے میں کھانے سے پہلے کیسے جمع ہوجاتا ہے؟

جواب۔فرض کرو۔کھانا پک رہا ہے اور سالن پکنے کی خوشبو تم تک پہنچتی ہے۔ناک فوراً دماغ کو اطلاع دے گی اور دماغ معدے اور منہ ہر دو کی طرف حکم نافذ کرے گا کہ ہاضمے کے رس تیار کرو۔چنانچہ منہ پانی سے اور معدہ اس رس سے بھر جائے گا۔کبھی صرف پلیٹوں کی آواز یا کسی لذیذ کھانے کے ذکر سے بھی منہ میں پانی بھر آتا ہے۔

لطیفہ | ایک انگریز لڑکے نے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو وہ فوج کا ایک دستہ اس طرف

آرہا ہے میں ایک ایسا کرشمہ دکھاؤں گا کہ اُن کے بین باجے رُک جائیں گے۔ جب دستہ قریب پہنچا تو لڑکے نے ایک دو قدم آگے بڑھ کر نیموں چوسنا شروع کر دیا۔ ترشی کے تصور سے سپاہیوں کے منہ میں پانی بھر گیا اور وہ بین وغیرہ بجانے کے قابل نہ رہے۔

جگر | جگر صفرا، شکر وغیرہ کا خزانہ ہے۔ جب اعضاء و اعصاب کام کر رہے ہوں تو انھیں شکر کی ضرورت پڑتی ہے جو جگر سے نکل کر بذریعہ خون مقام ضرورت تک جاتی ہے۔

جب غذا معدے میں پہنچتی ہے تو اس میں تین رس شامل ہوتے ہیں۔ ایک معدے کی دیواروں سے خارج ہوتا ہے۔ دوسرا جگر سے آتا ہے اور تیسرا بائیں طرف کی ایک گلٹی (Pancreas) سے نکلتا ہے۔

اگر کسی آدمی کو زیادہ سردی لگ جائے تو جگر جسم کو گرمانے کے لیے اس قدر صفرا خارج کرتا ہے کہ جسم، آنکھیں اور چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اس مرض کا نام یرقان ہے۔

گردوں والی گلٹی کا رس | گردوں کے پاس ایک گلٹی ایک ایسا رس خارج کرتی ہے جس سے خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ دورانِ خون میں کوئی رکاوٹ نہیں آنے پاتی اور نبض کی رفتار نہایت عمدہ ہو جاتی ہے۔ اس رس کے اجزاء یہ ہوتے ہیں۔

کاربن ۵۹، ہائیڈروجن ۱۷، آکسیجن ۲۶، نائٹروجن ۷

خوف کی حالت میں یہ گلٹی زیادہ رس خارج کرتی ہے جس سے دورانِ خون زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔

گردن والی گلٹی کا رس | یہ گلٹی (Thyroid gland) ایک نہایت مفید رس خارج کرتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ رس جسم کے تمام حصوں تک نہ پہنچ سکے، تو یہ گلٹی پھول کر زیادہ رس نکالنے کی کوشش کرتی ہے اور گردن کے نیچے بڑے بڑے گلڑ بن جاتے ہیں۔ یہ بیماری اُن علاقوں میں عام ہوتی ہے جہاں پانی میں آیوڈین نہ ہو۔ آیوڈین ہمارے جسمانی نظام کا ایک ضروری جزو ہے۔ اگر یہ عنصر پانی میں موجود نہ ہو تو یہ کمی اس گلٹی کو پوری کرنی

پڑتی ہے اور اسی لیے پھول جاتی ہے۔

اس رس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں:

کاربن ہائیڈروجن نائٹروجن آیوڈین

اگر پانی کے ایک کروڑ قطروں میں اس رس کا ایک قطرہ ٹپکا دیا جائے اور اس پانی میں مینڈک کے بچے موجود ہوں تو وہ بہت جلد جوان ہو جائیں گے۔

غور فرمائیے کہ اللہ نے انسانی جسم میں نشو و نما، انہضام غذا اور دفع امراض کے لیے کس قیامت کا شفاخانہ کھول رکھا ہے جس میں تریاق کی بوتلیں نہایت قرینے سے ہر طرف لگی ہوئی ہیں۔

فبای آلاء ربکما تکذبان ۔ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ہضم غذا: چبانے کے بعد غذا ایک نالی سے ہو کر بڑی آنت میں پہنچتی ہے اور راہ میں ہر مقام پر [illegible] آتی ہے [illegible] جاتے ہیں اور [illegible] جاتا ہے۔

[illegible] محیات [illegible] جاتا ہے [illegible] جاتا ہے۔

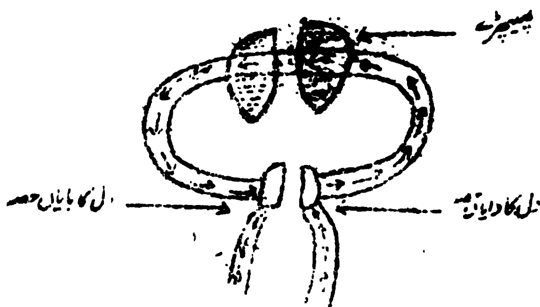
تنفس: جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہوا ناک کی نالی سے گزر کر [illegible] میں داخل ہوتی ہے [illegible] پھیپھڑوں میں جاتی ہے۔ پھیپھڑوں [illegible] یہاں ایک [illegible] ہے جس [illegible] کے وقت [illegible] اور اس [illegible] پھیپھڑوں [illegible] لیکن [illegible] پھیپھڑوں [illegible] سے تازہ ہوا خون میں جاتی ہے [illegible] جاتی ہے [illegible]

لیتے ہیں تو پھیپھڑوں پر دباؤ پڑتا ہے۔ یہ ہوا اس دباؤ کو اسی طرح غیر محسوس بنا دیتی ہے، جس طرح گدیوں کے سپرنگ ہچکولوں کو جذب کر لیتے ہیں۔

ہمیں دن میں کئی بار پھیپھڑوں کو سکیڑ کر خون کو دیگر اعضاء کی طرف بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، مثلاً اندھیری رات میں ہم کوئی آہٹ سن پاتے ہیں، فوراً سانس روک کر پھیپھڑوں کا خون دماغ اور کانوں کی طرف بھیجتے ہیں تاکہ آہٹ کی حقیقت معلوم ہو سکے۔

دوڑ دھوپ میں جسم کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ غلاظت زیادہ پیدا ہوتی ہے، جسے خارج کرنے کے لیے پھیپھڑے جلدی جلدی تازہ ہوا کھینچتے ہیں اور اسی کا نام ہانپنا ہے۔

دل کے دو حصے ہیں۔ دایاں اور بایاں۔ دایاں حصہ خون کو پھیپھڑوں میں بھیجتا ہے جہاں سے صاف ہو کر بائیں حصے میں داخل ہوتا ہے اور پھر باقی جسم میں جاتا ہے۔ شکل یہ ہے:



نوٹ: خون کی گردش ۔۔۔ سے دکھائی گئی ہے۔

تمام رگوں کے منہ پر چھوٹے چھوٹے پٹھے ہوتے ہیں، جو بوقت ضرورت رسی کی طرح ان رگوں کا منہ بند کر لیتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ ایک لڑکا پڑھ رہا ہے۔ اس وقت اس کے دماغ کو خون کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور پیٹ کو کم۔ اس لیے پیٹ کی رگوں کے منہ بند ہو جائیں گے اور خون دماغ کی طرف بڑھ جائے گا۔ کھانا کھا لینے کے بعد

معدے کی طرف آجائے گا اور دماغی عروق کا مُنہ بند ہو جائے گا۔

دَورانِ خون دل کا پمپ ہوا کے دباؤ سے خون کو تمام جسم میں پہنچاتا ہے۔ اور دو چیزیں خون کو پھیپھڑوں میں واپس بھیجتی ہیں۔ اوّل، پھیپھڑوں سے آئے ہوئے خون کا ریلا، جو سُست رفتار خون کو تیز گام بنا دیتا ہے۔ دوم جب ہم اینٹھتے یا کرتے ہیں تو تمام رگیں تن کر سمٹتی ہیں، جس سے خون آگے کو سرک جاتا ہے۔

جسم کے ہر حصّے کا خون سیدھا دل میں جاتا ہے، لیکن انتڑیوں کا خون شکر کا ذخیرہ ہمراہ لیے پہلے جگر میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہاں سے دل میں۔

باریک شریانوں میں خون کی رفتار اس لیے سُست ہو جاتی ہے کہ غلاظت کو ہر کونے سے سمیٹ سکے اور غذا کو وہاں باطمینان پہنچا سکے۔

کاربن اور تنفّس کاربن نظامِ تنفّس کے لیے ضروری ہے۔ پھیپھڑوں کے نیچے ۵ء۹ فی صدی کاربن کا ہونا ضروری ہے، ورنہ نظامِ تنفّس درہم برہم ہو جائے۔ تیز تنفّس سے کاربن زیادہ خارج ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مریض آہستہ آہستہ سانس لیتا ہے تاکہ کاربن کی ضروری مقدار جسم میں باقی رہے۔ اگر کاربن کی زیادہ مقدار پھیپھڑوں وغیرہ میں جمع ہو جائے تو اس کے اخراج کے لیے مریض تیز تیز سانس لیتا ہے۔

جنگ اور تنفّس قدیم زمانے میں وحشی لوگ دشمن کو دھواں دے کر غاروں سے باہر نکالا کرتے تھے۔ اہلِ یونان دشمنوں پر گندھک کے دُھوئیں سے حملہ کیا کرتے تھے۔ جنگِ کریمیا میں لارڈ ڈن ڈانلڈ نے دشمن کے خلاف گندھک استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن جذباتِ رحم آڑے آئے۔ اپریل ۱۹۱۵ء میں جرمن مورچوں سے کلورین گیس کا ایک سفید بادل اٹھا اور فرانسیسیوں کی طرف بڑھا۔ ان غریبوں کے گلے بند ہو گئے، نظر جاتی رہی اور سانس رُک گئی۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں برطانیہ نے

گیس کا جواب گیس سے دیا جس سے جرمنوں کے پھیپھڑے متورم ہو گئے۔

گذشتہ جنگِ عظیم (۱۹۱۴ — ۱۹۱۸ء) میں پچیس قسم کی گیسیں استعمال ہوئیں جن سے اسی ہزار آدمی متاثر ہوئے۔ سولہ ہزار تو ہلاک ہو گئے اور باقی عمر بھر دُکھ سہتے رہے۔

خون | خون میں دو قسم کے ذرات ہوتے ہیں۔ سُرخ و سفید۔ سُرخ ذرّوں کو انگریزی میں (Haemoglobin) کہتے ہیں۔ ان میں فولاد زیادہ ہوتا ہے اور آکسیجن جذب کرتے ہیں۔ اگر ان سُرخ ذرّوں پر ہوا وغیرہ کا دباؤ ڈالا جائے تو یہ فوراً آکسیجن کو جذب کر لیتے ہیں اور اگر یہ دباؤ ہٹا لیا جائے تو آکسیجن علیحدہ ہو جاتی ہے۔

جب خون پھیپھڑوں میں آتا ہے تو ہوائی دباؤ سے آکسیجن قبول کر لیتا ہے اور جب ایسے حصّوں میں پہنچتا ہے جہاں آکسیجن ختم ہو چکی ہوتی ہے تو ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے اور آکسیجن علیحدہ ہو جاتی ہے۔

جب خون جسم سے پھیپھڑوں کی طرف واپس جاتا ہے تو راستے میں سوڈے کی ایک تھوڑی سی مقدار خون میں شامل ہوتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ سُرخ ذرات اور سوڈا مل کر کاربن جذب کرتے ہیں۔ چنانچہ واپسی پر خون کاربن کو سمیت کر پھیپھڑوں میں پہنچاتا ہے، جہاں ایک کیمیاوی عمل سے کاربن علیحدہ ہو کر سانس کے ذریعے باہر نکل جاتی ہے اور خون آکسیجن لے کر سوڈے سمیت واپس چلا جاتا ہے۔ سوڈا الگ ہو جاتا ہے اور آکسیجن عروق و اعصاب میں چلی جاتی ہے۔

خون کے سُرخ ذرات ہڈی بڑی ہڈیوں کے گُودے میں تیار ہوتے ہیں۔ ہر ذرّہ صرف دس دن تک کے لیے کام دیتا ہے اور اس کے بعد یہ ذرّہ تلی میں گر جاتا ہے۔ تلی در اصل ان سُرخ ذرّوں کا گندا خانہ ہے۔

سردی میں خون کی رفتار سست ہو جاتی ہے اور اسی لیے جسم کا رنگ نیلگوں سا

ہو جاتا ہے۔ یہ دراصل وہ غلیظ مواد ہوتا ہے، جو خون میں واپسی پر شامل ہو جاتا ہے
خون کے سفید ذرّات مختلف شکلوں کے ہوتے ہیں، یعنی گول، لمبے، چپٹے وغیرہ۔ وجہ یہ
کہ جسم کو مختلف شکل کے زخم آتے رہتے ہیں۔ یہ ذرات مقامِ مجروح پر پہنچ کر شریانوں کے
مُنہ میں پھنس جاتے ہیں اور ڈنٹوں کی طرح تھیں جما دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ زخم بھر جاتا ہے۔
یہ ذرات جراثیم امراض کا بھی مقابلہ کرتے ہیں۔ پھوڑے سے جو پیپ نکلتی ہے وہ
دراصل انھی ذرات کی لاشیں ہوتی ہیں۔

دماغ ہمارا دماغ کھوپڑی کے مضبوط قلعے میں پانی کے اندر تیر رہا ہے۔ پانی کا فائدہ یہ
ہے کہ اُچھل کود میں دماغ دیواروں سے نہیں ٹکراتا۔ ریڑھ کی ہڈی دماغ سے نکل کر کمر
تک جاتی ہے۔ اس سے سینکڑوں رگیں الگ ہو کر جسم میں پھیلی ہوئی ہیں جس طرح
ٹیلیفون میں دو تار ہوتے ہیں۔ ایک پیغام دینے اور دوسرا لینے کے لیے۔ اسی طرح جسم
کے ہر حصے میں پیغام بھیجنے اور لینے کے علیحدہ علیحدہ تار ہیں۔ مثلاً اگر پاؤں پر کوئی کوڑا
چڑھ آئے تو فوراً ایک تار سے دماغ کو اطلاع دی جاتی ہے اور دوسرے تار سے ہاتھ کو
حکم ملتا ہے کہ کوڑے کو مار کر بھگا دو۔

چونکہ مختلف اوقات میں مختلف اعضا کو خون کی زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے۔
اس لیے دماغ اعصاب و عضلات کو خون لینے یا روکنے کا حکم بھی نافذ کیا کرتا ہے۔
فرض کرو ایک آدمی تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ تو فوراً دماغ سے مختلف عضلات کو مختلف
احکام جاری ہوں گے۔ بھویں تن جائیں گی۔ نتھنے پھول جائیں گے۔ آنکھیں سرخ ہو
جائیں گی، ہاتھ مکّے کی شکل اختیار کرے گا۔ اور دل جلدی جلدی حرکت کرنے لگے گا تاکہ
خون کی مناسب مقدار ان تمام اعضا تک پہنچائی جائے، جن سے کام لیا جا رہا ہے۔
جسمانی دُکھ اللہ کی ایک رحمت ہے۔ یہ دراصل دماغ کے لیے ایک پیغام ہوتا ہے۔

ہوشیار ہو جائیے، خطرہ سر پر آ گیا ہے۔ اگر جسمانی اذیت نہ ہوتی تو ہر روز لاکھوں انسان بِن آئی مر جاتے۔ فرض کیجیے کہ دماغ میں پھوڑا نکل آتا ہے یا نیند کی حالت میں کوئی شخص ہمارے سینے میں چاقو داخل کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دُکھ کی وجہ سے دماغ کو خبر نہ ہونے پائے تو ہم بلا علاج رہ کر ہلاک ہو جائیں۔

ہم اندھیرے میں جا رہے ہیں۔ اچانک سانپ کی پھنکار کانوں تک پہنچتی ہے۔ کان دماغ کو اطلاع دیتے ہیں۔ دماغ فوراً کودنے کا حکم نافذ کرتا ہے اور ہم اُچھل کر خطرے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

جب ہم کوئی نہایت وحشت ناک خبر سُن پاتے ہیں تو دل کا تمام خون دماغ کی طرف چلا جاتا ہے تاکہ دماغ کوئی حفاظتی تجویز سوچ سکے اور اس طرح ہماری موت واقع ہو جاتی ہے بعض چھوٹے چھوٹے پرندے سانپ کو دیکھ کر اسی لیے سُن ہو جاتے ہیں کہ اُن کے دل کا سارا خون دماغ کی طرف چلا جاتا ہے اور وہ بیچارے لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔

یورک ایسڈ نیز بعض دیگر زہروں کی وجہ سے احکام لینے والے تار تباہ ہو جاتے ہیں۔ خطرے کے وقت دماغ کے پیغام اعضاء تک نہیں پہنچ سکتے اور اسی لیے ایسے لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں۔

چوں کہ دماغ سے تمام حصصِ جسم تک تلغرافی تار جاتے ہیں، اس لیے اگر میدانِ جنگ میں گولی سے یہ تار کمر کے پاس سے کٹ جائیں تو نچلا دھڑ بے حرکت ہو جائے اور اگر اُن تاروں کو نقصان پہنچ جائے جن کا تعلق چشم و گوش سے ہے تو انسان اندھا اور بہرا ہو کر رہ جائے۔

دماغ کے دو حصے ہوتے ہیں: (۱) اندرونی جو سفید ہے اور (۲) بیرونی جو خاکستری رنگ کا ہوتا ہے۔ ہر دو آپس میں وابستہ ہیں۔ بیرونی دماغ میں بہت اُبھار نظر آتے ہیں، جو درحقیقت محسوسات، مشمومات و معقولات وغیرہ کے مرکز ہیں۔ بعض اُبھار احساس، بعض شم، بعض تخیل

بعض کتابت اور بعض ریاضی و منطق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر کسی صدمے سے کسی اُبھار کو نقصان پہنچ جائے تو وہ طاقت کم یا مفقود ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض طلبہ ریاضی میں اور بعض دیگر انگریزی وغیرہ میں کمزور ہوتے ہیں۔

چھوٹے سے چھوٹا دماغ ۱۶ اونس اور بڑے سے بڑا ۶۴ اونس یعنی ۲ سیر ہوتا ہے۔ شکل ملاحظہ ہو:



دست و پا ہمارے ہاتھ پاؤں میں ۱۰۶ ہڈیاں ہیں اور صرف انگلیوں میں ۵۸۔ انگلیوں کے نظام پر ذرا غور فرمائیے کہ پہلے خون سے ۵۸ ہڈیاں بنائی گئیں۔ پھر انھیں ایک ترتیب میں رکھ کر اندر عروق کا ایک جال بچھایا گیا اور اوپر ایک جلد چڑھا دی گئی۔ انصافاً فرمائیے کہ یہ کام زیادہ مشکل ہے یا بنی بنائی ہڈیوں میں دوبارہ رُوح پھونکنا۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ۝ بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ۝ (قیامہ)	کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو دوبارہ جمع کر کے زندہ نہیں کر سکیں گے؟ جب ہم اس کی انگلیوں کے پورے تیار کر سکتے ہیں تو پھر یہ کون سا مشکل کام ہے؟

الغرض جسمِ انسانی ایک حیرت ناک مشین ہے جس کا ہر پُرزہ اُس خالقِ جلیل کی پُرشکوہ صناعی و خلاقی کی ایک رُوح افروز داستان ہے۔ آؤ ہم اُس صناعِ بے چوں کی رفعت کے گیت گائیں جس نے:

اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ۝ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ۝ (انفطار)	تمھیں پیدا کیا، تمھارے نظامِ جسمانی میں توازن پیدا کر کے اسے ہر طرح سے مکمل بنا دیا اور پھر تمھیں ایک ایسی ہیئت و صورت عطا کی جو اُسے پسند تھی۔

باب (۱۰)

متفرق آیاتِ طبیعی کی تفسیر

اس کتاب کے آغاز میں ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم میں آیاتِ کونیہ کی تعداد ۵۹۰ تک جا پہنچتی ہے جن میں سے بعض کی تفسیر گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے اور بعض باقی ہیں اوراق آئندہ میں چند ایسی آیات کے معارف بیان ہوں گے اور عمداً اختصار سے کام لیا جائے گا۔ تاکہ ضخامت بڑھ نہ جائے۔

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اس آیت کی تفسیر مختلف مقامات پر ہو چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ عرب میں قبائل کے باہمی تعلقات پر مدح و ذم کا بہت گہرا اثر پڑا کرتا تھا۔

شعرائے عرب نے بعض قبائل کی تعریف کی۔ تو وہ صدیوں اینٹھتے رہے اور بعض دیگر کی مذمت کی تو وہ ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو گئے۔ ایک شاعر ایک قوم کے متعلق کہتا ہے:

ولکنّ اتی تبیت بہاشمی ۔۔۔ خؤولتہ بنو عبد المدان

یہان علی ۔۔ ہاشمی و لکن ۔۔۔ تعالوا فانظروا بمن ابتلانی

(اگر میرا مقابلہ کسی ایسے ہاشمی سے ہوتا جس کے ماموں عبد المدان کے بیٹے ہوتے تو مجھے یہ مصیبت سہل معلوم ہوتی، لیکن آؤ اور دیکھو کہ میرا مقابلہ کیسے ذلیل انسانوں سے آ پڑا ہے)

ایک شاعر بنی انف کے متعلق کہتا ہے:

قومٌ هُمُ الانفُ والاذنابُ غیرهم — ومن یسوّی بانف الناقة الذنبا

(یہ قوم دنیا کی ناک ہے اور باقی قبائل پونچھ۔ بھلا پونچھ کو ناک سے کیا نسبت ہو سکتی ہے)

مدح و ذم کے علاوہ بعض شعراء طلب زر کے لیے امراء کے درباروں میں مبالغہ آمیز قصائد پڑھا کرتے تھے۔ جب مغیرہ بن شعبہ ایران کے رئیس الافواج رستم کے دربار میں جاتا ہے، تو کیا دیکھتا ہے کہ لوگ جھک جھک کر کورنش بجا لا رہے ہیں، سجدے ہو رہے ہیں، آستانوں کو چوما جا رہا ہے اور قبلۂ عالم، اعلیٰ حضرت، حضور اعلیٰ و رب الناس وغیرہ کے القاب عالی امراء کو دیے جا رہے ہیں، تو مغیرہ حیران ہو کر کہتا ہے:

ما اری قوماً اسفه احلاماً منکم، انا معشر	میں نے کوئی قوم تم سے زیادہ احمق نہیں دیکھی ہم
العرب لا یستعبد بعضنا بعضاً و انی	اہل عرب ایک دوسرے کو خدا نہیں سمجھتے اور تم میں
رایت ان بعضکم ارباب بعض و ان	سے بعض بعض دیگر کی عبادت میں مصروف ہیں اور
هذا الامر بستقیم فیکم۔	یہ حرکات تمہارے لیے باعث رسوائی ہیں

الغرض، شعرائے عرب گویا باہمی فتنہ انگیزی سے روکے گئے اور ملت اسلامیہ کو خوشامد اور چاپلوسی کی لعنت سے آزاد کرنے کے لیے حکم دیا گیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی تمام ستائشوں کا مستحق صرف دنیا کا پروردگار ہے اور ہیں غور فرمائیے کہ اس ایک جملے سے کس قدر مفاسد تھم گئے ہوں گے اور شعرائے عرب کا دماغ انسان پرستیوں کی الجھنوں سے آزاد ہو کر الٰہی حمد و ثنا کے ترانے کس وجد و مستی میں تصنیف کرتا ہو گا۔ نیز تمام قوم کو کس بلند اخلاقی کا سبق دیا گیا کہ جو کچھ کسی کو ملا ہے، خواہ وہ بلاواسطہ ہو۔ مثلاً روشنی، ہوا اور معادن وغیرہ یا بالواسطہ مثلاً علم، ملازمت، انعام، تحائف وغیرہ سب اللہ کی طرف سے ہے:

گرچہ تیر از کمان ہمی گذرد — از کماندار بیند اہل خرد (سعدیؒ)

تو ہیں، لیکن عقل ندارد۔ انسان میں تینوں موجود ہیں، تو کیا ہم ایک ایسی مخلوق فرض نہیں کر سکتے جس میں عقل تو موجود ہو، لیکن شہوت و غضب نہ ہو؟

انسانی دنیا کے مختلف شعبوں پر مختلف انسان بطورِ نگران متعین ہیں۔ کوئی جج ہے، کوئی کمان دار اور کوئی گورنر۔ کیا کائنات کے مختلف شعبوں مثلاً ابر و باد وغیرہ پر چھوٹے چھوٹے نگران متعین نہیں، جنھیں ویدک زبان میں دیوتا اور قرآن کی اصطلاح میں فرشتہ کہا جاتا ہے؟[1]

۲ ءٰامَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ... (بقرہ ۲۸۵) | رسولِ عربی اور اس کے پیرو قرآن، اللہ، فرشتوں، پہلی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لا چکے ہیں

۲۶۳، مسئلہ شفاعت: جس طرح باغ و راغ، پہاڑ اور سمندر سورج کی روشنی سے مختلف قسم کے تاثرات قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح مختلف اقوام و افراد پر رسول کی تعلیم کا اثر مختلف پڑتا ہے۔ اگر کسی پودے کو سائے میں لگا دیا جائے تو وہ شعاعوں سے محروم رہ کر بہت جلد مرجھا جائے گا۔ رسول بھی آفتابِ ہدایت ہوتا ہے اور جو اقوام رسول سے دور رہتی ہیں، وہ مرجھا جاتی ہیں اور انھیں کوئی جنتر منتر تباہی سے نہیں بچا سکتا۔

شفاعت کے تین حصے ہیں: تخم، شاخ اور ثمر۔ علم تخم ہے، عمل شاخیں ہیں اور نجات ثمر۔ جن اقوام میں نہ علم ہے اور نہ عمل، وہ شفاعت کا ثمر نہیں کھا سکتیں۔ حدیث میں ارشاد ہے:

ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ رجل امن بی ثم غدر و رجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ و لم یوتہ اجرہ و رجل باع حرا	قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا۔ اول جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد مجھے چھوڑ گیا۔ دوم جس نے ایک مزدور کو حقِ اجرت ادا نہ کیا۔ سوم جس نے آزاد کو غلام بنا کر بیچا۔

یہ حدیث اعلان ہے اس حقیقت کا کہ دیدِ رسول کے لیے وہاں کوئی سبیلِ نجات موجود نہیں جس طرح حکیم مریض کے لیے شفیع بنتا ہے۔ بشرطیکہ مریض حکیم کی ہدایات پر عمل کرے، اسی

---

[1] البیان: دیوتا اور فرشتے میں مختار اور مجبور کا فرق سمجھا جاتا ہے۔

طرح رسول افراد و اقوام کا شفیع ہوتا ہے، بشرطیکہ لوگ اس کی تعلیم پر کاربند ہوں۔

آج تقریباً ہر مسلم جھوٹ بولنے، فریب دینے، داؤں کھیلنے اور جہان بھر کی بدکاریوں کے بعد بھی نشۂ شفاعت میں سرشار پھرتا ہے۔ ہمارے قوال:

۱۔ شفاعت کرے گا محمدؐ ہماری

۲۔ معراج میں حق نے نبی سے کہا — تو اور نہیں میں اور نہیں

اُمت کو میں نے بخش دیا — تو اور نہیں میں اور نہیں

اور اس قسم کے دیگر خواب آور گیت سنا سنا کر قوم کو پستی و نامرادی کے درکِ اسفل میں پہنچا رہے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے واعظین بدکاروں، بدگفتاروں اور بدرفتاروں کے گناہ بخش بخش کر تمام قوم کو غلط اندیش، عیاش، بے ہمت اور ننگ دو عالم بنا رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق آں حضرتؐ نے فرمایا تھا:

(الاحمق من اتبع نفسہ ھواھا — احمق ہے وہ شخص جو خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے اور

وتمنّی علی اللہ۔ — پھر اللہ سے کچھ غلط تمنائیں باندھ رکھتا ہے۔

مسلمانوں کو یقین ہونا چاہیے کہ بدکاروں، جھوٹوں اور دغابازوں کی شفاعت کبھی نہیں ہوگی۔ اگر میری اس گذارش پر آپ چیں بجبیں ہو رہے ہیں تو الٰہی فیصلہ سُنیئے:

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ۔ (مومن ۱۸) ظالموں کے لیے وہاں کوئی مددگار یا سفارشی نہیں ہوگا

(۵) الصّلوٰۃ۔

علمائے روحانیات کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر انسان میں ایک برقی قوت یا قوتِ جاذبہ موجود ہے جو نیک کرداری سے نہ صرف محفوظ رہتی ہے بلکہ بڑھ کر آدمی کو جاذبِ خلق بنا دیتی ہے اور بدعملی سے یہ تباہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک متقی انسان دنیا کو کھینچتا ہے اور ایک بدکار سے دنیا دور بھاگتی ہے۔ نماز اس قوت

جاذبہ کی خالق بھی ہے اور محافظ بھی۔

رُوحانی ارتقا کے علاوہ نماز ایک بہترین جسمانی ورزش بھی ہے۔ رکوع و سجود اور قیام وقعود میں بعض ایسے پٹھوں پر دباؤ پڑتا ہے کہ طبیعت چاق چوبند ہو جاتی ہے۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ ستر برس کے ایک نمازی بوڑھے کی صحت پینتیس برس کے ایک بے نماز و کاہل جوان سے اچھی ہوتی ہے۔

عبادت کے معنی غلامی ہیں اور اللہ کا سچا عابد (غلام) وہی ہے جو رات دن اس کے احکام کی تعمیل میں سرگرم رہتا ہو۔ بدیگر الفاظ نماز ہمارے اعمالِ یومیہ کی تفسیر ہے اور اعمال نماز کا متن جن لوگوں کی نماز (پنج وقتہ اقرارِ غلامی) اور اعمال میں تطابق نہیں، وہ مکار و منافق ہیں، یعنی وہ نمازیں تو اللہ کی غلامی کا عہد باندھتے ہیں، لیکن عملی زندگی میں شیطان کے پیچھے چلتے ہیں۔ مسجد میں تو صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعائیں مانگتے ہیں، لیکن بازاروں، محفلوں اور عدالتوں میں بے دھڑک جھوٹ بولتے اور داؤ کھیلتے ہیں۔ انصاف فرمائیے کہ ایسے لوگ پیروانِ یزداں ہیں یا بندگانِ اہرمن؟ ایسے ہی نمازیوں پر لعنت بھیجی گئی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (ماعون ۴)	اُن نمازیوں پر اللہ کی لعنت ہو جو نماز کے مقصد (پاکیزہ زندگی) کو بھولے ہوئے ہیں۔

اللہ نے کائنات کی ہر چیز کو ایک خاص آئین و ضابطہ عطا کر رکھا ہے، جس طرح نحلِ شہد سازی پر مجبور ہے، اسی طرح آفتاب طلوع و غروب، دریا بہنے، بخارات بادل بننے اور بہار میں پھول کھلنے پر مامور ہیں۔ کائنات کی اس پیروی نظام کا نام قرآن نے صلوٰۃ رکھا ہے۔ آفتاب و ماہتاب وغیرہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (نور ۴۱)	فطرت کی ہر چیز اپنے آئین اور ضابطے سے آگاہ ہے۔

قدرت کی دیگر اشیاء کی طرح انسان کو بھی ایک ضابطہ دیا گیا ہے جس کا نام قرآن ہے۔ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ قرآنی اِصطلاح میں ضابطے کا دوسرا نام صلوٰۃ ہے۔ بہ دیگر الفاظ مُسلم کی صلوٰۃ پورا قرآن ہے اور یہ پنج وقتہ صف آرائی اُس پورے پروگرام یا ضابطے (صلوٰۃ) کی ایک جزو ہے یا یوں سمجھیے کہ نماز کی طرف دعوت تمام احکامِ قرآن پر عمل کرنے کی طرف دعوت ہے۔ جب آپ اذان سُنیں تو مسجد میں کبھی اِس ارادے سے نہ جائیے گا کہ آپ کا مقصد چند رکوع و سجود ہیں اور بس۔ بلکہ اِس ارادے کے ساتھ کہ یہ دعوت ہے قرآن کے تمام اوامر و نواہی کو نباہنے، ایک مطہر و پاکیزہ زندگی بسر کرنے، صدائے فرض پر زندگی کو قربان کرنے اور سطحِ زمین سے جور و عدوان مٹانے کی طرف:

فقیراں چوں بمسجد صف کشیدند ۔۔۔ گریبانِ شہنشاہاں دریدند
ولے چوں دل میانِ سینہ افسرد ۔۔۔ مسلماناں بدرگاہاں خزیدند (اقبالؔ)

چوں کہ مُسلم کا تخیل نہ صرف اسلام کے ارکان بلکہ زندگی کے تمام حقائق کے متعلق مسخ ہو چکا ہے، اِس لیے ہم نے رکوع و سجود کو پورا اسلام بلکہ مقصدِ اسلام سمجھ لیا ہے۔ آج ہر مسجد و منبر سے قیامِ صلوٰۃ کے وعظ ہوتے ہیں۔ مَیں نے گذشتہ پینتیس برس میں ایک واعظ بھی نہ دیکھا اور ایک وعظ بھی ایسا نہ سُنا جس نے نماز اور عملی زندگی میں کوئی ربط پیدا کرنے کی کوشش کی ہو۔ اگر سُنا تو یہی کہ نماز حضورِ قلب سے ادا کرو اور چلتے بنو۔ اس کے بعد سَودا کم تولو یا پورا، سچ بولو یا جھوٹ۔ محافل میں شرافت سے بیٹھو یا لفنگا پن دکھاؤ۔ گلیوں میں دوسروں کی بہو بہنوں سے آنکھیں لڑاؤ یا نہ، نماز کا ان اعمال سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہے تو صرف اتنا کہ دو نمازوں کے درمیان جس قدر بدکاریوں کا ارتکاب کرو گے، وہ زمین پر ماتھا ٹیکتے ہی معاف ہو جائیں گی۔

ہمیں جس قدر نقصان ہمارے مخبوط الحواس، کم علم اور خانہ بر انداز واعظ نے پہنچایا

ہے، اتنا تاتاریوں سے بھی نہیں پہنچا تھا۔ تاتاریوں نے تو ہماری سلطنت تباہ کی تھی اور وہ بھی صرف ۵۰ برس کے لیے۔ لیکن واعظوں نے خود اسلام کا ستیاناس کر دیا ہے۔ وہ اسلام جو انسان کا مکمل سیاسی و اخلاقی نصاب تھا، آج منتروں، جنتروں، ٹوٹکوں، چلوں، چہلموں، ہُوحق کے نعروں، قوالیوں، عرسوں اور چند لایعنی عقیدوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے اور یہ سب کچھ ہمارے مُلّا و صوفی کی نوازش سے۔ یہ لوگ ہمارے کسی دشمن کی پانچویں فوج (ففتھ کالم) معلوم ہوتے ہیں۔

اسلام کا دَورِ ثانی قریب آگیا ہے۔ اِس لیے وقت ہے کہ ہم مُلّا کو فرائضِ رہنمائی سے سبکدوش کرکے قرآن و کائنات سے براہِ راست درسِ زندگی لیں۔

بیا تا کارِ ایں اُمّت بسازیم — قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجدِ شہر — کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم
(اقبالؒ)

۶۔ اختلافِ لیل و نہار | اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ...... وَ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ .... لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (بقرہ - ۱۶۴)	زمین و آسمان کی تخلیق، لیل و نہار کے اختلاف ...... اور ہواؤں کے ہیر پھیر ...... میں عقل مندوں کے لیے اسباق موجود ہیں۔

اختلافِ لیل و نہار بہت بڑی رحمت ہے۔ سُورج کے قُرب و بُعد سے ایک ہی وقت میں کہیں سردی کہیں گرمی، کہیں بہار اور کہیں برسات ہوتی ہے۔ اگر آپ گرمیوں میں افریقہ کی گرمی سے گھبرا اُٹھیں تو یورپ کے کسی حصّے میں چلے جائیں اور اگر سردیوں میں روس کی برف ستائے تو ہندوستان یا آسٹریلیا میں آجائیں۔

اگر دنیا میں ہمیشہ ایک جیسا موسم رہتا تو تنوّع پسند انسان اِس یک رنگی سے گھبرا اُٹھتا اور اگر سورج ایک مقام پہ ٹھہر جاتا تو بعض ممالک شدّتِ سرما اور بعض دیگر شدّتِ

گرما سے ہلاک ہو جاتے۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (مزمل) اللہ نے شب و روز کی آمد و رفت ایک خاص انداز سے مقرر کر رکھی ہے۔ سیب سردیوں میں اور خربوزہ گرمیوں میں پکتا ہے۔ اگر دنیا میں ہمیشہ سردی رہتی تو انسان تمام گرمائی غذاؤں اور میووں سے محروم رہ جاتے حرکتِ آفتاب کی وجہ سے تقریباً ہر مقام پر گرمی و سردی کی برابر برابر تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے ہر جگہ ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ۔ (رحمٰن ۵) چاند اور سورج ایک حساب سے چلتے ہیں۔

آفتاب غروب نہیں ہوتا بلکہ ایک حصۂ ارضی سے مخفی ہو کر ایک اور حصے پر طالع ہو جاتا ہے، اس لیے دنیا کے کسی نہ کسی حصے پر ہر وقت صبح کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ مدراس کی صبح چند دقیقوں کے بعد دہلی، پھر لاہور، پھر پشاور، پھر ایران، پھر عرب، پھر افریقہ اور پھر اوقیانوس کو عبور کر کے امریکہ جا پہنچتی ہے۔ جب مدراس میں شام کے ۵-۲۲ ہوں تو اس وقت میکسیکو میں صبح کے ۵-۲۰، لنڈن میں دوپہر، شنگھائی میں شام کے ۶-۷ اور مصر میں ۴-۱۲ (بعد از دوپہر) کا وقت ہوتا ہے۔ آسٹریلیا میں لوگ محوِ خواب اور اہلِ برلن دوپہر کے کھانے کی تیاریاں کر رہے ہوتے ہیں جب جزائر کالیفورنیا میں سورج ڈوب رہا ہو تو مصر میں نکل رہا ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ پہلے خلیج فارس، دو گھنٹے پہلے افغانستان، تین گھنٹے پہلے جنوبی بحرِ ہند، چار گھنٹے پہلے سرحدِ چین، پانچ گھنٹے پہلے وسطِ چین، چھ گھنٹے پہلے دریائے زرد، سات گھنٹے پہلے جاپان، آٹھ گھنٹے پہلے آسٹریلیا، نو گھنٹے پہلے کالیڈونیا، دس گھنٹے پہلے جزائرِ ملاحین، ۱۱ گھنٹے پہلے جزائر سندویش اور بارہ گھنٹے پہلے جزائر کالیفورنیا میں طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

یہ موسموں کا تغیر و تبدل اور اختلافِ لیل و نہار اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ یہ

اللہ کے بس میں ہے کہ وہ ۲۱ رجون کے گرم دن کو دو سال لمبا کردے یا ۲۱ ردسمبر کی ٹھنڈی رات کو بیچ سال کے برابر بنادے۔ جانتے ہو، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ۲۱ رجون کا لمبا دن کائنات میں آگ لگادے گا اور ۲۱ ردسمبر کی سرد رات حیوانات و نباتات کی عروق میں خونِ حیات کو منجمد کردے گی، اور دونوں حالتوں میں زندگی کے آثار کلیۃً مٹ جائیں گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(قصص۔ ۷۱ تا ۷۳)

غور کرو کہ اگر ہم رات کو قیامت تک لمبا کر دیں تو اللہ کے بغیر اور کون تمھیں شمسی کی دولت عطا کر سکے گا۔ کیا تم سنتے نہیں؟ نیز سوچو کہ اگر ہم دن کا دامن قیامت کے دامن سے باندھ دیں تو کوئی ہے جو تمھاری راحت کے لیے رات کا انتظام کر سکے؟ کیا تم دیکھتے نہیں؟ رات اور دن اللہ کی رحمت ہیں تاکہ تم رات کو آرام کرو، دن کے وقت اُس کا فضل (علم و دولت) ڈھونڈو اور اللہ کا شکر کرو۔

ہواؤں کا ہیر پھیر ہواؤں کا سمت بدل بدل کر چلنا بھی الٰہی حکمت ہے، تاکہ بادلوں کے قافلے دنیا کے ہر حصے تک پہنچائے جا سکیں۔ ہوا بادلوں کی سواری ہے اور اگر کسی وقت ہوائیں تھم جائیں تو بجلی بادلوں کو ہانکتی ہے۔

بعض اوقات ہواؤں کی رفتار ۱۲۰ میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ آندھیاں درختوں سے پھل اور جوہڑوں سے مینڈک اڑا کر بعض دیگر خطوں پہ جا برساتی ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ آسمان سے پھل یا مینڈک برس رہے ہیں۔

بادل زمین سے ۱۶ ہزار فٹ کی بلندی پہ ہوتا ہے۔ اگر زیادہ قریب ہوتا، تو نمی کی

وجہ سے ہماری ہر چیز ہر وقت بھیگی رہتی اور اگر بہت دُور ہوتا تو جب اولے برستے تو ہماری چھتوں کو چیر کر نکل جاتے۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے پرخچے اُڑ جاتے اور مویشی ہلاک ہو جاتے۔ (قانونِ افتاد کی تفصیل سورۂ الفیل کے ضمن میں آئے گی)۔

علاوہ ازیں اگر بہت دُوری کی وجہ سے بادل ہمیں نظر نہ آتے تو بارش، برف اور اولے ہمیں اچانک آ لیتے۔ زمیندار کی شش ماہہ محنت کھلیان ہی پر برباد ہو جاتی اور انسانی دنیا کو بہت نقصان پہنچتا۔

اگر تمام حصصِ عالم پر مساوی بارش ہوتی تو ہر جگہ جنگل اُگ آتے۔ سانپ اور دیگر زہریلے جانوروں کی تعداد بڑھ جاتی۔ رات کو مینڈکوں کے شور سے لمحہ بھر چین نصیب نہ ہوتا۔ بہت زیادہ سرسبزی کی وجہ سے انسان مناظرِ کائنات سے متنفر ہو جاتا۔ کاشت کی زمین ریگستان بن جاتی۔ ہر طرف ندی نالوں کی وجہ سے وسائلِ آمد و رفت مخدوش ہو جاتے۔ دنوں کا سفر مہینوں میں کٹتا اور یہ زمین نمونۂ جہنم بن جاتی۔ دراصل یہ ہواؤں کی گردش اور بادلوں کا ہر جائی پن اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔

..... تَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (بقرہ-۱۶۴) | ہواؤں کے رخ بدلنے اور زمین و آسمان کے درمیان معلق بادلوں میں اربابِ دانش کے لیے کچھ اسباق چھپے ہیں

(۷) **موت و حیات** | جانوروں کے مختلف اقسام ہیں۔ بعض رینگتے ہیں بعض دوڑتے اور بعض اُڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کا درجہ آ جاتا ہے۔ پھر انسانوں میں ارذل الناس سے اشرف الرسل تک ہزارہا مدارج ہیں۔ بدیگر الفاظ حیات، ارتقا کے ہزارہا مدارج طے کر چکی ہے۔ تو کیا ایک اور درجۂ حیات یعنی آخرت کی تخلیق اللہ کے لیے مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (واقعہ-۶۲) | تم حیات کے ابتدائی مدارج دیکھ چکے ہو۔ کیا اب بھی اللہ کی نیرنگیٔ تخلیق پر تمھیں یقین نہیں آتا۔

جس طرح بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپا افضل ہے، اسی طرح موت، حیات کا ایک بلند درجہ ہے، جہاں زندگی ارتقا کی انتہائی منازل پر جا پہنچے گی۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل ۲۱)	غور کرو کہ یہاں ہم نے زندگی کے کس قدر مدارج بنا دیے ہیں، جو ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ بس اسی طرح آخرت بھی زندگی کا ایک بہت بلند اور بہتر درجہ ہے۔

آخرت کیا ہے؟ وہاں زندگی کس رنگ میں جلوہ گر ہوگی، اور حیات کون سا پیرہن بدلے گی، کوئی نہیں جانتا۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (واقعہ ۶۲۔۶۳)	ہم نے تم پر موت مسلط کر دی ہے اور ہمیں تمھاری صورتوں کے بدلنے اور تمھیں ایک مجہول الکیفیت دنیا میں پیدا کرنے سے کون روک سکتا ہے؟

موت کے بعد کیا ہوگا؟ کسی کو علم نہیں۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایک انسان جس پہلوئے حیات کی تعمیر میں تمام عمر کوشاں رہا ہو، موت کے بعد اس کی تکمیل ہو جائے گی۔ مثلاً اگر ایک شخص عمر بھر تعمیرِ انسانیت میں مصروف رہا ہو تو مرنے کے بعد اس کی مساعی جامۂ تکمیل پہن لیں گی اور اگر کوئی فرد تخریبِ انسانیت میں سرگرم رہا ہو، تو موت کے بعد اس تخریب کی تکمیل ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

کیا زندگی ایک خواب ہے؟ کبھی کبھی مجھے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ زندگی زندگی نہیں، بلکہ خواب زندگی ہے۔ ہماری اصلی زندگی ولادت سے پہلے کہیں سرگرمِ عمل تھی اور مرنے کے بعد پھر مصروفِ عمل ہو جائے گی۔ جس طرح کہ مسافر کو جاتے جاتے نیند آجاتی ہے اور نیند میں وہ ایک سہانا خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے، اسی طرح چلتے چلتے ہمیں نیند نے آلیا اور ایک خواب شروع ہو گیا۔ اسی خواب میں ہم پیدا ہوئے، بڑھے، تعلیم پائی، ملازم

ہوئے، پنشن ملی، بڑھاپا آیا، مر گئے اور معاً آنکھ کھل گئی تو معلوم ہوا کہ

ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہم ہر رات خواب میں دیکھتے ہیں کہ کھا پی رہے ہیں، پڑھ رہے ہیں، کھیل رہے ہیں، امتحان دے رہے ہیں، پاس ہو کر خوش ہو رہے ہیں، تکالیف پہ رو رہے ہیں اور اگر کوئی سانپ پیچھا کر رہا ہے تو شور مچا رہے ہیں، لیکن جب صبح کو آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ رات کا سارا افسانہ محض خیال و خواب تھا۔ گر بالفرض ہم چالیس برس تک نہ جاگیں تو اسی خوابی زندگی ہی کو اصلی زندگی سمجھتے رہیں۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ زندگی حقیقت ہے یا خواب؟ غالبؔ کہتا ہے:

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ نِیَامٌ وَاِذَا مَاتُوا اِنْتَبَھُوْا۔ لوگ سو رہے ہیں، مرتے ہی جاگ اٹھیں گے۔

ہر شب خواب کا ڈراما اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے ہاں اجسام کی کمی نہیں۔ ہمارا یہ لحمی و شحمی جسم چارپائی پہ پڑا رہتا ہے اور ہماری روح ایک خوابی جسم کے محمل میں بیٹھ کر سارے جہان کا چکر کاٹتی پھرتی ہے۔ وہ خوابی جسم بھی لذت و الم کی تمام کیفیات سے اسی طرح متلذذ و متالم ہوتا ہے جس طرح یہ جسم۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ہماری روح مرنے کے بعد فوراً اسی طرح کے ایک خوابی جسم میں داخل ہو جائے؟ اور ہمارے اعزہ و احباب خوابی جسموں میں ہمارے ساتھ اسی طرح موجود ہوں جس طرح ہر شب خواب میں یہاں ساتھ ہوتے ہیں۔ نیند کیا ہے؟ موت و حشر کا ایک ہلکا سا تجربہ۔ اسی لیے تو ارشاد ہے:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ | اللہ موت کے وقت انسانوں کی روحیں پوری طرح قبض کر

تَوَفَّتْ فِیْ مَنَامِھَا (زمر۔ ۴۲) | لیتا ہے اور زندوں کو ہر شب نیند میں موت کا نقشہ دکھاتا ہے۔

اس مضمون پر کسی صاحب دل کا شعر ملاحظہ ہو:

جینے تک ہیں ہوش کے جلوے آگے بہشت کی مستی ہے
موت سے ڈرنا کیا معنی، جب موت بھی جزوِ ہستی ہے

ایک اور بزرگ کا تخیل دیکھیے:

زندگی ایک دم کا وقفہ ہے ۔۔۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ دوامِ حیات پر چند انوکھے دلائل دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

۱۔ جب ہر شام کے بعد صبح آتی ہے تو کیا شامِ موت کی کوئی صبح نہیں؟

۲۔ دانہ زمین میں گرتا ہے تو درخت بن کر نکلتا ہے۔ تو کیا ایک انسان پیوندِ زمین ہونے کے بعد کچھ بھی نہیں بنتا؟

۳۔ نیلگوں آسمان کے یہ شرارے لاکھوں صدیوں سے دمک رہے ہیں اور انسان بزمِ کائنات میں آفتاب کی طرح ہے تو پھر

آفتاب اپنا ہے کمتر ان ستاروں سے بھی کیا؟

۴۔ پرندہ اُڑنے سے پہلے پر سمیٹتا ہے۔ موت پروں کا سمیٹنا ہے تو کیا اس کے بعد پرواز نہیں ہوگی؟

۵۔ غنچے کی موت پھول کے لیے پیامِ شگفتن ہوتی ہے تو کیا انسان کی موت اس کی روح کے لیے پیامِ بالیدگی نہیں بنے گی؟

۶۔ تم ساحلِ دریا پر محوِ تماشا ہو۔ مشرق کی طرف سے ایک جہاز آتا ہے اور مغرب کی طرف دور نیلگوں پانی کی وسعتوں میں اوجھل ہو جاتا ہے۔ بس یہی حال انسان کا ہے۔ موت اسے آنکھوں سے چھپا دیتی ہے، لیکن مٹا نہیں سکتی۔

۷۔ وہ دیکھو دامنِ کوہ سے ایک چشمہ نیچے اُتر رہا ہے۔ مقامِ افتاد کے پاس قطروں کی ایک دنیا آباد ہو رہی ہے اور یہی قطرے بہہ کر پھر بڑی ندی میں مل رہے ہیں۔ اس آبشار کی طرح زندگی ازلی بلندیوں سے نیچے گری قطروں کی طرح ہزاروں انواعِ حیات منصۂ شہود پر آگئیں، جو کچھ دیر بعد زندگی کی بڑی ندی میں مل گئیں۔ اس ملاپ کا اصطلاحی نام موت ہے، لیکن دراصل یہ حقیقی زندگی ہے۔

۸۔ ایک موٹر ساز کی یہ پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس کا موٹر مضبوط و پائے دار ہو۔ اگر انسان ساز ہے تو کیا اس صناع کی یہ کوشش نہ ہوگی کہ اس کی مصنوعات بھی پائے دار ہوں۔

بارش و موت | جب بارش برستی ہے تو زمین کے قوائے نمو بیدار ہو کر کائنات کو نگار بنا دیتے ہیں۔ موت زمینِ اجسام پر ایک طرح کی بارش ہے، جس سے زندگی زیادہ حسین زیادہ جاذبِ نظر اور زیادہ دلکش بن جاتی ہے۔

جب بعض اقوام کاہل، عیاش، زر پرست اور حریص بن جاتی ہیں تو موت رحمت بن کر ان پر برستی ہے اور وہ اقوام زندہ ہو جاتی ہیں۔ بیمار ترکی کو اتحادیوں کی تلوار نے شفا دی۔ بوڑھے روس کو جرمنی کی آتش باری نے جوان بنایا اور موجودہ مہیب جنگ کی تباہ کاریاں دنیا کو حسین تر بنا دیں گی۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا	اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ وہ بادلوں کو ہانک
فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ	تشنہ و مُردہ بستیوں کی طرف لے جائیں تو جس طرح بارش
بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ۔ (فاطر۔ ۹)	سے مُردہ زمینیں زندہ ہو جاتی ہیں اسی طرح تم بھی تم کو زندہ کریں گے

موت کا ڈر | موت سے تقریباً تمام لوگ ڈرتے ہیں بعض اس لیے کہ وہ فطرتاً بزدل ہیں اور وہ ہر اندھیرے سے خواہ وہ رات کا ہو یا قبر کا، ڈرتے ہیں۔ کاش انھیں معلوم ہوتا کہ موت ظلمت نہیں، بلکہ ایک منور دنیا ہے۔ جہاں چاند کی ہلکی ہلکی کرنیں بہارستانوں میں کھیلتی

ستیاں ناچتی اور کیفیتیں مچلتی ہیں۔"

بعض اس لیے موت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں جہنم میں نہ ڈال دیے جائیں۔ اس ڈر کا علاج یہ ہے کہ نیک بنیں اور بعض اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ جنگ کا انجام دیکھ لیں یا ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ سُن لیں۔ اس خیال پر کئی طرح سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ اوّل۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ مرنے کے بعد بھی ہماری روح اس دنیا کے حوادث سے باخبر رہے۔ چند ایک احادیث اس موضوع پر موجود ہیں۔ دوم جب ہم مر چکے تو پھر ع

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت۔

سوم۔ ہماری پیدائش سے پہلے دنیا میں بڑے بڑے سیاسی انقلاب آئے اور ہم موجود نہ تھے۔ ہندوستان پر چندرگپت، بکرماجیت، اشوک اور اکبر جیسے شہنشاہوں نے سلطنت کی اور ہم موجود نہ تھے۔ اسی سرزمین میں رام چندر جی اور کرشن جی نے جنم لیا اور ہم موجود نہ تھے کسی وقت محمود غزنوی یہاں سے طوفان بن کر گذرا تھا اور ہم موجود نہ تھے۔ اگر یہ تمام انقلابات ہماری غیر موجودگی میں ہوئے اور آج ہمیں کوئی افسوس نہیں، تو پھر اس غم میں گھلنا کیا معنی کہ ہائے کل جواہر لال نہرو یا محمد علی جناح جمہوریتِ ہند کے صدر ہوں اور ہم یہاں موجود نہ ہوں گے؟

بعض لوگ اس لیے موت سے ڈرتے ہیں کہ وہ بچّوں، عزیزوں اور دوستوں کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ موت جدائی نہیں ڈال سکتی۔ ہم ہر رات خواب میں رشتہ داروں اور دوستوں سے ملتے ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ موت کے بعد بھی احباب و اقارب کے خوابی اجسام ہمارے ساتھ رہیں۔ اگر یہاں خواب میں ملاقات ہو سکتی ہے تو کیا وہاں یہ سلسلہ نہیں ہو سکتا؟

اور بعض اس لیے موت سے گھبراتے ہیں کہ ان کے بچے چھوٹے اور بے آسرا ہیں

اوران کا ذریعۂ معاش صرف والد کی کمائی ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر موت واقع ہو گئی تو بچے تباہ ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کو یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کا ہر فعل انسانی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ اگر اللہ یہ دیکھتے ہوئے کہ بچے بے آسرا ہیں، والد کو اٹھا لیتا ہے تو یقیناً اس میں بھی کوئی بہتری ہو گی، جسے ہماری ناقص عقل نہیں سمجھ سکتی۔

علاوہ ازیں ہم خواب میں نئے نئے ملک دیکھتے ہیں اور نئے نئے انسانوں سے ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ساتھ تعلقاتِ محبت بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب صبح کو جاگتے ہیں تو ان تعلقات کا شائبہ تک موجود نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ یہ زندگی ایک خواب ہو اور جب ہم موت کے بعد جاگیں تو اس عالم کے تعلقات کا خیال تک وہاں باقی نہ ہو۔

خواب میں انسان اپنے اصلی رشتہ داروں کو بھول جاتا ہے۔ ممکن ہے ہم زندگی کے حقیقی رشتہ داروں کو اس وقت بھولے ہوئے ہوں اور جب موت کے بعد جاگ اٹھیں تو پھر اُن اقرباء سے ملاقات ہو جائے جنھیں ہم ولادت کے وقت پیچھے چھوڑ آئے ہوں

بہرحال زندگیٔ مابعد الموت کے حقیقی خدوخال سے ہم نا آشنا ہیں اور قرآنِ حکیم نے بھی جہاں حیاتِ شہداء کا ذکر کیا ہے، وہاں اُس دنیا کی کیفیت ہم سے پنہاں رکھنے کی کوشش کی ہے:

.....بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقرہ۔۱۵۴)	اللہ کی راہ میں جان دینے والے زندہ رہتے ہیں، لیکن تم اس زندگی کی کیفیت سے نا آشنا ہو۔

بہرحال موت رحمت ہے، اس لیے کہ:

(ا) اس سے اقوام زندہ ہوتی ہیں۔

(ب) گرفتارِ مصائب کو نجات مل جاتی ہے۔

(ج) موت ایک نئی دنیا ہے اور ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے۔

(د) موت اسرارِ حیات کو بے حجاب کر دے گی۔

(ه) موت ایک سواری ہے جو ہمیں اللہ کے جوار میں پہنچا دے گی۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ (الانعام-۶۲)	موت کے بعد انسان اپنے سچے مالک کے جوار میں جا پہنچیں گے۔ سنو حکم اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ حساب دان ہے صفحاتِ گذشتہ میں عرض ہو چکا ہے کہ کائنات کی ترکیب عناصر سے ہوئی۔ اس ترکیب کی حفاظت بہت بڑا معجزہ ہے۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن سے پانی کی ترکیب اور پھر اس ترکیب کا تحفظ ایک نہایت دِقّت طلب فرض ہے، جسے ایک قوتِ قاہرہ بطریقِ احسن سرانجام دے رہی ہے۔ اگر آج یہ قوتِ قاہرہ اپنی نگرانی اٹھالے، تو کائنات کا شیرازہ دفعۃً بکھر جائے۔ عناصر تحلیل ہو کر اپنے مراکز کی طرف بھاگ جائیں اور دنیا میں صرف دُخان ہی دُخان باقی رہ جائے، تو ثابت ہوا کہ زندگی ترکیبِ عناصر اور موت تحلیلِ عناصر کا دوسرا نام ہے اور یہ ترکیب و تحلیل اللہ کی مشیت کے مطابق وقوع پذیر ہو رہی ہے (اَلَا لَهُ الْحُكْمُ)

زندگی کیا ہے، عناصر میں ظہورِ ترتیب — موت کیا ہے، انہی اجزا کا پریشاں ہونا (چکبست)

ان عناصر سے معین و موزون تناسب کے ساتھ مختلف اشیاء کو پیدا کرنا ایک عالم گیر و تہ رس علم کے بغیر ناممکن ہے۔ کائنات کے مختلف مظاہر کی تدوین عناصر کی کس قدر دقیق، صحیح اور احسن آمیزش سے ہوئی۔ اسے صرف علم الکیمیا کا ایک بہت بڑا ماہر سمجھ سکتا ہے۔

یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ تمام نباتات و حیوانات کی ترکیب آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، نائٹروجن اور چند نمکوں سے ہوئی ہے۔ اجزا صرف اتنے ہی ہیں، لیکن اختلافِ مقادیر سے جس قدر مرکبات تیار ہوئے ہیں، ان کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ آج تک

نباتات کی تقریباً ۴ لاکھ اور حیوانات کی تین لاکھ انواع دریافت ہو چکی ہیں۔ ان چند عناصر سے اس رنگ برنگی دنیا کی تخلیق الٰہی خلاقی و صناعی کا حیرت انگیز معجزہ اور اس کی حساب دانی کا ایمان افروز ثبوت ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (انعام - ۶۱-۶۲)

کائنات پر اس کی مشیت قاہرہ کی حکمرانی ہے اور بس نے تم پر محافظ مقرر کر رکھے ہیں جو ترکیب عناصر کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ حفاظت بغیر کسی کوتاہی کے موت یعنی تحلیل عناصر تک جاری رہتی ہے۔ اس کے بعد لوگ اللہ کے ہاں پہنچ جاتے ہیں کیونکہ اس پر اسی کی حکمرانی ہے اور وہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔

(۸) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا (انعام - ۱)

قابل ستائش ہے وہ رب جس نے زمین و آسمان پیدا کیے اور ظلمت و نور کا نظام قائم کیا۔ لیکن کفار اللہ کے بجائے دوسرے خداؤں کی پرستش میں مصروف ہیں۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کر کے موت کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔

انسان تاریک مٹی سے بنا، لیکن اللہ نے اس میں جا بجا نور کے مرکز قائم کر دیے ہیں۔ ہڈیوں میں فاسفورس، آنکھوں میں زجاج اور دماغ میں نور جو اس میں بھر دیا ہے:

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

انسان میں غضب و شہوت، اخلاقی ظلمتیں ہیں، اور عقل نور

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

کوئلہ سراپا ظلمت اور قاتل حیات ہے، لیکن اس کی وجہ سے اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ پٹرول اس کا پسینہ ہے جس سے قومیں طاقت حاصل کر رہی ہیں۔ یہ شہروں میں بجلی کی بہار کوئلے کے دم سے قائم ہے۔ غور فرمائیے کہ کوئلے میں نور و ظلمت کا امتزاج کس قدر دقیق

صناعی سے بنایا گیا ہے۔

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

کائنات میں کئی طرح سے تنوع ہے، جس کی ایک صورت یہ ہے: (۱) ٹھوس اجسام مثلاً لوہا، پتھر وغیرہ (۲) مائع (۳) مائع سے لطیف یعنی دھواں (۴) دھوئیں سے لطیف یعنی گیس۔ (۵) گیس سے لطیف یعنی نور (۶) نور سے زیادہ لطیف یعنی ایتھر (۷) اور ایتھر سے زیادہ لطیف یعنی روح۔ روح ایک نور ہے اور جسم ظلمت۔ ہر دو کے اختلاط سے کائنات کی رونق قائم ہے:

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

علم ایک ایسی طاقت ہے جو ظلمت سے نور پیدا کر سکتی ہے۔ آج یورپ کے ارباب علم فولاد، کوئلے اور ربڑ وغیرہ سے نور زندگی حاصل کر رہے ہیں۔ مسلمانوں نے یہ کام چھوڑ دیا، اس لیے انھیں موت کی نیند سلا دیا گیا:

ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا

انسان بصورت توانائی، عصر طفولیت، عہد شباب اور زمانۂ کہولت سے گذر کر منزل عقل و حکمت یعنی پیری تک آپہنچا۔ اسی طرح نسل انسانی وحشت و بربریت کے مدارج سے گذر کر علم و عرفان کی بلندیوں تک جا پہنچی۔ اندازہ فرمائیے کہ نسل انسانی کو تکمیل کے لیے ظلمت کے کن مدارج سے گذرنا پڑا۔ اگر ظلمت نہ ہوتی، تو نور کی قطعاً کوئی قدر نہ ہوتی۔ اگر انسان دور ظلمت سے نہ گذرتا، تو ہم اس کے کمالات علمی و عملی کی قدر نہ کر سکتے:

جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

ہم عرض کر چکے ہیں کہ زندگی ترکیب عناصر اور موت انتشار عناصر کا نام ہے۔ اسی لیے تو ارشاد ہوتا ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا | تمہاری ترکیب خاکی ذرات سے ہوئی جن کے انتشار کا وقت بھی مقرر ہو چکا ہے۔
(انعام: ۲)

حضرت مسیحؑ نے کیچڑ سے پرندہ بنایا تو تمام عالم انگشتِ حیرت بدنداں ہو گیا۔ اللہ ہر روز کیچڑ سے لاکھوں حیوانات و نباتات پیدا کر رہا ہے اور کسی کے جذبۂ حیرت میں کوئی جنبش پیدا نہیں ہوتی:

خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ

۱۹ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا ... حج ۱/۲

اللہ سے ڈرو، شدت سے ڈرو کہ آنے والا زلزلہ ایک مہیب حادثہ ہوگا۔ اس روز ماں بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر پڑیں گے ....

یہ زلزلہ، زلزلۂ آخرت سے مختلف معلوم ہوتا ہے، ورنہ تَضَعُ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا کا ٹکڑا بے کار بن جاتا ہے۔ قیامت کے دن حاملہ عورتوں کا وضعِ حمل کیا معنی رکھتا ہے؟

درحقیقت یہ آیت ایک پیش گوئی معلوم ہوتی ہے جس میں مسلمانوں کو کسی حادثۂ عظیم[1] کی خبر دی گئی ہے۔ مسلمانوں پر سب سے بڑی قیامت ۱۲۵۸ء میں ٹوٹی تھی جب تاتاری وحشیوں نے خلافتِ عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور یہ خونخوار درندے ممالکِ اسلامیہ پر موت و ہلاکت بن کر چھا گئے تھے۔

سہیلی نے طبری سے روایت کی ہے:

اِنَّ مُدَّۃَ بَقَاءِ الدُّنیا منذ الملۃ خمسمائۃ سنۃ | ورودِ اسلام کے بعد دنیا ۵۰۰ برس باقی رہے گی۔

آں حضرت صلعم کی وفات سے تقریباً ساڑھے پانچ سو برس بعد اسلامی دنیا میں تاتاریوں کا زلزلہ آیا، جس کے متعلق شیخ سعدیؒ نے کہا تھا:

اے محمدؐ! در قیامت گر برآری سر ز خاک — سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں

---

[1] یہ آیت نہ کسی خاص قیامت سے متعلق ہے نہ خاص حادثہ سے وابستہ۔ ہر زلزلے کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے اور ہر زلزلے سے ہلاک شدہ لوگوں کی قیامت اسی وقت واقع ہو جاتی ہے۔ (مدیر البیان)

ایک حدیث کے رُو سے آں حضرت صلعم نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

اجلکم فی اجل من قبلکم من صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس۔	اگلی قومیں اس دنیا میں صبح سے عصر تک رہیں اور تم عصر سے غروب آفتاب تک رہوگے۔

اگر اللہ کا ایک دن ۵۰ ہزار برس کا تسلیم کیا جائے تو عصر و غروب کا درمیانی وقفہ پانچ چھ سو برس بنتا ہے اور یہی تاتاریوں کی تاریخ خروج ہے۔ سہیلی نے سورۂ حج کے مکررات کو حذف کرنے کے بعد حروف ابجد کو جمع کر کے تاریخ قیامت ۷۰۳ھ مطابق ۱۳۰۴ء نکالی ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے، جب تاتاری عراق وغیرہ کو رَوندنے کے بعد دمشق پر حملہ آور ہوئے تھے اور امام ابن تیمیہ مقابلے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ (ملاحظہ ہو میری کتاب "امام ابن تیمیہ" مطبوعہ مکتبہ اُردو لاہور)

شاذان بلخی (ایک مشہور منجم) کا خیال یہ تھا کہ اسلام ۳۲۰ھ کے بعد ختم ہو جائے گا۔ یہ وہی زمانہ ہے، جب عباسی فرماں رواؤں کا اخلاقی و سیاسی زوال شروع ہو گیا تھا۔ یعقوب بن اسحٰق کندی (عرب کے مشہور منجم و فلسفی) نے قیامت کی تاریخ ۶۹۳ھ مطابق ۹۴-۱۲۹۳ء دی ہے۔ نوفیل رومی (عہدِ اُمیّہ کے ایک مشہور منجم) کے خیال میں اسلام کی عمر صرف ۹۶۰ برس تھی[1]۔ ایک اَور منجم جراس نے بھی یہی تاریخ دی ہے اور یہ وُہ زمانہ ہے، جب یورپ اسلام کے آثارِ باقیہ کو مٹانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔

(۱) وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ۔ (حج ۳۱)	مشرک اُس انسان کی طرح ہے جو آسمان سے گرے اور اُسے راہ میں پرندے اُچک لیں یا آندھیاں اُسے کسی دُور و دراز گوشۂ زمین میں پھینک دیں۔

---

[1] اسلام کی عمر سے متعلق جو روایتیں ہیں، ان کی کوئی اصلیت نہیں۔ یہ ازلی ابدی دین ہے جس سے آسمان و زمین کی تمام مخلوقات اسی کی پابند ہے۔ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اگر اسلام کی عمر ختم ہو چکی ہے تو ہم گذشتہ مدعیوں کا استقبال کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ (مدینۃ البیان)

جو لوگ کاہلی و تن آسانی، خود غرضی و نفس پرستی کو شعار حیات (یا اپنا رب) بنا لیتے ہیں، انھیں باعمل، جفا جو اور مشقت کش اقوام تخت سلطنت سے اٹھا کر فرش زمین پر دے پٹخنی دیتی ہیں کہ ان کی حیات نامراد کا ہر پہلو چکنا چور ہو جاتا ہے۔ ہندوستان اور مسلمان کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

اس آیت میں طیر سے طیارے اور ریح سے گیس بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ آج ہر ضعیف (مشرک) قوم کی موت ان ہی دو حربوں سے واقع ہو رہی ہے:

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

(۱۱) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ .... (نور - ۳۵)	اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ یہ نور اس چراغ دان کی طرح ہے جس میں چراغ رکھا ہوا اور چراغ ایک ایسے شیشے میں بند ہو جو روشن ستارے کی طرح زیتون کے مبارک درخت سے چمک رہا ہو۔ یہ درخت نہ تو شرقی ہے اور نہ غربی (یعنی نہ دھوپ میں ہے اور نہ سائے میں) اس کا تیل دیا سلائی دکھائے بغیر ضیا گری کے لیے بے تاب ہے۔ نور پہ نور ہے۔

اللہ ایک نور ہے، جو ظہور کے لیے بے تاب ہے اور یہ کائنات بھی سراپا نور ہے تو گویا ایک نور ہے نور کے اوپر (نور علیٰ نور)

اس زمین کی تخلیق آفتاب سے ہوئی اور آفتاب کی کہکشاں سے۔ نور کی اولاد بھی نور ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ ذرۂ صحرا سے لے کر عرش کے تارے تک ہر چیز نوری ہے۔ کوئلہ بظاہر سیاہ ہے، لیکن نور کی ایک دنیا دامن میں لیے بیٹھا ہے۔ پتھر کو پتھر سے ٹکراؤ تو آگ پیدا ہوگی۔ پٹرول اور تیل نور سے چھلک رہے ہیں، صابن

کی کالی گھٹاؤں میں بجلیاں رقصاں ہیں۔ باغوں اور کھیتوں میں ازھار و اثمار کی دہکتی ہوئی دنیائیں یوں معلوم ہوتی ہیں گویا باغ و راغ میں آگ لگی ہوئی ہے۔ جو گنبد زنگر کے آبشار سے نور و ضیا کے وہ فوارے چھوٹ رہے ہیں کہ تقریباً سارا پنجاب بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ کیڑا ریشم جیسی حسین چیز تیار کر رہا ہے۔ پتھر موتی بن کر اور لوہا تلوار میں تبدیل ہو کر آنکھوں کو خیرہ بنا رہا ہے۔

کائنات کا ہر منظر ایک مکمل انوارستان ہے۔ کہیں نور عریاں ہے مثلاً کرم شب تاب و مہتاب میں اور کہیں زیر حجاب مثلاً نو ہے، کوئلے، تیل، لکڑی اور پانی میں۔ پانی کے اجزائے ترکیبی دو قابل اشتعال گیسیں ہیں۔ تمام عالم کی ترکیب برق پاروں سے ہوئی۔ یہ برقیے کہیں ذرات، کہیں ستارے، کہیں پھول اور کہیں پھل بن کر جلوہ گر ہیں۔ الغرض کائنات کی رگ رگ میں امواجِ نور رقصاں ہیں۔ جو جلوہ و ظہور کے لیے سخت بے تاب ہیں۔ سچ ہے: یَکَادُ یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ (نور ۳۵)

(۱۲) اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزۡجِیۡ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیۡنَہٗ ثُمَّ یَجۡعَلُہٗ رُکَامًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِہٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِیۡہَا مِنۡۢ بَرَدٍ فَیُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَصۡرِفُہٗ عَنۡ مَّنۡ یَّشَآءُ ؕ یَکَادُ سَنَا بَرۡقِہٖ یَذۡہَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ؕ (نور۔ ۴۳)

میرے محترم دوست پیر غلام وارث پروفیسر طبیعیات (ولیکچرار) گورنمنٹ کالج ہوشیار پور (ولادت ۱۹۰۰ء) نے اس آیت کی مندرجہ ذیل تفسیر کی ہے جو رسالہ ترجمان القرآن میں شائع ہو چکی ہے۔ یہاں قدرے لفظی و معنوی تغیر کے ساتھ درج کی جاتی ہے:

(۱) یُزۡجِیۡ سَحَابًا: زجی کے معنی ہیں آہستہ آہستہ ہانکنا۔ برچھی سے ہانکنا، سیر ہونا۔ یعنی اللہ بادلوں کو پانی سے سیر کر کے آہستہ آہستہ ہانکتا ہے۔ برچھی سے مراد بجلی بھی ہو سکتی ہے۔

(۲) یُؤَلِّفُ بَیۡنَہٗ: الفت باہمی کشش کو کہتے ہیں۔ اگر پانی کے ایک قطرے میں

مُثبت بجلی پیدا کی جائے تو قریب والے ذرّے میں منفی اور پھر اگلے ذرّے میں مثبت بجلی پیدا ہو جائے گی۔ یہ متضاد بجلیوں والے قطرے ایک دوسرے کی طرف کھچیں گے اور جوں جوں ایک دوسرے کے قریب آئیں گے تو قانونِ مربعاتِ معکوسہ (Inverse Squares) کے ماتحت ان کا جذب باہمی بڑھتا جائے گا اور اسی کا نام تالیف ہے۔ بینہٗ کی ضمیر مفرد بتلاتی ہے کہ یہ کشش بادل کے ہر قطرے میں ہوتی ہے۔

(۳) رُکامًا: انبار لگانا، پیوستہ کرکے مختصر کر دینا، کثیف ہونا۔ یہ لفظ ان تمام کیفیات کو بتلا رہا ہے، جو آبی سالمات میں مُبترق ہونے کے بعد پیدا ہو جاتی ہیں۔ بادل کا ہر قطرہ بے شمار ذرّاتِ آبی سے مرکب ہوتا ہے۔ مہندس جانتے ہیں کہ جب چھوٹے چھوٹے کُروں سے ایک بڑا کرہ تیار کیا جائے تو اس کی بیرونی سطح چھوٹے کروں کی سطح سے کم ہوتی ہے اور اسی طرح برقی چارج کی شدت (Density) بڑھ جاتی ہے۔

(۴) ودق: رِس رِس کر نکلنا، بلبلا ہونا، گرم ہونا۔ ظاہر ہے کہ بُوندیں رِس رِس کر نکلتی ہیں۔ ان کا پیٹ پانی سے پُر ہونے کی وجہ سے پلپلا ہوتا ہے اور بجلی انہیں گرما یا برقا دیتی ہے۔

(۵) مِن خِلٰلِهٖ: خلل کے معنی ہیں، درمیان، تُرشی۔ سائنس دان جانتے ہیں کہ اگر بجلی کی رَو کسی موصل (Conductor) سے گذاری جائے تو بجلی اس کی سطح پر آ جاتی ہے۔ پانی غیر موصل (Nonconductor) ہے، لیکن اس تیزابی مادے کی وجہ سے جو ہوا میں سے قطرات کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے، موصل بن جاتا ہے اور اس لیے بجلی کی وجہ سے ان قطرات کی سطح مُبترق ہو جاتی ہے۔ یہ تیزابی مواد زمین کے لیے کھاد کا کام دیتا ہے اور بجلی (جو ان قطرات میں موجود ہوتی ہے) مُردہ زمین کی نَس نَس میں زندگی بھر دیتی ہے۔ اگر خِلٰلِه سے اِس تیزابی مواد کی طرف اشارہ مقصود نہ ہوتا تو شاید بینہ یا جوفہ کا لفظ استعمال ہوتا۔

(۶) يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ۔ (۲۴-۴۳)

مفسرین اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

"اور اللہ آسمان سے یعنی پہاڑوں سے بارش اُتارتا ہے"۔

اس تفسیر پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں:

اوّل: "آسمان سے یعنی پہاڑوں سے" اس "یعنی" کے تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ نے سیدھی طرح کیوں نہ کہہ دیا کہ آسمان سے یا پہاڑوں سے بارش اُتارتا ہے۔ دوم: جب تمام قرآن میں بارش آسمان میں سے اُتاری گئی ہے تو پھر اس آیت میں "یعنی پہاڑ سے" کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ سوم: ینزل فعل متعدی ہے، جس کے مفعول کا ذکر ضرور ہونا چاہیے اور اس آیت میں کوئی مفعول نظر نہیں آتا کہ خدا نے کیا چیز آسمان سے اُتاری۔ چہارم: مفسرین یہاں بارش (من ماء) کا لفظ محذوف مانتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ ایک فعل متعدی کا مفعول تو حذف کر دے اور "من جبال" کے زائد الفاظ خواہ مخواہ بڑھا دے؟

اور حضرت ابن عباس نے تو اور بھی کمال کر دکھایا کہ آسمان میں پہاڑوں کا وجود تسلیم کر کے فرمایا کہ بادل ہمیشہ آسمانی پہاڑوں پر تیار ہو کر زمین پر برستے ہیں اور اس لیے آیت کے معنی ہوں گے: "اللہ آسمانی پہاڑوں سے بارش برساتا ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت آج تک ایک معمّا تھی۔ اب سائنس کے انکشافات نے اسے واضح کر دیا ہے۔ جبال جمع ہے جبل کی اور جبل کے معنی ہیں مٹی کو پانی سے ملانا۔ ماہرینِ باراں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ بوندیوں کی تکوین خاکی ذرات کے سہارے کے بغیر ناممکن ہے۔ ہر قطرۂ آبی ذراتِ خاکی کے اردگرد تیار ہوتا ہے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے:

"اور اللہ آسمانی بلندیوں سے ایسے قطرات اُتارتا ہے، جن میں خاکی ذرات ملے ہوتے ہیں"۔

(۷) بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھ کے اُس ذکی الحس پردے کو جہاں محسوسات کی تصاویر بنتی ہیں، بے حس کر دیتی ہے۔ وہ اس طرح کہ بجلی کی تیز چمک سے اس پردے کی شریانوں میں تمام آنکھ کا خون جمع ہو جاتا ہے اور اگر ہم آنکھ کو فوراً بند نہ کر لیں تو خون کے دباؤ سے آنکھیں پھوٹ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجلی کی کے بعد کچھ دیر تک ہم بصارت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دنیا تاریک ہو جاتی ہے اور جب خون پھیل کر دوبارہ اپنے مقام پر چلا جاتا ہے تو بینائی لوٹ آتی ہے۔

یَکَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ (نور ۴۳) | قریب ہے کہ بجلی کی چمک انسان کو بینائی سے محروم کر دے۔

ان تفاصیل کی روشنی میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا:

(کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ بادلوں کو ہانک کر ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ برقی رَو کی بدولت قطرات ایک دوسرے سے پیوستہ ہو جاتے ہیں (مُرکّمًا) اور پھر تیزاب آمیز بوندیاں بادلوں سے نکلتی ہیں اور اللہ فضائی بلندیوں سے ایسے قطرات زمین پر برساتا ہے جو خاکی ذرات کے سہارے بنتے ہیں خدائی مرضی کے مطابق بعض مقامات پر بارش برستی ہے اور بعض جگہ نہیں برستی۔ قریب ہے کہ بجلی کی روشنی آنکھوں کو بصارت سے محروم کر دے)

پانی کو اُبالنے کے لیے سَو درجۂ حرارت کی ضرورت ہے اور صرف ایک گرام پانی کو گیس میں تبدیل کرنے کے لیے ۶۳۲ درجۂ حرارت درکار ہے۔ اللہ کی نوازش دیکھو کہ ہر روز سمندر کا کروڑوں ٹن پانی ہماری کوشش کے بغیر گیس میں تبدیل ہو رہا ہے۔ حساب لگانے سے معلوم ہوا ہے کہ صرف سَو مربع میل رقبے کو سیراب کرنے کے لیے جس قدر بخارات کی ضرورت ہوتی ہے، وہ پانچ لاکھ ٹن کوئلے کے صَرف سے پیدا ہو سکتے ہیں اور تمام ہندوستان پر صرف دس منٹ تک بارش برسانے کے لیے نوّے کھرب ٹن کوئلہ جلانا پڑے گا جس کی قیمت چار سو پچاس کھرب روپیہ بنتی ہے اور یہ رقم حکومتِ ہند کی سالانہ آمدنی سے تیس ہزار گنا زیادہ ہے۔

بارش کے متعلق یہ تمام انکشافات گزشتہ پچاس برس میں ہوئے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے ۱۳۶۲ برس پہلے معلوم تھے۔ انصافاً کہو کہ قرآن کے الہامی ہونے پر اس سے بڑی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے ؟

از دم سیراب آں اُمی لقب — لالہ رُست از ریگِ صحرائے عرب
اودلے در پیکرِ آدم نہاد — او نقاب از چہرۂ فطرت کشاد
"اقبال"

(۱۶) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ (نور۔ ۳۹۔ ۴۰)

گرم ریت پر نچلی ہوا ہلکی ہو جاتی ہے اور اوپر کی بھاری۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر روشنی کی شعاع دو مختلف وسائط (Medium) سے گذرے تو وہ ٹیڑھی ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ایک لاٹھی کا کچھ حصہ پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ٹیڑھی نظر آئے گی۔ یہی قانون سراب میں بھی عمل کرتا ہے کہ نگاہ کثیف و لطیف ہوا سے گذر کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ درخت کی چوٹی نیچے اور جڑ اوپر نظر آتی ہے جس سے وہاں پانی ہونے دھوکا لگ جاتا ہے۔

اسیرانِ سراب کی طرح کفار (جاہ پرست، نفس پرست، غدّار، حاسد، غمّاز، جھوٹے، کاہل، بداخلاق) کی نگہِ بصیرت کج ہو جاتی ہے۔ وہ کسی ایسے مقصد کو، جو اُن کے شخصی و قومی ارتقاء کے لیے تباہ کن ہو، مفید سمجھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن انہیں نہایت تلخ نتائج کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

صرف الہامی ضابطہ ہی وہ نور ہے جو انسانی آنکھوں کو کج بینی سے بچاتا ہے۔ آج اس دور میں کہ آز و طمع کی تاریکیاں ہر سو محیط ہیں نفس پرستی و جاہ طلبی کی گھٹائیں چھائی ہوئی

ہیں اور آفتاب ہدایت حجابات گناہ میں مستور ہے، کج بینی کا مرض اس قدر جہاں گیر ہو چکا ہے کہ الامان والحذر۔ جسے دیکھو، غلط انگاری کا پیکر، اپنی رائے کو تمام مسائل پر، خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، عمرانی ہوں یا اقتصادی، آخری سمجھتا ہے۔ ایک غلام قوم کئی طرح کی ظلمتوں میں گرفتار ہوتی ہے۔ (۱) تاریخی افکار (۲) تاریکی ماحول (۳) مذہبی و سیاسی رہنماؤں کی غلط تعلیم کی تاریکی۔

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ

اگر مہذب دنیا کی اقوام حاضرہ یہ چاہتی ہیں کہ وہ ظلم وسفاکی کی بہیمانہ ظلمتوں سے نکل کر ایک ایسے مستقبل میں داخل ہوں، جہاں ماہتاب الہام کی ملیح کرنیں پیام سکون دے رہی ہوں اور جہاں آسمانی شہنائی کی مست آواز کیف وسرور کا عالم رچا رہی ہو، تو اس کی راہ خانہ ساز فسطائیت و مشروطیت نہیں، بلکہ وہی عرشی نظام ہے جو خالق فطرت نے انسانی فطرت کو عطا کیا تھا:

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

(ترجمۂ آیت) "کفار کے اعمال سراب بیاباں کی طرح ہیں، جیسے پیاسا پانی سمجھ کر آگے بڑھتا ہے اور وہاں اللہ کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ اُسے فوراً مکافات عمل میں مبتلا کر دیتا ہے، یہ اس لیے کہ اللہ حساب میں دیر نہیں لگاتا، یا اُن کے اعمال ایک مواج سمندر کی ظلمتوں کی طرح ہیں، جہاں لہروں پر لہریں اٹھتی ہوں۔ سیاہ گھٹائیں محیط ہوں، ظلمت در ظلمت کا سماں بندھا ہوا ور اپنا ہاتھ تک نظر نہ آتا ہو۔ سچ ہے، جو شخص الہٰی نور کی تجلیوں میں رہ کر راہ منزل نہیں ہوتا، وہ بھٹک جاتا ہے۔"

(۱۷) گو رات کے وقت ہمارا آفتاب غروب ہو جاتا ہے، لیکن اس سے ہزاروں گنا بڑے اور زیادہ روشن سورج فضا میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کروڑوں آفتابوں کی موجودگی میں سطح زمین پر ظلمت کا چھا جانا الہٰی صناعی کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اگر ظلمت نہ ہوتی، تو

جہاں تمازتِ آفتاب سے کائنات میں آگ بھڑک اٹھتی، وہیں بیداری و بے خوابی سے دماغ پھٹ جاتا۔ بدیگر الفاظ رات اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

جس طرح انجن گاڑیوں کو کھینچتا ہے، اسی طرح سورج کے پیچھے پیچھے اندھیرا آرہا ہوتا ہے گویا سورج ظلمتوں کا بھی قائد ہوتا ہے۔ ہر نبی کائنات میں آفتاب بن کر آتا ہے۔ اس کے ہمراہ تجلیاں ہوتی ہیں اور جونہی وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے، تو دنیائے روح پر اسی طرح تاریکیاں محیط ہوجاتی ہیں، جس طرح غروبِ آفتاب کے بعد سطح ارضی پر۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ۙ (فرقان - ۴۵)	کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے غروبِ آفتاب کے بعد زمین کا سایہ کس طرح پھیلا دیا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو رات کو دوامی بنا دے۔ سورج اس سائے (رات) کا قائد ہے۔

(۱۸) دنیا میں پانی کئی شکلیں بدلتا ہے۔ کہیں منجمد ہے کہیں مائع، کہیں گیس، کہیں پھلوں کا رس، کہیں تیل کہیں دودھ، کہیں خون اور کہیں پٹرول ہے۔ جب ہم پانی پیتے ہیں، تو وہ خون کی رگوں میں چلا جاتا ہے۔ وہاں سے غلاظتوں کو سمیٹ کر کچھ پھیپھڑوں اور کچھ گردوں کے راستے باہر نکال دیتا ہے۔ اسی طرح کہستانی چشمے معادن کے ذخائر ہمراہ لے کر ہم تک پہنچتے ہیں اور ہماری بستیوں کی غلاظتیں سمیٹ کر سمندر میں چلے جاتے ہیں۔ بدیگر الفاظ "تصریفِ آب" تکوین و تخلیق کا ایک معجزہ ہے۔ یہ پٹرول، یہ خون، یہ دودھ، یہ بادل، یہ دریا اور یہ چشمے سب تصریفِ آب کے کرشمے ہیں۔ شہروں میں بجلی کا طوفان روشنی افتادِ آب (آبشار) کا نتیجہ ہے۔ یہ انجنوں کی گرم رفتاری، سٹیم (بخاراتِ آبی) کی بدولت ہے۔ بدیگر الفاظ پانی کی دنیا قوت و ہیبت کی دنیا ہے جس کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ پانی کا قومی و انفرادی زندگی سے کتنا گہرا ربط ہے؟ اس کی ترکیب کتنا بڑا معجزہ ہے؟ اور اس کی تصریف سے سٹیم، پٹرول، و بجلی بنا کر اپنی

طاقت اور دنیا کے وسائل سہولیت میں کس قدر اضافہ کیا جا سکتا ہے؟ اِن مسائل پر غور کرنا مُسلم کا فرض ہے اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے، وہ قرآن کی اصطلاح میں مُسلم نہیں۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ۙ لِّنُحْيِۦ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

فرقان - ۴۸ تا ۵۰)

اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت (بارش) کی بشارت بنا کر بھیجتا ہے۔ وہ آسمان سے آبِ مصفا برسا کر مُردہ بستیوں کو زندہ کرتا ہے۔ یہ پانی تمام ذی حیات مثلاً حیوان و انسان کے لیے مایۂ حیات ہے۔ ہم پانی کو مختلف صورتوں میں بدلتے ہیں (تصریفِ آب) تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں، لیکن کفار (کاہل، جاہل و غلط اندیش) ہماری نہیں سنتے۔

پانی مرکب ہے اور روح بسیط۔ پانی کا ایک قطرہ تک فنا نہیں ہو سکتا۔ دریا سے اُٹھا تو بادل بن گیا۔ وہاں سے ریگستان میں ٹپکا، تو دوبارہ فضا میں اُڑ گیا۔ باغ میں برسا، تو رس بن کر پھل میں جا پہنچا۔ وہاں سے ہمارے پیٹ میں آیا اور یہاں یا تو جزوِ جسم بن کر باقی رہا۔ اور یا گُردوں وغیرہ کے راستے پھر باہر نکل گیا اور اگر سمندر میں ٹپکا، تو گویا وطن میں پہنچ گیا۔ الغرض قطرۂ آب کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہتا ہے۔ اگر پانی باوجود مرکب ہونے کے زندہ رہتا ہے تو رُوح کو جو بسیط ہے، بدرجہ اولیٰ باقی رہنا چاہیے جس طرح آفتابی شعاعیں پیاسے ریگستان میں ٹپکے ہوئے قطروں کو ڈھونڈھ کر آسمانی بلندیوں کی طرف واپس لے جاتی ہیں، اسی طرح زندگی کے یہ تمام قطرے جو اجسامِ انسانی کے خاکدانوں میں ٹپک پڑتے ہیں، لامکانی وسعتوں میں دوبارہ پہنچ جائیں گے۔ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝

(۱۹) عَمَّ يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ | کیا یہ لوگ قیامت[1] کے متعلق سوال کر رہے ہیں؟ (نبأ ۳)

---

[1] حضرت خواجہ احمد الدینؒ کے نزدیک "توحیدِ الٰہی" نبأ عظیم ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وما من الٰہ الا اللہ الواحد القہار ۝ رب السمٰوٰت والارض وما بینہما العزیز الغفار ۝ قل ھو نبؤ عظیم ۝ انتم عنہ معرضون ۝ (صٓ ۶۹) (البیان)

اَلَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۙ	حقیقتِ کبریٰ کے متعلق ان میں اختلاف پایا جاتا ہے؟
ثُمَّ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۝ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ	انھیں عن قریب یقین حاصل ہو جائے گا اور یقیناً ہوگا
مِهٰدًا ۝.... (النبا۔ ا تا ٦)	کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا؟.....

ایک پرندہ انڈے دے کر بچوں کو آشیانے میں پالتا ہے۔ ان کے لیے غذا مہیا کرتا ہے۔ اپنے پروں کے نیچے تھپکا تھپکا کر سلاتا ہے اور جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو گھونسلے کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

بس یہی حال زمین کا ہے۔ اس مہد میں ہم پلتے ہیں۔ سورج ہمیں روشنی دیتا ہے۔ بادل پانی، درخت پھل اور معادن قوت بخشتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد ہم اس گہوارے کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں۔

جس طرح کہ پرندے کی اصلی دنیا آشیانے سے باہر ہے، اسی طرح ہماری اصلی زندگی کہیں دور ہے۔ یہاں ہم صرف چند سوگوار گھڑیاں بسر کرنے کے لیے آتے ہیں اور بس:

زندگی ایک دم کا وقفہ ہے   یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

(۲۰) اَلرَّحۡمٰنُ ۙ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ[1]	الٰہی رحمت کی لا انتہا ئیاں دیکھو کہ اللہ نے عروج و ارتقا
(الرحمٰن ۱-۲)	کا مکمل آئین (قرآن) ہمیں عطا فرمایا۔
خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ (الرحمٰن ۔۳)	انسانی تخلیق الٰہی صناعی کا بہت بڑا اعجاز ہے

عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ۝ (الرحمٰن ۴) انسان کو پیدا کر کے اُسے قوتِ گویائی عطا کی (تاکہ وہ صحیفۂ فطرت کی تشریح کرے)

آؤ! دیوانِ فطرت میں سے چند اشعار آپ کو سنائیں:

اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۙ (الرحمٰن ۵) آفتاب و ماہتاب ایک معین دستور العمل کے مطابق سرگرم پرواز ہیں۔

---

[1] یہاں سورۂ رحمٰن کی آیاتِ طبیعیہ کی تفسیر درج ہوگی۔ (برق)

یہ موسموں کا تغیر و تبدل اور یہ اشجار و اثمار کا تنوع شمس و قمر کی گردشوں کا نتیجہ ہے جن پر غور کرنا اور پھر کھول کھول کر بیان کرنا انسان کے فرائض میں شامل ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ○ (الرحمٰن ۶) درخت اور پودے ایک آئین کے پابند ہیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ انگور میں سیب کا ذائقہ آجائے یا سنگترہ آم کی ہیئت بدل لے؟ یہ ممکن نہیں، کیوں کہ تمام کائنات ایک دستور العمل نبھانے میں پوری طرح سرگرم ہے اور اسی اطاعت کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف اعتدال، باقاعدگی اور نظام پایا جاتا ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ○ (الرحمٰن ۷) اللہ نے آسمان کو مرتفع کر کے کائنات میں عدل و توازن پیدا کیا

أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ○ (الرحمٰن ۸) خبردار توازن کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

افراد اعتدال سے اور اقوام عدل سے دور ہٹ کر پٹ جاتی ہیں۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ○ (الرحمٰن - ۹) | عدل و توازن کا پورا پورا خیال رکھو اور ترازو کو ایک طرف جھکنے نہ دو۔

آج سطح زمین پر کوئی ایک قوم بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ابنائے آدم کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے تیار ہو۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ دنیا کی حریص قومیں ایک دوسرے پر آگ برسا رہی ہیں۔ بستیاں اجڑ رہی ہیں۔ صدیوں کی تہذیبیں مٹ رہی ہیں اقوام ہفتوں[۱] اور دنوں میں مٹ رہی ہیں اور انسان کا خون پانی سے زیادہ ارزاں ہو رہا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اقوام میں عدل نہیں رہا۔

عدل و انصاف سے اقوام اسی طرح زندہ ہوتی ہیں جس طرح بارش سے زمین۔ یہ زمین بظاہر دکھی پھیکی سی ہے، لیکن جب اس پر بہار کے بادل برستے ہیں تو ہر سو لالہ زار کھل

---

[۱] ہٹلر نے پولینڈ کو ۱۸ یوم، ناروے، ڈنمارک اور لکسمبرگ کو صرف ایک دن، ہالینڈ کو پانچ دن، بلجیم کو ۱۳ دن، فرانس کو ۱۲ یوم اور یونان و یوگوسلاویہ کو تین ہفتوں میں مٹا دیا۔ (برق)

اَلَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝	حقیقتِ کبریٰ کے متعلق ان میں اختلاف پایا جاتا ہے؟
ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ	انھیں عن قریب یقین حاصل ہو جائے گا اور یقیناً ہو گا
مِهٰدًا ۝ ..... (النبا۔ ۱تا۶)	کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا؟ .....

ایک پرندہ انڈے دے کر بچوں کو آشیانے میں پالتا ہے۔ ان کے لیے غذا مہیا کرتا ہے۔ اپنے پَروں کے نیچے تھپکا تھپکا کر سُلاتا ہے اور جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو گھونسلے کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

بس یہی حال زمین کا ہے۔ اس مہد میں ہم پلتے ہیں۔ سورج ہمیں روشنی دیتا ہے۔ بادل پانی، درخت پھل اور معادن قوت بخشتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد ہم اس گہوارے کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں۔

جس طرح کہ پرندے کی اصلی دنیا آشیانے سے باہر ہے، اسی طرح ہماری اصلی زندگی کہیں دُور ہے۔ یہاں ہم صرف چند سوگوار گھڑیاں بسر کرنے کے لیے آتے ہیں اور بس:

زندگی ایک دم کا وقفہ ہے ۔۔۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

(۲۰) اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝[1] (الرحمٰن ۱-۲)	الٰہی رحمت کی لا انتہائیاں دیکھو کہ اللہ نے عروج و ارتقا کا مکمل آئین (قرآن) ہمیں عطا فرمایا۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ (الرحمٰن۔۳)	انسانی تخلیق الٰہی صناعی کا بہت بڑا اعجاز ہے

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (الرحمٰن ۴) انسان کو پیدا کر کے اُسے قوتِ گویائی عطا کی (تاکہ وہ صحیفۂ فطرت کی تشریح کرے)

آؤ! دیوانِ فطرت میں سے چند اشعار آپ کو سُنائیں:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ (الرحمٰن ۵) آفتاب و ماہتاب ایک معین دستور العمل کے مطابق سرگرمِ پرواز ہیں۔

---

[1] یہاں سورۂ رحمٰن کی آیاتِ طبیعیہ کی تفسیر درج ہو گی۔ (برق)

یہ موسموں کا تغیر و تبدل اور یہ اشجار و اثمار کا تنوع شمس و قمر کی گردشوں کا نتیجہ ہے، جن پر غور کرنا اور پھر کھول کھول کر بیان کرنا انسان کے فرائض میں شامل ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ٥ (الرحمٰن ٦) | درخت اور پودے ایک آئین کے پابند ہیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ انگور میں سیب کا ذائقہ آ جائے یا سنگترہ آم کی ہیئت بدل لے؟ یہ ممکن نہیں، کیوں کہ تمام کائنات ایک دستور العمل نباہنے میں پوری طرح سرگرم ہے اور اسی اطاعت کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف اعتدال، باقاعدگی اور نظام پایا جاتا ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ٥ (الرحمٰن ۷) | اللہ نے آسمان کو مرتفع کر کے کائنات میں عدل و توازن پیدا کر دیا۔

أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ٥ (الرحمٰن ۸) | خبردار توازن کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

افراد اعتدال سے اور اقوام عدل سے دور ہٹ کر پٹ جاتی ہیں۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ٥ (الرحمٰن ۹) | عدل و توازن کا پورا پورا خیال رکھو اور ترازو کو ایک طرف جھکنے نہ دو۔

آج سطح زمین پر کوئی ایک قوم بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ابنائے آدم کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے تیار ہو۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ دنیا کی حریص قومیں ایک دوسرے پر آگ برسا رہی ہیں۔ بستیاں اجڑ رہی ہیں۔ صدیوں کی تہذیبیں مٹ رہی ہیں۔ اقوام ہفتوں[۵] اور دنوں میں مٹ رہی ہیں اور انسان کا خون پانی سے زیادہ ارزاں ہو رہا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اقوام میں عدل نہیں رہا۔

عدل و انصاف سے اقوام اسی طرح زندہ ہوتی ہیں جس طرح بارش سے زمین۔ یہ زمین بظاہر روکھی پھیکی سی ہے، لیکن جب اس پہ بہار کے بادل برستے ہیں تو ہر سو لالہ زار کھل

۵؎ ہٹلر نے پولینڈ کو ۱۸ یوم، ناروے، ڈنمارک اور لکسمبرگ کو صرف ایک دن، ہالینڈ کو پانچ دن، بلجیم کو ۱۳ دن، فرانس کو ۱۲ یوم اور یونان و یوگوسلاویہ کو تین ہفتوں میں مٹا دیا۔ (برق)

جلتے ہیں۔ اسی طرح جب انصاف کی گھٹائیں کسی قوم کی کھیتی پر برستی ہیں تو حد نگاہ تک چمن ہی چمن نظر آتے ہیں۔ المیزان کے ذکر کے بعد سرسبز چراگاہوں کا ذکر کچھ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ (الرحمٰن ۱۱)	زمین کو مخلوق کے لیے رکھا۔ اس بظاہر خشک زمین پر پھل اور درخت اور غلاف والی کھجوریں اس کا سنگار ہیں۔

خود انسان کیا چیز ہے؟ ایک قطرۂ آب یا دھوپ سے جلی ہوئی مٹی۔ اس نے اپنے جذبات میں اعتدال پیدا، تو اس کی حیاتِ انفرادی میں چار چاند لگ گئے۔ کائناتِ انسانی میں توازن قائم کرنے کی کوشش کی، تو اس کی حیاتِ ملی چمک اٹھی۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ (الرحمٰن ۱۴)	اللہ نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا، جو تمازتِ آفتاب میں ٹھیکری بن چکی تھی

آج حکمتِ مغرب نے اعلان کیا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں سمندر کے ساحل پر لاکھوں سال تک سورج چمکتا رہا۔ اسی چمک کا نتیجہ تھا کہ ساحل سے زندگی کا آغاز ہوا۔

فخار کے معنی ہیں: ٹھیکری بھٹیکری مٹی، پانی اور آگ سے تیار ہوتی ہے۔ بدیگر الفاظ اللہ نے فخار کا لفظ استعمال فرما کر نظریۂ مغرب کی تصدیق کر دی۔

جس طرح کہ زمین، پتھر، کوئلے اور درخت کے پیٹ میں آگ چھپی ہوئی ہے۔ اسی طرح انسان میں بھی غصے اور شہوت کی آگ پنہاں ہے۔ وہی لوگ صاحب کمال کہلاتے ہیں جو اس آگ کو بھڑکنے نہیں دیتے، بلکہ اس میں اعتدال پیدا کر لیتے ہیں اور جو لوگ اس آگ پر قابو نہیں پا سکتے، وہ سراپا آگ بن جاتے ہیں اور ان کو شیطان یا جن کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ (الرحمٰن ۱۵) | اور اللہ نے جنوں کو آتشِ مخلوط سے پیدا کیا۔[1]

---

[1] "مارج" کے معنی ہیں مخلوط، یہ آتشیں جوش انسانی مٹی میں مل کر انس کو جن بنا دیتا ہے۔ "بیان للناس" (الیضاً)

حکمائے مغرب نے سالہا سال کی تحقیق و تلاش کے بعد یہ ایمان افروز اعلان کیا ہے کہ موتی میٹھے پانی میں اور مونگا کھاری پانی میں تیار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اس انکشاف پر یوں مہر تصدیق ثبت کرتا ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (الرحمٰن ۲۲) اِن دونوں پانیوں (میٹھے اور کھاری) سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

اگر اس آیت کی یہ تفسیر نہ کی جائے تو مِنْهُمَا کی ضمیر تثنیہ (اُن دونوں) بے کار ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی اور تفسیر نہیں ہو سکتی۔

آج سے بہت پہلے سمندروں میں بڑے بڑے جانور موجود تھے، جو غیر اصلح ہونے کی وجہ سے اسی طرح مٹ گئے ہیں، جس طرح کلدانی و آشوری، عبرانی و یونانی، ساسانی و اسلامی، صلاحیتِ حیات کھو بیٹھنے کے بعد تباہ ہو گئے۔ اللہ ازل سے موجود ہے اور موجود رہے گا، اس لیے کہ وہ اصلح و اقویٰ ہے، صاحبِ جلال و اکرام ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن - ۲۶، ۲۷) | اکرام و جلال والے رب کی ذات کے بغیر باقی تمام اشیاء فنا پذیر ہیں۔

زندگی کا سب سے بڑا خزانہ اللہ ہے جس سے ہر چیز زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے۔ زندگی کیا ہے؟ قرآن پر عمل اور صحیفۂ کائنات میں تدبر۔ کائنات ایک ایسا حسین نگارستان ہے، جس میں ہر روز لاتعداد دل فریبیوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور یہ اضافہ خالق کی نیرنگیٔ تخییل کی سب سے بڑی شہادت ہے۔

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝ (الرحمٰن - ۲۹) | ارض و سما کی ہر چیز اللہ سے زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے اور وہ صناعِ بے چوں ہر روز نئے نئے ڈھنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

عدل حیاتِ اقوام ہے اور بے انصافی موت۔ دنیا میں جہاں کہیں عدل ہو رہا ہے، وہاں زندگی شباب پر ہے۔ ہے کوئی فرد یا قوم، جو قوانینِ حیات کو توڑنے کے بعد سزا سے بچ سکے؟

یا اس زمین سے بھاگ نکلے؟ یہ زمین ایک قلعہ ہے جس کے چار طرف گہرے سمندر، اوپر ہوا ندارد، قدرے اوپر طبقۂ بارود، کچھ اور اوپر بھڑکتے ہوئے شہاب۔ نیز برق زدہ فضائیں کہ ذرا زمینی کشش سے آزاد ہوئے اور مثلاً کسی ستارے نے کھینچ کر وہ جھٹکا دیا کہ ہر بُن مُو سے آگ کی لپٹیں اُٹھنے لگیں۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿الرحمٰن۔ ۳۳﴾	اے جنو اور انسانو! اگر تم زمین و آسمان کے اطراف سے بھاگ کر نکل سکتے ہو تو ذرا کر کے دکھاؤ! یاد رکھو کہ بغیر سلطان[1] تم ایسا نہیں کر سکو گے۔

اگر سُلطان کے معنی طاقت کیے جائیں اور مراد "علم" لی جائے تو تفسیر یوں ہو گی کہ علم ایک ایسی طاقت ہے، جس کی بدولت تم ماوراء الافلاک کی سَیر کر سکتے ہو۔

(۲۱) عہدِ حاضر میں کوئلہ دنیا کی مہیب ترین طاقت ہے۔ اس کے استعمال سے اقوامِ رُبع مسکون کو دہلا رہی ہیں اور ہم تسبیح و تہجد خوان مسلمان استعمالِ زغال سے نا آشنا ہونے کے باعث ننگِ دو عالم بنے ہوئے ہیں۔ خدا جانے مسلم کو قرآن کی یہ آیت کیوں نہ نظر آئی؟

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ (واقعہ ۷۲)	اس آگ (کوئلے) پر غور کرو جو تم جلاتے ہو۔ اس کا درخت (جو زمین میں دب کر کوئلہ بنتا ہے) تم نے پیدا کیا تھا یا ہم نے؟ ہم نے اس کوئلہ کو تذکرۂ حیات اور مفلس اقوام کی سب سے قیمتی متاع قرار دیا ہے۔

کوئلے کے سینے میں سورج کی شعاعیں پنہاں ہیں اور انسان کے دل میں آفتابِ ازل کی کرنیں مضمر ہیں۔ سیاہ کوئلہ انسان کو زندہ کر سکتا ہے اور انسان اگر انسان بن جائے تو تمام کائنات میں زندگی کے طوفان اٹھا سکتا ہے۔

---

[1] غلبہ۔ سودہ حاصل ہونے سے رہا۔ دلیل۔ ہاں بدلائل علیہ جوفِ زمین اور اقطارِ سماوات کی سیر ہو سکتی ہے۔ (ابیا)

ستارے اسی لیے فضا میں طوفان تو اٹھا رہے ہیں کہ وہ ایک دستور العمل کے پابند ہیں۔ اگر آج وہ نافرمانی پر اُتر آئیں تو ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں جس طرح شموس و کواکب کی جلوہ آرائی ایک خاص نظام کی پابندی کا نتیجہ ہے، اسی طرح انسان کبھی چمک نہیں سکتا، اگر وہ اپنے دستور العمل کو جس کا دوسرا نام قرآن ہے، نہ نبا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ (واقعہ ۷۵ تا ۷۷)	مشرق و مغرب کی طرف با قاعدگی کے ساتھ سفر کرنے والے ستاروں کی قسم! دکاش تمھیں علم ہوتا کہ یہ کتنی بڑی شہادت پیش کی جا رہی ہے، کہ پیغمبرِ عربی صلعم کی تعلیم انسانی موت و حیات کا مکمل دستور العمل ہے، جس کا نام قرآنِ کریم ہے۔

(۲۲) سنگترے اور انار کا چھلکا کڑوا ہے، لیکن اندر مٹھاس ہوتی ہے۔ بدیگر الفاظ زندگی کی تمام لذتیں مصائب میں مستور ہیں۔ مبارک ہیں وہ نفوس جو تکالیف کو مردانہ وار برداشت کرنے کے بعد زندگی کی منازلِ عالیہ پر جا پہنچتے ہیں اور حیف ہے اُن پر جو یہاں کی عارضی لذتوں میں پھنس کر حقیقتِ حیات سے غافل رہتے ہیں۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا تھا:

الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ | جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

اور قرآنِ حکیم میں وارد ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ (الحدید ۱۳)	قیامت کے دن منافق مرد اور عورتیں جنتیوں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھیرو۔ ہم تم سے کچھ روشنی حاصل کرلیں، وہ جواب میں کہیں گے کہ اس کام کے لیے واپس جاؤ۔ فوراً اُن کے اور جنت کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی، جس کا باطن سراسر رحمت ہوگا، لیکن باہر مصائب ہوں گے۔

تو گویا جنت مصائب میں مستور ہے۔

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِہِ | جنت معائب سے گھری ہوئی ہے۔

کہاں ہیں وہ بے عمل مدعیانِ اسلام! جو چند نفل پڑھ کر اور دنیا میں کاہل رہ کر جنت کے ٹھیکدار بنے بیٹھے ہیں:

قرآنِ حکیم پیامِ زندگی ہے اور رسولِ پیمبرِ زندگی۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئلے اور فولاد سے اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ بدیگر الفاظ یہ اقوام قرآنِ حکیم کے بعض اصول پر عمل کر رہی ہیں اور پیروانِ اسلام جو ان معادن کے استعمال سے ناآشنا ہیں، مر چکے ہیں۔ ایک مُردہ قوم پیروِ رسول نہیں ہو سکتی۔ رسول اقوام کو زندہ کرنے کے لیے آتا ہے اور جو مر چکے ہیں یا مر رہے ہیں، وہ کسی صورت میں بھی پیرو پیمبر نہیں کہلا سکتے۔

اَسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (انفال) | اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تمہیں اس کام کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرے۔

دنیائے امروزہ میں پیامِ الٰہی کو دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کے لیے رحم کے ساتھ ساتھ قہر و غلبہ کی بھی ضرورت ہے، جو حدید و زغال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک بے دست و پا اور کم زور قوم کی آواز ارباب حدید کے ایوانِ بلند تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (حدید - ۲۵)	ہم نے فولاد اُتارا جس میں زبردست ہیبت اور چند در چند فوائد ہیں۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کونسی اقوام اس دھات کے استعمال سے طاقتور بن کر خدا و رسول کی مدد کرنا چاہتی ہیں۔ اللہ خود طاقتور اور غالب ہے (اور ایسی ہی اقوام پسند کرتا ہے جن میں یہ اوصاف موجود ہیں)

اللہ کو معلوم تھا کہ حدید و زغال کا زمانہ سلسلۂ رسالت ختم ہونے کے بہت بعد آئے گا، اسی لیے "بِالْغَيْبِ" کا اضافہ فرمایا۔

(۲۳) زمین میں زلزلے اس لیے آتے ہیں تاکہ بطن الارض کے مخفی خزائن اور اعماقِ بحر کے سلاسلِ جبال باہر آجائیں۔ یہ زلازل کوئی اتفاقی حوادث نہیں ہوتے، بلکہ مشیتِ ایزدی

کا نتیجہ ہوتے ہیں اور ایک خاص آئین اِن انفجارات کی تہ میں کارفرما ہوتا ہے۔

قرآن حکیم حیاتِ انسانی کا مکمل نظام ہے اور ہمیں اس لیے دیا گیا ہے کہ ہمارے دلوں میں بھی زلزلے آئیں۔ فضائل و خواص کے معادن نکلیں اور علوم و معارف کے چشمے پھوٹیں۔

انسان کی طرح کائنات کی باقی اشیاء کو بھی ایک ایک قرآن یعنی نظامِ حیات دیا گیا تھا جس پر یہ نہایت تن دہی سے عمل کر رہے ہیں لیکن انسان قدم قدم پر اپنے نظام کو توڑ رہا ہے اور اسی لیے پِٹ رہا ہے۔ اگر انسانی نظامِ حیات (قرآن) بجائے انسان کے کسی پہاڑ کو دیا جاتا، تو پہاڑ برغبتِ تمام اس کی ہر دفعہ کو نباہتا، ہلتا، پھٹتا، چشمے بہاتا اور معادن کی ایک دنیا باہر پھینکتا۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (حشر ۲۱)	اگر ہم یہی قرآن پہاڑ کو عطا کرتے تو وہ الٰہی خوف سے ہلتا اور پھٹتا۔

(۲۴) نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (قلم ۲۱)

اس آیت میں "بِنِعْمَةِ رَبِّكَ" کا جملہ تشریح طلب ہے۔ اگر بِنِعْمَةِ کی با کو قسمیہ قرار دیں تو معنی ہوں گے: "تمھارے رب کی نعمت (قرآن) کی قسم کہ تم مجنون نہیں ہو" اور اگر نعمۃ کے معنی "فضل" لیے جائیں تو معنی ہوں گے: "قلم اور قلم نے جو کچھ لکھا (قرآن) وہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آپ اللہ کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں"

مسلمانوں نے قرآن حکیم کی دفعات پر عمل کر کے ثابت کر دیا کہ اس کی ہر ہدایت زندگی کا لازوال پیام ہے۔ پھر اس کے شارعِ اعظم کو دیوانہ کہنا کہاں کا انصاف ہے۔ آں حضرت ؐ کی حیرت انگیز ہستی اور آپ ؐ کے انقلاب انگیز پیام پر قلم و دوات نے اس قدر لٹریچر مہیا کیا کہ دنیا کے کسی اور مصلح کے متعلق اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں لکھا گیا: تو کیا تمام خدائی کی یہ آواز اس حقیقت کا اعلان نہیں کہ

وَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ

اگر یَسْطُرُوْنَ کو مستقبل کے معنوں میں لیا جائے، تو یہ آیت ایک بشارت بن جاتی ہے کہ پیروانِ اسلام اِس قدر علوم و فنون پیدا کریں گے کہ تمام دنیا کے معلّم تسلیم کیے جائیں گے۔ اُس وقت دنیا پکار اُٹھے گی کہ اتنے بڑے بڑے مؤرخوں، فلسفیوں، محدثوں، مفسّروں، جغرافیہ دانوں، محاسبوں اور منجموں کا رہبر دیوانہ نہیں ہو سکتا۔

اہلِ اسلام کے علاوہ علمائے مغرب مثلاً کارلائل، نولڈکے، نکلسن، ولیم میور اور ڈریپر جیسے متعصب نصرانیوں کو بھی آں حضرتؐ کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ ہر چند کہ ان لوگوں نے آں حضرتؐ پر نکتہ چینی کی ہے، لیکن ساتھ ہی آپ کی بلند تعلیم، تدبّر، دانش، سیاست اور دیگر رہنمایانہ اوصاف پر وہ حسین مقالے لکھے ہیں کہ وَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ کی تفسیر معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۵) رات کو چاند کی دھیمی دھیمی روشنی کیف و بہار کا کیا مست پیام دے رہی تھی۔ صبح ہوئی تو کائنات اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ بے حجاب ہو گئی اور جب آفتاب طلوع ہُوا تو فضا میں نور کے چشمے اُبلنے لگے۔

یہ زندگی چاند کی روشنی ہے۔ بڑھاپا ظہورِ سحر اور موت طلوعِ آفتاب۔ اس کے بعد فضاؤں میں نُور کے چشمے اُبلتے نظر آئیں گے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۙ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۙ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۙ (مدثر ۳۲ تا ۳۵) [1]	مہتاب کی روشنی کی قسم، ظہورِ سحر اور طلوعِ آفتاب کی قسم کہ وہ حیاتِ انسانی کی ایک شاندار منزل ہے۔

(۲۶) انبیاء نے دنیا کو عدل و احسان کی تعلیم دی اور استیصالِ شر کے لیے زندگیاں

---

[1] یہاں مرجع ضمیر "سقر" سمجھا جاتا ہے جو اوپر مذکور ہے " و ما ادراك ما سقر" یعنی جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم۔ (البیان)

وقف کردیں۔ ان حضرات کی آمد پر دنیا دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی رہی۔ معاون اور مخالف
معاون جنات ارضی و اخروی کے حق دار بنے اور مخالف تباہی و ہلاکت کا شکار۔
انسانی ہدایت کے اِس انقلاب آفرین نظام پر ایک مورخانہ نگاہ ڈالنے کے بعد یہ
حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بدکاروں کے لیے انتقامِ فطرت سے کوئی مفر قطعاً موجود نہیں۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًاۙ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًاۙ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًاۙ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًاۙ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًاۙ عُذْرًا اَوْ نُذْرًاۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌؕ (مرسلات۔ ۱تا۷)	قسم ہے اُن ہستیوں کی جو دنیا کو خیر و معروف کا پیام سناتی ہیں، جو گناہوں کے خس و خاشاک کو آندھی بن کر سمیٹتی ہیں، جو برشگالی ہواؤں کی طرح رحمت کی گھٹاؤں کو کائنات کے ہر گوشے تک پہنچاتی ہیں، جو دنیا کو نیک و بد میں تقسیم کرتی ہیں، جو کفر کی تاریکیوں کو شعاعِ نور بن کر چیرتی ہیں اور جو اتمامِ حجت یا تذکر کے لیے احکامِ الٰہی سناتی ہیں کہ نتائجِ اعمال ٹل نہیں سکتے۔

(۲۷) شاعر و ساحر میں ایک خاص تشابہ ہے۔ ساحر غیر حقیقی اشیاء کو حقیقی بنا کر دکھاتا ہے اور شاعر خیالی اشیاء کو جاذبِ قلب و نگاہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ شاعر کا تمام زور تراشِ الفاظ پر صرف ہو جاتا ہے اور اس لیے دنیائے عمل سے بمنازل دُور رہتا ہے۔ یہ فطرۃً مبالغہ پسند، حساس، استقلال و حوصلہ سے محروم حسن و رنگ کا دیوانہ اور جذبات کے ہاتھ میں ایک بازیچہ ہوتا ہے۔ یہ اہل الرائے نہیں ہوتا، بلکہ گرگٹ کی طرح ہر لحظہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ چوں کہ شعر کہنا ایک آسان سا مشغلہ ہے، جس میں دماغی تربیت، بلند علم اور تحقیق و تلاش کی ضرورت نہیں ہوتی نیز اشعار داد کے لیے کہے جاتے ہیں، اس لیے شاعر سہل انگار، خود ستا اور عیاش طبع بن جاتا ہے اور اس کے پیرو بھی اسی قماش کے لوگ ہوتے ہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؕ اَلَمْ تَرَ | شاعروں کے پیرو گمراہ ہوتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں

أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ (الشعراء ۲۲۵ تا ۲۲۶) | کہ انہیں کسی اصول پر قرار حاصل نہیں ہوتا۔ وہ ہر وادی میں بے طرح گھوم رہے ہوتے ہیں اور ان کے اقوال کبھی شرمندۂ عمل نہیں ہوتے۔

تاریخ اسلام پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ شاعر ہمیشہ زوال و ہلاکت کا قاصد رہا ہے۔ عرب میں آں حضرت ؐ سے پہلے کئی ہزار فصیح البیان شعراء موجود تھے اور ساتھ ہی قوم عیاشی و پست اخلاقی کی انتہائی گہرائیوں میں پڑی ہوئی تھی۔ جب اس قوم نے آنکھ کھولی اور ایشیائے وسطیٰ میں ایک لرزہ خیز سلطنت کی طرح ڈالی تو معاً شاعر معدوم ہو گیا۔ چند سو برس بعد مرگ و زوال کا یہ قاصد پھر کہیں سے نکل آیا۔ دورِ عباسیہ کے بڑے بڑے راویوں اور شاعروں کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ حماد کو ایک لاکھ قصائدِ جاہلیت یاد تھے۔ ابو تمام نے چودہ ہزار اور اصمعی نے سولہ ہزار ارجوزے یاد کر رکھے تھے اور ایک مرتبہ ابو ضمضم نے ہارون الرشید کو ایک سو عمرو نامی شعراء کا کلام سنایا تھا۔ ان شعراء کے قصائدِ مدحیہ کا اثر لازماً سلاطین عباسیہ پر پڑتا تھا۔ چنانچہ اس خاندان کے چند آخری فرماں روا کاہل و کم کوش ہو گئے اور سیلاب تتار میں تنکے کی طرح بہ نکلے۔

اندلس میں عربوں کو تبھی زوال آیا، جب وہاں سینکڑوں شاعر پیدا ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ سرکاری خط و کتابت بھی شعروں میں ہوتی تھی۔

ایران میں غزنوی، تیموری اور سلجوقی سیلاب کی طرح اُٹھے اور جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اس فوری زوال کی وجہ ان شعراء کی یاوہ گوئی تھی۔ ان کے قصائد سے سلاطین کو دارائے ارض و سما ہونے کا دھوکہ لگ جاتا تھا۔ نتیجۃً اپنی غفلت و نادانی کا شکار بن جاتے تھے۔ محمود غزنوی کے دربار میں کم و بیش چار سو شاعر تھے۔ ملک شاہ اور سنجر کے درباری شاعروں سے کون آگاہ نہیں۔ صفوی خاندان نے کم و بیش تین سو

برس تک حکومت کی اور اس عرصے میں ایک بھی کام کا شاعر پیدا نہ ہوا۔ وجہ ظاہر ہے کہ شاعر صرف دَورِ انحطاط میں پیدا ہوتا ہے اور دَورِ عروج میں ناپید ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں اُردو شعراء کا عروج محمد شاہ رنگیلے کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے، جب خاندانِ مغلیہ کے آثارِ زوال ہر سُو عیاں تھے۔ عالم شاہ ثانی، نواب آصف الدولہ اور بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں شاعری کا وُہ چرچا ہُوا کہ طوفانِ شعر میں مغلیہ کا ٹمٹماتا ہُوا چراغ گُل ہو گیا۔

آج کہ ہندوستان کا زوال بحدِ کمال پہنچ چکا ہے، شاعر پورے جوبن پر ہے۔ آئے دن شہروں میں شاعروں کی محفلیں جمتی ہیں۔ دس بیس ہرزہ سَرا مل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک صاحب ایک ہی شعر کو بار بار پڑھتے ہیں اور داد لینے کے لیے سامعین کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں۔ سامعین شعر کو سمجھیں یا نہ سمجھیں "خوب، مکرر۔ واللہ قلم توڑ دیا، سبحان اللہ اور ہا ہا ہا" کے نعرے لگاتے ہیں اور شاعر صاحب "بندہ نوازی، قدردانی، مَیں کیا ہُوں، نالائق، پاجی جو کچھ ہیں جناب ہی ہیں" کہہ کر داد وصول کرتے ہیں۔ مشاعرے کے بعد ہفتوں احباب سے پوچھتے رہتے ہیں:

"کہو بھائی! رات کا مشاعرہ کیسے رہا؟ مجھے تو فرصت ہی نہیں تھی سیکرٹری صاحب کے اصرار پر چند بند موزون کر لیے تھے، کہو کچھ لطف بھی آیا؟" تو شاعر صاحب کے حواری ایک قہقہے کے بعد فرماتے ہیں: "واللہ آپ کیوں کسرِ نفسی فرما رہے ہیں! آپ کا کلام تو اعجاز تھا اعجاز۔ اگر آج داغ و امیر مینائی زندہ ہوتے تو آپ کا مُنہ چوم لیتے۔

اس میں کلام نہیں کہ شاعری ایک آرٹ ہے اور لٹریچر کا اہم جزو، لیکن تمام قوم کا اس پیشے کو اختیار کر لینا اور جگہ جگہ عشق و شراب کا ڈھنڈورا دیتے پھرنا جہاں ہمارے قومی اخلاق کو پست کر رہا ہے، وہیں ہمارے اچھے دنوں کو پیچھے ڈال رہا ہے۔

آج انگلستان، جرمنی اور روس میں کیوں شاعروں کی وہ کثرت نہیں، جو اس وقت ہندوستان میں ہے؟ کیا اُن لوگوں کے دل جذبات سے خالی ہیں؟ کیا وہاں ماں کو بچے سے محبت نہیں؟ کیا وہاں فطرت رنگین نہیں؟ سب کچھ ہے، لیکن فرق ہے تو صرف اتنا کہ اُن کے اچھے دماغ سیاسی، اقتصادی، تمدنی، اخلاقی اور علمی گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہیں اور ہم مشاعرے منعقد کر رہے ہیں۔ رگِ گل سے بلبل کے پر باندھ رہے ہیں۔ اور یار کی کمرِ معدوم تلاش کر رہے ہیں۔

انبیاء و دیگر مصلحینِ عالم کا تعلق ٹھوس حقائق سے ہوتا ہے۔ اُن کے ہر اقدام کا نتیجہ دو اور دو چار کی طرح واضح ہوتا ہے اور دوسری طرف شاعر کا واسطہ خیالات سے پڑتا ہے۔ یہ خود خیالی، اس کے نغمے خیالی اور اس کی دنیا خیالی ہے۔ نہ ارادوں میں فاتحانہ بلندیاں اور نہ استقلال میں مجاہدانہ استواریاں۔ انصافاً فرمائیے کہ ایسا شخص کسی قوم میں کوئی سیاسی یا اخلاقی انقلاب پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ یا کوئی مُصلح شعر گوئی میں پڑ کر مُصلح رہ سکتا ہے؟

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ (یٰسین - ۵۹)	ہم نے رسول عربی صلعم، کو شاعری نہیں سکھلائی اور نہ یہ فن آپ کے شایانِ شان تھا۔

دنیائے شعر میں کچھ مستثنیات بھی ہیں۔ مشرق و مغرب ہر دو میں چند ایسے شاعر ہو گذرے ہیں، جنھوں نے شاعری کو گل و بلبل کی فرسودہ رٹ سے ہٹا کر بلند تر مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ ایران میں سعدی و رومی، جرمنی میں گوئٹے اور ہندوستان میں بالمیک، بابا نانک، ٹیگور اور اقبال وُہ بلند پایہ مُصلحین تھے، جنھوں نے اپنا پیغام شعر میں دیا۔ یہ لوگ ایک خاص دل و دماغ کے مالک تھے۔ ان کا تخیّل درجۂ الہام تک پہنچا ہُوا تھا۔ اور ان کے نغموں میں شعر و روحانیت کا عنصر ایک خاص تناسب کے ساتھ پایا جاتا تھا۔

ان حضرات کا مقابلہ عام برساتی شاعروں سے درست نہیں۔ اسی لیے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

باں رازے کہ گفتم پے نبردند — زشاخ نخل من خرما نخوردند
من اے میر اُمم داد از تو خواہم — مرا یاراں غزل خوانے شمردند

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ مے خانہ

(۲۸) اللہ کا سب سے بڑا معجزہ یہ کائنات ہے۔ اگر نگارستانِ ہستی کی یہ خیرہ افروز نیرنگیاں کسی کج فہم کے لیے سامانِ تشفی نہیں ہوسکتیں، تو پھر دریائے نیل کا پھٹنا، لاٹھی کا سانپ بننا اور فرشتوں کا مادی صورت میں متمثل ہونا بھی مفید نہیں ہو سکتا۔
ہر نبی نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے وقت پہلے اُس کے اعجازِ تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دی تھی۔ مثلاً:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ (شعراء ۲۳-۲۴)	فرعون نے موسیٰؑ سے پوچھا کہ رب العلمین کون اور کیا ہے؟ موسیٰؑ نے کہا، وہی جو ارض و سما اور دیگر اشیاء کا رب ہے۔ اگر تم یقین حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس مقصد کے لیے یہ کائنات کافی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو جس اللہ کی طرف بلاتے ہیں وہ اوصافِ ذیل کا مالک ہے:

اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ (شعراء)	جس نے مجھے پیدا کر کے میری تربیت و ہدایت کا حیرت انگیز سامان بہم پہنچایا۔ میری غذا کے لیے یہ دنیائے نباتات و حیوانات اور پینے کے لیے سمندر، بادل وغیرہ بنائے اور جس نے میرے جسم میں ایسے جراثیم رکھ دیئے جو حملہ آور جراثیمِ مرض کا مقابلہ کر کے بیماری سے مجھے بچاتے ہیں

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (شعراء۔ ۱۴۵)	میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ مجھے وہ اللہ اجر دے گا جو کائنات کی ہزار در ہزار دنیاؤں کا پالنے والا ہے۔

حضرت ہودؑ نے قوم عاد کو کائنات کی طرف یوں متوجہ کیا:

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (شعراء۔ ۱۳۳-۱۳۴)	اللہ نے تمہیں مویشی، بیٹے، باغات اور چشمے عطا فرمائے۔

حضرت شعیبؑ اصحاب الایکہ کو اللہ کی صفت خلق پر غور کرنے کی یوں دعوت دیتے ہیں:

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (شعراء۔ ۱۸۴)	اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے گئی دیگر اقوام کو پیدا کیا

یہ تھا مشتے نمونہ از خروارے۔ ورنہ کسی الہامی کتاب کو اٹھا کر دیکھیے۔ ہر صفحہ معجزات خلق کے تذکرے سے معمور ہوگا۔

(۷۹) ایک قوم کے ننگ و ناموس کی حفاظت اس کے نوجوان کیا کرتے ہیں۔ اس وقت ترک ہو... لوگ یورپ نے اپنے نوجوانوں سے کیا وہ از بس افسوسناک ہے۔ یہ زنانہ سوٹ، یہ مزیدار ادائیں، یہ عیش پرستی، یہ نا و نوش، یہ عشق بازی، یہ ... یہ پانچ مرتبہ خوبصورت شکم ... یہ مخلوط تعلیم اور یہ مخلوط کلب نوجوانوں کے لیے پیام موت بن گئے۔ عیاشی نے سہل انگاری اور سہل انگاری نے اپاہج بنا دیا۔ عیاشی نے ... مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اخلاق فاضلہ کا خاتمہ ہو گیا۔ جرأت، شجاعت، میدان طلبی اور ذوق شہادت جاتا رہا۔ ہاتھ سے کام کرنا اور دو میل پیدل چلنا دوبھر ہو گیا۔ ... کی اس رنگین مزاجی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقوام ذلتوں اور ہزیمتوں میں مٹ گئیں۔

ڈنمارک کی شکست: ۲۹ مئی سنہ ۱۹۴۵ء کے بعد لندن کے مشہور اخبار "ٹیلیگراف" نے

۱۰ رجون ۱۹۴۰ء کو معارف افتتاحیہ میں لکھا تھا:

"ہم ایک بات پر جس قدر افسوس کریں، کم ہے اور وہ یہ کہ گزشتہ بیس برس میں ہم نے اپنے نوجوانوں کو صرف دو چیزیں سکھائیں یعنی ٹینس اور گولف۔ اور انھیں جہادِ زندگی کے لیے تیار نہ کیا جس کی سزا آج ہمیں بھگتنی پڑی"

فرانس کے موجودہ صدر مارشل پیتاں نے ۲۲ر جون ۱۹۴۰ء کو شام کے ۹½ بجے ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"گزشتہ جنگِ عظیم کی نسبت اس دفعہ ہمارے پاس اسلحۂ جنگ، افواج اور دیگر وسائل بہت زیادہ تھے۔ ہماری حلیف سلطنتیں بھی تعداد میں کافی تھیں اور پھر ہم ہار گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شکست کی وجوہات کیا ہیں؟

اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہمیں شکست ہٹلر نے نہیں دی، بلکہ اپنے نوجوانوں نے دی جن کا کام کھانا، پینا اور عیش اڑانا تھا"

آج دنیا کو معلوم ہوا کہ اسلام جو کچھ کہتا تھا، وہ ہمارے ہی بھلے کے لیے تھا۔ روزے اس لیے فرض ہوئے تھے کہ قوم میں تقویٰ اور جفاکشی باقی رہے۔ زکوٰۃ کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ ابھی ہم دردی مفقود ہو کر یہودیوں کی طرح دولت کی پرستش شروع نہ ہو جائے۔ نماز کا مقصد یہ تھا کہ روحانی واخلاقی فوائد کے ساتھ ساتھ قوم میں صف بندی، اطاعتِ امیر اور باقاعدگی کے اوصاف باقی رہیں۔ یورپ نے غلطی سے بنگلوں، کلبوں، موٹروں اور سینماؤں کو تہذیب وتمدن کی آخری منزل سمجھ لیا تھا۔ آج انھیں معلوم ہوا کہ جسے وہ تہذیب کہتے تھے وہ درحقیقت تباہی و ہلاکت کا جہنم تھا۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (توبہ ۴۹) کافروں کو جہنم گھیرے رکھتا ہے۔

پنجاب کے ایک صاحبِ نظر سے ملاقات ہوئی۔ [illegible] کی تباہی کے ذمہ دار

تین "ڈ" ہیں، یعنی ڈرنک (مے نوشی)، ڈانس (ناچ)، اور ڈنرز (رات کے کھانے)۔ اسلام نے آج سے ۱۳۶۲ برس پہلے دنیا کو عیاشی کے نتائج سے متنبہ کر دیا تھا، لیکن قرآن کو جھوٹا کہنے والوں نے اس تنبیہ پر دھیان نہ دیا اور آج سزا بھگت رہے ہیں:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۔ (آل عمران ۔ ۱۴)

لوگ عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، نشان لگائے گھوڑوں، چوپاؤں اور کھیتوں کے گرویدہ ہو چکے ہیں۔ کاش انھیں معلوم ہوتا کہ یہ سب کچھ دنیا کی عارضی متاع ہے اور حسنِ انجام تو صرف الٰہی قانون کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

ہندوستان کے مہذب طبقے نے اقوامِ یورپ سے اگر کوئی چیز سیکھی ہے تو صرف "ڈ"۔ یورپ کے پاس تو اس زہر کا کچھ تریاق موجود تھا، یعنی محققین، طبیعین و موجدین کا ایک طاقتور گروہ، جو اس کے عیوب کو کسی حد تک ڈھانپ سکتا تھا، لیکن یہاں صرف رنگیلے ہی رنگیلے بنتے ہیں۔ شام کو پتلون کس لی اور چل دیئے کسی مے خانے، عیش خانے یا پرد خانے کی طرف۔ وہاں جا کر مۓ ارغوانی کے دو چار جام چڑھائے، جُوا کھیلا، بیگانہ عورتوں کے ساتھ ایک ہی صوفے پر بیٹھ کر غلط انگریزی میں گپیں ہانکیں۔ بہت زیادہ مہذب رہا ہوئے تو کچھ ناچ بھی ہو گیا اور آدھی رات کے قریب میاں مستانے گھر کو لوٹے۔ جیرت ہے اس کا نام رکھا ہُوا ہے نئی تہذیب:

واۓ قومے کشتۂ تدبیرِ غیر
کارِ او تخریبِ خود تعمیرِ غیر

از حیا بیگانہ پیرانِ کہن
نوجواناں چوں زناں مشغولِ تن

در دلِ شاں آرزو ہا بے ثبات
مُردہ زایند از بطونِ اُمّہات

دختراں او بزلفِ خود اسیر
شوخ چشم و خود نما و خردہ گیر

ساختہ، پرداختہ، دل باختہ ابرواں مثلِ دو تیغ آختہ
ساعدِ سیمیں شاں عیشِ نظر سینۂ ماہی بموج اندر نگر
ملتے خاکستر او بے شرر صبح او از شامِ او تاریک تر
آہ! قومے، دل زحق پرداختہ
مُرد و مرگِ خویش را نشناختہ
(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

تہذیب نو کا زہر کھانے والو! اور اے نظامِ نو کے نعرے لگانے والو! یاد رکھو کہ الہامی ضوابط کے بغیر کہیں نجات موجود نہیں۔ اگر تم اس دنیا میں امن سے رہنا چاہتے ہو اور نہیں چاہتے کہ ہر دس بیس برس کے بعد تمہاری بستیاں اجڑیں اور تمہارے سروں پر آتشیں بم برسیں، تو اللہ کی حبل المتین کو تھام لو۔ اگر تمام قانون پر عمل نہیں کر سکتے، تو صرف ایک دفعہ کو اپنا لو۔ معاً تمہارے مصائب ختم ہو جائیں گے اور وہ ہے انصاف: اپنے آپ کے ساتھ انصاف۔ ملازموں، ماتحتوں، مملوکوں اور نو آبادیوں کے ساتھ انصاف۔ ہمسایہ ملکوں اور دنیا کی دیگر قوموں کے ساتھ انصاف۔ انصاف وہ کیمیا ہے جس سے تمہاری سیاست ملی و شخصی سنہری بن جائے گی۔ اس سے تمہاری سیاست استوار اور تمہاری عظمت پائے دار ہو جائے گی اور تمام عالم تمہاری بقا کی دعا مانگے گا۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ○ (رحمٰن ۹) | دنیا میں وزن قائم رکھو اور ترازو کو ایک طرف مت جھکنے دو۔

(۳۰) ایک بشارت | آں حضرت کے زمانے میں جب بصرہ کے پاس ایرانی آتش پرستوں نے رومیوں کو شکست دی تو مشرکین نے مسلمانوں کو طعنے دیئے کہ عیسائی تقریباً تمہارے مذہبی بھائی تھے۔ ایرانیوں نے ان کی خوب خبر لی ہے۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

غُلِبَتِ الرُّومُ ○ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ○ فِي بِضْعِ سِنِينَ

لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ (روم۔ ۲ تا ۴)

اس آیت میں دو بشارتیں دی گئی تھیں، اوّل کہ چند سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے۔ دوم، پھر وہاں اللہ کی حکومت قائم ہو جائے گی جس سے مسلمانوں کو مسرت ہوگی۔

حضرت ابو بکرؓ نے آں حضرتؐ سے دریافت کیا کہ "بضع سنین" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا مابین الثلاث الی التسع (یعنی تین سے نو سال تک)۔ اس آیت کے سات سال بعد رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی اور پورے نو برس بعد دمشق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو گویا دونوں بشارتیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پوری ہو گئیں۔

یہ ٹھوس تاریخی حقائق ہیں، جنھیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مجھے ان اصحاب کی عقل پر حیرت آتی ہے جو ان بشارات کی موجودگی میں قرآن کو جھٹلاتے پھرتے ہیں۔

نکتہ: یہ جنگ ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ پہلی جنگ میں ایرانی غالب آئے تھے۔ حیرت ہے کہ اللہ نے مغلوب رومیوں کا ذکر تو کیا، لیکن اہلِ ایران کا نام تک نہ لیا۔ یہ غالباً اشارہ تھا اس حقیقت کی طرف کہ رومیوں کی حکومت دنیا میں باقی رہے گی اور ساسانی یوں مٹ دیئے جائیں گے جس طرح ان کا ذکر قرآن سے محو کر دیا گیا۔

ادنی الارض سے مراد بصرہ ہے۔

ترجمہ: "عرب کے پاس ہی ایک جنگ میں اہلِ روم مغلوب ہو گئے ہیں، لیکن چند سال کے بعد وہ پھر غالب ہوں گے۔ اس سرزمین پر (داؤدؑ و سلیمانؑ کے عہد میں) اللہ کی حکومت رہی اور اب پھر وہی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اس روز اہلِ ایمان بہت مسرور نظر آئیں گے۔"

۱؎ دوسری بشارت عام طور پر فتح بدر سے متعلق سمجھی جاتی ہے۔ (البیان)

(۳۱) عورت ایامِ شباب میں حسین ہوتی ہے۔ یہی حسن زن و شوہر میں باعث الفت بنتا ہے۔ بڑھاپے میں حسن و عشق ہر دو رخصت ہو جاتے ہیں اور عشق کی جگہ شفقت لے لیتی ہے۔ آیۂ ذیل میں رحمت (شفقت) سے پہلے مودّت کا ذکر کچھ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (روم۔ ۲۱)	الٰہی آیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے جوڑے تمہی میں سے، سکون پیدا کرنے کے لیے تمہیں ہم جنس بنایا، عطا فرمائیں اور تمہیں محبت و شفقت کے جذبات بخشے۔ سوچنے والوں کے لیے یہاں کچھ نشانات یہاں ہیں۔

(۳۲) جس طرح شہد سازی نحل کی فطرت ہے اسی طرح نیکی انسان کی فطرت میں داخل ہے:

سوال۔ اگر نیکی انسانی فطرت میں داخل ہے تو چور چوری کر کے اور زانی زنا کے بعد خوش کیوں ہوتا ہے؟

جواب۔ یہ لوگ بعض حالات میں مجبور ہو کر ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، ورنہ ان گناہوں سے یہ لوگ بھی متنفر ہیں۔ اگر کسی چور کے گھر ڈاکہ ڈالا جائے یا زانی کی لڑکی کی طرف کوئی بوالہوس بری نگاہ سے دیکھ لے تو یہ لوگ انتقام کے تمام ذرائع استعمال کریں گے، تو ثابت ہوا کہ یہ لوگ بھی گناہ کو گناہ ہی سمجھتے ہیں۔ ورنہ اگر ان اعمال کو نیکی سمجھتے، تو بجائے انتقام لینے کے حملہ آوروں کو شاباش دیتے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (روم۔ ۳۰)	انسان کو اللہ نے ایک خاص فطرت عطا کی ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ اس فطرت کے تقاضا کا نام مذہب ہے۔

شہد کی مکھی اپنی فطرت سے کام لے کر شہد بنا رہی ہے۔ پودوں کی فطرت پھول کھلا رہی

ہے اور درخت اپنے نظام کو نباہنے کے بعد انہار و اثمار کی حسین دنیا میں تعمیر کرتے ہیں۔ انسان کی فطرت احسن و اکمل ہے۔ اگر ایک مکھی نظام فطرت سے کام لے کر اس قدر کمال دکھا سکتی ہے تو انسان اپنے نظام پر چل کر کیا کچھ کر دکھائے، لیکن مصیبت تو یہی ہے کہ یہ اپنے نظام سے دور بھاگتا ہے۔

إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ۔ (عادیات۔٦) انسان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔

(۳۳) کائنات کے مختلف مناظر میں اس قدر تعاون ہے کہ یہ سب ایک کنبے کے افراد معلوم ہوتے ہیں۔ انسانی غذا تیار کرنے کے لیے زمین، ہوا، سورج، پہاڑ اور سمندر سب مل کر کام کرتے ہیں۔ خزاں کے بعد جب موسم بہار اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ تو نباتات کی تخلیق ثانی کے لیے کائناتی انجن کا ہر پرزہ محوِ عمل ہو جاتا ہے۔ سورج صحراؤں کو گرماتا ہے۔ ہوائیں بخارات کو اٹھا کر ہمالہ کی طرف گرم پرواز ہو جاتی ہیں۔ وہاں بادل تعمیر ہوتے ہیں۔ جو زمین مردہ پر برستے ہیں۔ اس کے قوائے نامیہ بیدار ہوتے ہیں۔ مٹی بکٹیریا کام پر لگ جاتا ہے اور اس طرح نباتات کی تخلیق ثانی وقوع میں آتی ہے۔ اللہ کے لیے نہ تو خلق اول دشوار تھا اور نہ خلق ثانی۔ انسانی دنیا میں ہم ہر روز خلق اول کا تماشہ دیکھتے ہیں اور عالم نباتات میں ہر سال خلق ثانی کے مناظر نگاہ کے سامنے آتے ہیں۔ کائنات کی مشینری میں خلق کی زبردست استعداد موجود ہے۔ یہ سورج، سمندر اور ہوا وغیرہ اس مشین کے پرزے ہیں، جو ایک چھوٹے سے پودے تک کے لیے جنبش میں آجاتے ہیں۔

ایک آدمی چارپائی تیار کرنے لگتا ہے تو پہلے دماغ سوچتا ہے، پھر پاؤں چل کر بازار سے سوتری وغیرہ لاتے ہیں۔ آنکھیں نگران بنتی ہیں اور ہاتھ بنتے ہیں۔ اسی طرح کائنات ایک جسم کی طرح ہے۔ جس کے مختلف اعضا مل کر ایک کام کو سرانجام دیتے ہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔ (لقمان ٢٨) تم سب کا پہلا اور دوسرا جنم نفس واحدہ کی طرح ہے۔

(۳۴) سدّ العرم | اہلِ سبا (یمن) کا مشہور شہر مآرب تھا جس کے جنوب مغرب میں پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک نالہ ان پہاڑوں کے جنوب مغرب سے نکل کر وادیٔ اذنہ میں شمال مشرق کی طرف بہتا تھا۔ مآرب کے ایک فرمانروا عبد شمس نے اس پانی کے آگے ایک بند لگایا، جو سدّ العرم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس بند کی لمبائی شرقاً غرباً ۲۰۰۰ فٹ، اونچائی ۲۴ فٹ اور چوڑائی ۵۰۴ فٹ تھی۔ اس بند سے دو نہریں نکالی گئیں جو شہر کے دو باغوں (ایک شہر کے دائیں اور دوسرے بائیں طرف) کو سیراب کرتی تھیں۔ جب اہلِ سبا عیاش ہو گئے اور اس بند کی مرمت تک سے غافل ہو گئے تو ایک روز یہ بند ٹوٹ گیا اور تمام شہر سیلاب میں بہہ گیا۔

سدّ العرم کا قصہ نہ تو صفحاتِ تاریخ میں محفوظ رہا تھا اور نہ اذہانِ انسانی میں۔ قرآنِ حکیم نے اس داستان سے پردہ اٹھایا اور آج اس بند کے کھنڈرات برآمد ہو کر قرآنِ حکیم کے الہامی ہونے پر شہادت دے رہے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ۝ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا (سبا ۱۵ تا ۱۷)

اہلِ سبا کے خوبصورت گھر قدرتِ الٰہی کا کرشمہ تھے۔ شہر کے دائیں بائیں دو باغ تھے کہ اللہ کا رزق کھاؤ اُس کا شکر ادا کرو۔ شہر نہایت خوبصورت تھا اور باشندوں پر اللہ بہت مہربان تھا۔ ان لوگوں نے اللہ سے منہ پھیر لیا نتیجۃً ہم نے ان پر سیل عرم بھیجا، ان کے باغ مٹا دیئے اور وہاں بدمزہ پودے، جھاؤ کے درخت اور کچھ بیری کے جھاڑ اگا دیئے۔ یہ تھی سزا اُن کے کفر کی۔

فاعرضوا کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اُن لوگوں نے اس بند کی مرمت سے غفلت کی تھی۔

(۳۵) طوفانِ نوحؑ کی گذرگاہ | جرمنی کے ایک محقق نے ثابت کیا ہے کہ بہت قدیم زمانے

میں افریقہ و امریکہ باہم ملے ہوئے تھے اور یہ درمیانی خط اطلانطیس کہلاتا تھا کسی زلزلے کی وجہ سے یہ درمیانی خط ڈوب گیا اور ہر دو برِاعظم علیحدہ علیحدہ ہو گئے محقق مذکور اس نظریے پر تین دلائل پیش کرتا ہے:

(۱) افریقہ کے مغربی ساحل اور امریکہ کے مشرقی ساحل کے نباتات بالکل ملتے جلتے ہیں جس سے خیال پڑتا ہے کہ کسی وقت یہ دونوں خطے ایک تھے۔ (۲) اہرامِ مصر کی طرح میکسیکو سے بھی بعض اہرام کے آثار باقیہ برآمد ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں خطوں میں کسی وقت ایک ہی قوم آباد تھی جس کا تمدن اور فنِ عمارت ایک جیسا تھا۔ (۳) نیز ہر دو ممالک کے پُرانے برتن اور مجسّمے بھی ہمرنگیٔ مذاق پر شہادت دیتے ہیں۔

اس محقق کا خیال یہ ہے کہ طوفانِ نوح اطلانطیس میں آیا تھا اور یہ طوفان کسی زلزلے کا نتیجہ تھا بعض دیگر محققین کا خیال یہ ہے کہ یہ طوفان لیموریا میں آیا تھا۔ لیموریا خشکی کا وہ قطعہ تھا جو جنوبی افریقہ اور عرب کو باہم ملاتا تھا اور اب ڈوب چکا ہے۔ ایک اور مؤرخ کی رائے یہ ہے کہ یہ طوفان عراق کے شمال میں فرات کی طغیانی کی وجہ سے آیا تھا اور ایک بہت بڑا شہر یعنی اُور (جو سنہ ۵۰۰۰ ق م میں بہت ترقی پر تھا) تباہ ہو گیا تھا۔

یہ نظریہ کچھ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کی تفاصیل کے علاوہ "تاریخ بلل قدیمہ" کا ایک واقعہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اس تاریخ میں درج ہے:

"کالڈیہ کی سلطنت میں بیل نامی ایک دیوتا کو انسانوں پر غصہ آیا اُس نے شاہ کالڈیہ کسوتھروس (Kisouthrous) کو طوفان کے آنے کی خبر دی اور حکم دیا کہ کشتی بنا کر ہر جنس[1] کا جوڑا اس میں رکھ لے۔ پھر بارش شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ اردگرد کے علاقے پانی میں ڈوب گئے اور کشتی آرمینیہ کے پہاڑ کے ساتھ جا لگی۔"

---

[1] حضرت نوحؑ کو بھی حکم دیا گیا تھا کہ: اِصْنَعِ الْفُلْكَ..... کشتی بناؤ..... اور اس میں ہر جنس کا جوڑا رکھ لو۔ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ۔ (ہود ۳۷ تا ۴۰) (برق)

قرآن حکیم میں درج ہے :

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ۔ (ہود-۴۴) حضرت نوح ؑ کی کشتی جودی پہاڑ کے ساتھ جا لگی۔

جودی شام اور آرمینیہ کی سرحد پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔

تاریخ بابل قدیمہ کا قصہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن میں صاحب کشتی کا نام نوح ؑ اور وہاں کسوتھرس دیا ہوا ہے۔ چوں کہ ناموں کی صورت مختلف زبانوں میں بدل جاتی ہے۔ مثلاً ہم حضرت مسیح کو عیسیٰ اور انگریز جیسس و کرائسٹ کہتے ہیں۔ داؤد کو ڈیوڈ اور یحییٰ کو یوحنا بنا رکھا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ قدیم زمانے کا کسوتھرس عربی میں نوح بن گیا ہو ــــ بہرحال ان دو بیانوں سے یہ بات واضح ہے کہ طوفانِ نوح عراق اور اس کے شمالی حصوں میں آیا تھا۔

اسلامی کھیتی | قرآن حکیم میں آں حضرت صلعم کی تیار کردہ قوم کی جا بجا تعریف کی گئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۔ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ الخ	محمد اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے ساتھی کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں نرم ہیں۔ ہر وقت رکوع و سجود میں رہتے ہیں۔ اللہ سے فضل و رحمت مانگتے رہتے ہیں۔ جبیں پر آثار سجود عیاں ہیں۔ ان کے حالات توراۃ و انجیل میں بھی مذکور ہیں۔ یہ قوم اس کھیتی کی طرح ہے جس نے ایک پہلی ڈنڈی نکالی جو مضبوط ہو کر موٹی ہو گئی۔ یہاں تک کہ اپنے بل پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کھیتی کو دیکھ کر کسان خوش ہوا اور کفار جل گئے

یہ اسلامی کھیتی کس طرح پھلی پھولی اور اس کی شاخیں کہاں کہاں تک پھیلیں، جدول ذیل میں ملاحظہ ہو :

نمبر	سلسلۂ سلاطین	تعداد ملوک	پایۂ تخت	سال ابتدا	سال اختتام	عرصۂ حکومت
۱	خلفائے راشدہ	۴	مدینہ	سنہ ۱۱ھ	سنہ ۴۰ھ	۳۰ سال
۲	اُمیہ	۱۴	دمشق	سنہ ۴۱ھ	سنہ ۱۳۲ھ	۹۱ "
۳	عباسیہ	۳۷	بغداد	سنہ ۱۳۲ھ	سنہ ۶۵۶ھ	۵۲۴ "
۴	اُمیہ (سپین)	۱۶	قرطبہ	سنہ ۱۳۸ھ	سنہ ۴۲۲ھ	۲۸۴ "
۵	الحمودیہ "	۹	مالقہ	سنہ ۴۰۷ھ	سنہ ۴۳۹ھ	۳۲ "
۶	" "	۲	الجزیرہ	سنہ ۴۳۱ھ	سنہ ۴۵۰ھ	۱۹ "
۷	العبادیہ "	۳	اشبیلیہ	سنہ ۴۱۴ھ	سنہ ۴۸۴ھ	۷۰ "
۸	الزیدیہ "	۵	غرناطہ	سنہ ۴۰۳ھ	سنہ ۴۸۳ھ	۸۰ "
۹	الجہوریہ "	۳	قرطبہ	سنہ ۴۲۲ھ	سنہ ۴۶۱ھ	۳۹ "
۱۰	ذوالنونیہ "	۳	طیطلہ	سنہ ۴۲۷ھ	سنہ ۴۷۸ھ	۲۱ "
۱۱	العامریہ "	۷	ولنشیہ	سنہ ۴۱۲ھ	سنہ ۴۷۸ھ	۶۶ "
۱۲	التوجیبیہ "	۹	سرقوسہ	سنہ ۴۱۰ھ	سنہ ۵۳۶ھ	۱۲۶ "
۱۳	ملوک دانیہ "	۲	دانیہ	سنہ ۴۰۸ھ	سنہ ۴۶۸ھ	۶۰ "
۱۴	ملوک الا[illegible] "	۲۱	غرناطہ	سنہ ۶۲۹ھ	سنہ ۸۹۷ھ	۱۶۸ "
۱۵	الادارسہ (افریقہ)	۱۰	مراکش	سنہ ۱۷۳ھ	سنہ ۳۷۵ھ	۲۰۳ "
۱۶	الاغالبہ "	۱۱	ٹیونس	سنہ ۱۸۴ھ	سنہ ۲۹۶ھ	۱۱۳ "
۱۷	زیدیہ "	۸	"	سنہ ۳۶۲ھ	سنہ ۵۴۳ھ	۱۸۱ "
۱۸	بنوحماد "	۹	جزائرالغرب	سنہ ۳۹۸ھ	سنہ ۵۴۸ھ	۱۵۰ "
۱۹	مرابطون "	۶	مراکش	سنہ ۴۴۸ھ	سنہ ۵۴۱ھ	۹۳ "

۲۰	الموحدون (افریقیہ)	۱۳	شمالی افریقہ	سنہ ۵۲۴ھ	سنہ ۶۶۸ھ	۱۴۴ سال
۲۱	بنو زیان ″	۲۲	بنو آثرالقریب	سنہ ۶۳۳ھ	سنہ ۷۹۶ھ	۱۶۳ ″
۲۲	بنو مرین ″	۱۰	مراکش	سنہ ۵۹۱ھ	سنہ ۹۷۵ھ	۳۸۴ ″
۲۳	الشرفا ″	۳۵	″	سنہ ۹۵۱ھ	جاری ہے	
۲۴	الطولونیہ ″	۲۸	مصر	سنہ ۲۵۴ھ	سنہ ۲۹۲ھ	۳۸ ″
۲۵	اخشیدیہ ″	۵	″	سنہ ۳۲۳ھ	سنہ ۳۵۸ھ	۳۵ ″
۲۶	فاطمیہ ″	۵	قاہرہ	سنہ ۲۹۷ھ	سنہ ۵۶۷ھ	۲۶۱ ″
۲۷	الایوبیہ ″	۱۴	″	سنہ ۵۶۴ھ	سنہ ۶۴۸ھ	۸۴ ″
۲۸	ممالیک البحر ″	۹	″	سنہ ۶۴۸ھ	سنہ ۷۹۲ھ	۱۴۴ ″
۲۹	بنو حفص ″	۲۷	ٹیونس	سنہ ۶۲۵ھ	سنہ ۹۴۱ھ	۳۱۶ ″
۳۰	ممالیک الشرکیہ ″	۲۳	قاہرہ	سنہ ۷۸۴ھ	سنہ ۹۲۲ھ	۱۳۸ ″
۳۱	خدیویہ	۸	″	سنہ ۱۲۲۰ھ	جاری ہے	
۳۲	زیادیہ	۹	زبید (یمن)	سنہ ۲۰۴ھ	سنہ ۴۰۹ھ	۲۰۵ ″
۳۳	یعفوریہ	۹	صنعاء ″	سنہ ۲۴۷ھ	سنہ ۳۴۵ھ	۹۸ ″
۳۴	نجاحیہ	۸	زبید ″	سنہ ۴۱۲ھ	سنہ ۵۵۳ھ	۱۴۳ ″
۳۵	صلیحیہ	۳	صنعاء ″	سنہ ۴۲۹ھ	سنہ ۴۹۵ھ	۶۶ ″
۳۶	ہمدانیہ	۸	″ ″	سنہ ۴۹۲ھ	سنہ ۵۶۹ھ	۷۷ ″
۳۷	مہدیہ	۳	زبید ″	سنہ ۵۵۴ھ	سنہ ۵۶۹ھ	۱۵ ″
۳۸	زریعیہ	۳	عدن	سنہ ۴۷۶ھ	۵۶۹	۹۳ ″
۳۹	رسولیہ	۱۷	یمن	سنہ ۶۲۶ھ	سنہ ۸۵۸ھ	۲۳۲ ″

۴۰	طاہریہ	۴	یمن	۸۵۰ھ	۹۲۳ھ	۷۳ سال
۴۱	الائمۃ الرسیہ	۱۷	صعدہ (یمن)	۲۸۰ھ	۷۰۰ھ	۴۲۰ "
۴۲	ائمۂ صنعاء		صنعاء	۱۰۰۰ھ	جاری ہے	
۴۳	حمدانیہ	۹	موصل	۳۱۷ھ	۳۹۴ھ	۷۷ "
۴۴	مرداسیہ	۷	حلب	۴۱۴ھ	۴۷۲ھ	۵۸ "
۴۵	عقیلیہ	۶	موصل	۳۸۶ھ	۴۸۹ھ	۱۰۳ "
۴۶	مروانیہ	۵	دیار بکر (شام)	۳۸۰ھ	۴۸۹ھ	۱۰۹ "
۴۷	مزیدیہ	۸	الحلہ	۴۰۳ھ	۵۴۵ھ	۱۴۲ "
۴۸	دلفیہ	۵	کردستان	۲۱۰ھ	۲۸۵ھ	۷۵ "
۴۹	ساجیہ	۴	آذربائیجان	۲۶۶ھ	۳۱۸ھ	۵۲ "
۵۰	علویہ	۴	طبرستان	۲۵۰ھ	۳۱۶ھ	۶۶ "
۵۱	طاہریہ	۵	خراسان	۲۰۵ھ	۲۵۹ھ	۵۴ "
۵۲	صفاریہ	۳	فارس	۲۵۴ھ	۲۹۰ھ	۳۶ "
۵۳	سامانیہ	۱۰	ترکستان	۲۶۱ھ	۳۵۹ھ	۹۸ "
۵۴	خانانِ ایلک	۲۳	"	۳۲۰ھ	۵۶۰ھ	۲۴۰ "
۵۵	زیاریہ	۹	جرجان	۳۱۶ھ	۴۳۴ھ	۲۱۸ "
۵۶	حسنویہ	۳	کردستان	۳۴۸ھ	۴۰۶ھ	۵۸ "
۵۷	بنو بویہ	۲۰	عراق وغیرہ	۳۲۰ھ	۴۴۸ھ	۱۲۸ "
۵۸	کاکوی	۲	کردستان	۳۹۸ھ	۴۴۳ھ	۴۵ "
۵۹	سلاجقہ	۵۱	جنوبی ایشیا	۴۲۹ھ	۷۰۰ھ	۲۷۱ "

۶۰	دانشمندیہ	۵	سیواس وغیرہ	۴۹۰ھ	۵۶۰ھ	۷۰ سال
۶۱	اتابکہ بوری	۶	دمشق	۴۹۷ھ	۵۴۹ھ	۵۲ "
۶۲	" زنگی	۲۰	سوریا	۵۲۱ھ	۶۴۸ھ	۱۲۷ "
۶۳	" بکتگینی	۳	اربلا	۵۳۹ھ	۶۳۰ھ	۹۱ "
۶۴	" ارتقیہ	۲۵	دیاربکر	۴۹۵ھ	۷۱۲ھ	۲۱۷ "
۶۵	شاہان ارمینیہ	۸	ارمینیہ	۴۹۳ھ	۶۰۴ھ	۱۱۱ "
۶۶	اتابکہ آذربائیجان	۵	آذربائیجان	۵۳۱ھ	۶۲۲ھ	۹۱ "
۶۷	سلغریہ	۹	فارس	۵۴۳ھ	۶۸۶ھ	۱۴۳ "
۶۸	ہزارسبیہ	۱۴	لورستان	۵۴۳ھ	۷۴۰ھ	۱۹۷ "
۶۹	شاہان خوارزم	۸	خوارزم	۴۷۰ھ	۶۲۸ھ	۱۵۸ "
۷۰	خانان قتلغیہ	۸	کرمان	۶۱۹ھ	۷۰۳ھ	۸۴ "
۷۱	آل عثمان	۳۵	قسطنطنیہ	۶۹۹ھ	جاری ہے	
۷۲	خانان مغول	۳۴	زلقاریہ وغیرہ	۶۰۳ھ	۱۰۴۳ھ	۴۴۰ "
۷۳	مغول فارسی	۱۶	فارس	۶۵۴ھ	۷۵۰ھ	۹۶ "
۷۴	خانان عشائر ذہبیہ	۴۰	قاراختیا	۶۲۱ھ	۹۰۸ھ	۲۸۷ "
۷۵	خانان القرم	۴۶	" القرم	۸۲۳ھ	۱۱۹۷ھ	۳۷۴ "
۷۶	خانان چغتائی	۲۶	ترکستان	۶۲۴ھ	۷۶۰ھ	۱۳۲ "
۷۷	جیلاری	۶	عراق	۷۳۶ھ	۸۱۴ھ	۷۸ "
۷۸	مظفری	۶	فارس	۷۱۳ھ	۷۹۵ھ	۸۲ "
۷۹	سربداری	۱۲	خراسان	۷۳۷ھ	۷۸۳ھ	۴۶ "

۸۰	کرتی	۸	ہرات	سنہ ۶۴۳ھ	سنہ ۷۹۱ھ	۱۴۸ سال
۸۱	قراقیونلی	۵	آذربائیجان	سنہ ۷۸۰ھ	سنہ ۸۷۴ھ	۹۴ "
۸۲	اقاقیونلی	۱۲	"	سنہ ۷۸۰ھ	سنہ ۹۰۸ھ	۱۲۸ "
۸۳	شاہانِ ایران	۳۳	طہران	سنہ ۹۰۸ھ	جاری ہے	
۸۴	تیموری	۱۱	ترکستان	سنہ ۷۷۱ھ	سنہ ۹۰۶ھ	۱۳۵ "
۸۵	شیبانی	۱۹	"	سنہ ۹۰۶ھ	سنہ ۱۰۰۷ھ	۱۰۱ "
۸۶	المنجی	۶	"	سنہ ۱۲۰۰ھ	سنہ ۱۲۸۴ھ	۸۴ "
۸۷	شاہانِ خیوا	۳۵	"	سنہ ۹۲۱ھ	سنہ ۱۲۸۹ھ	۶۸ "
۸۸	شاہانِ خوقند	۱۷	"	سنہ ۱۱۱۲ھ	سنہ ۱۲۹۳ھ	۱۸۱ "
۸۹	جانی	۱۱	استراخان	سنہ ۱۰۰۸ھ	سنہ ۱۲۰۰ھ	۱۹۲ "
۹۰	غزنوی	۲۲	افغانستان و پنجاب	سنہ ۳۵۱ھ	سنہ ۵۸۲ھ	۲۳۱ "
۹۱	غوری	۲۰	افغانستان و ہند	سنہ ۵۴۳ھ	سنہ ۶۱۲ھ	۶۹ "
۹۲	سلاطینِ دہلی	۳۸	دہلی	سنہ ۶۰۲ھ	سنہ ۹۶۲ھ	۳۶۰ "
۹۳	ملوکِ بنگال	۵۵	کلکتہ	سنہ ۵۹۹ھ	سنہ ۹۸۴ھ	۳۸۵ "
۹۴	" جون پور	۶	جون پور	سنہ ۷۹۶ھ	سنہ ۹۰۵ھ	۱۰۹ "
۹۵	" مالوہ	۷	مالوہ	سنہ ۸۰۴ھ	سنہ ۹۳۷ھ	۱۳۳ "
۹۶	" گجرات	۱۴	گجرات	سنہ ۷۹۹ھ	سنہ ۹۸۰ھ	۸۱ "
۹۷	" خاندیس	۱۲	خاندیس	سنہ ۸۰۱ھ	سنہ ۱۰۰۸ھ	۲۰۷ "
۹۸	" بہمنی	۱۸	دکن	سنہ ۷۴۸ھ	سنہ ۹۳۳ھ	۱۸۵ "
۹۹	" عمادیہ	۵	برار	سنہ ۸۹۰ھ	سنہ ۹۸۰ھ	۹۰ "

۱۰۰	ملوک نظامیہ	۱۰	احمد نگر	سنہ ۸۹۶ھ	سنہ ۱۰۰۴ھ	۱۰۸ سال
۱۰۱	، برید	۷	بیدر	سنہ ۸۹۷ھ	سنہ ۱۰۱۸ھ	۱۲۱ ،
۱۰۲	، عادلیہ	۸	بیجاپور	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۱۰۹۷ھ	۲۰۲ ،
۱۰۳	، قطبیہ	۷	گولکنڈہ	سنہ ۹۱۸ھ	سنہ ۱۰۹۸ھ	۱۸۰ ،
۱۰۴	، مغل	۲۶	دہلی	سنہ ۹۳۲ھ	سنہ ۱۲۷۵ھ	۳۴۳ ،
۱۰۵	، افغانستان	۱۹	کابل	سنہ ۱۱۸۰ھ	جاری ہے	
۱۰۶	سلطنت سعودیہ[1]	۱	مکہ	سنہ ۱۳۴۲-۴۳ھ	جاری ہے	
۱۰۷	ملوک عراق[1]	۳	بغداد	سنہ ۱۳۳۸-۳۹ھ	جاری ہے	

[1] ۱۰۶ و ۱۰۷ کی تواریخ قیاساً درج کر دی گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ اصلی تواریخ اور ان میں کچھ اختلاف ہو۔

باب (۱۱)

بعض سورتوں کے مطالب

والفجر: جب ایک ملزم کے پاس اپنی مدافعت کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہوتی تو وہ اللہ کی قسم کھا کر اپنی براءت ثابت کیا کرتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ وہ اللہ کی شہادت پیش کرتا ہے۔ اس لیے قسم کے معنی ہوں گے شہادت۔ دلیل اور ثبوت۔

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ۝ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ (فجر۔ ۱تا۷)

تشریح الفاظ: اَلْفَجْر: اس فجر سے مراد صبح وحی ہے۔

لَيَالٍ عَشْرٍ: دس راتوں سے مراد حج کی راتیں ہیں ہمارے ہاں حج کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ تمام مسلمانانِ عالم کے نمائندے ایک لباس میں ایک مرکز پر جمع ہو کر ہر سال اپنی طاقت، وحدت اور تنظیم کا مظاہرہ کیا کرتے ہیں۔

اَلشَّفْع: جفت اعداد۔

اَلْوَتْر: وہ اعداد جو دو پر تقسیم نہ ہوسکیں یعنی آحاد۔ جس طرح کہ ایک سے ایک مل جائے تو گیارہ بن جاتے ہیں، اسی طرح آغازِ اسلام میں مسلمان منظم و متحد ہو کر ایک مہیب طاقت بن گئے تھے۔ آج منتشر ہو کر پٹ رہے ہیں۔ اعداد کے ذکر میں اس

حقیقت کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ مسلم الجبرا کے موجد ہوں گے۔ انقلاب زمانہ دیکھیے کہ آج یونی ورسٹی امتحانات میں مسلمانوں کی کثرت حساب ہی میں فیل ہوتی ہے۔

ارم ذات العماد: تمام عرب ارم بن سام کی اولاد ہیں اور عاد و ثمود اسلاف عرب تھے، جو عراق سے ہجرت کر کے عرب میں پہنچے تھے۔ عرب کی ایک شاخ عمالقہ کے بغیر باقی تمام شاخیں مٹ چکی ہیں۔ یہ عمالقہ عراق و مصر پر ۲۴۶۰ سے ۲۰۸۱ ق م تک حکمران رہے اور رعاۃ کہلائے۔ عراق پر مختلف زمانوں میں مختلف اقوام حکمران رہیں۔ مثلاً: مادیین۔ کلدانی۔ اشوری۔ دولۃ البابلیۃ الاولی۔ موخر الذکر خالص عربوں کی حکومت تھی، جس کے فرماں رواؤں کی تعداد گیارہ تھی۔ ان میں سے ایک کا نام حمورابی تھا جو مسیح سے ۲۳۰۰ برس پہلے گذرا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کی حکومت کے ضابطۂ قوانین (جس میں ۲۸۳ قوانین ہیں) کا ایک نسخہ ۱۹۰۱ء میں بلادِ سوس میں دستیاب ہوا تھا جو پتھر کی سات قدم لمبی ایک سِل پہ مسماری حروف میں منقوش تھا۔ طسم اور جدیس بھی انھی عربوں میں سے تھے۔

عاد و ثمود ۲۲۰۰ ق م میں عرب میں داخل ہوئے اور یمن میں ایک حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جو دولۃ معینیین کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ حکومت سبا و حمیر کی حکومت سے بڑی تھی۔ اس کے ۲۳۳ کتبے ایک انگریز سیاح ہیلف کے ہاتھ لگے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکومت خلیج فارس سے بحرِ حبش کے سواحل تک پھیلی ہوئی تھی اور اسے آخر میں قحطانیوں نے تباہ کیا تھا۔

بعض مورخین کا خیال یہ ہے کہ اہرام مصر عادی فرماں رواؤں کے تیار کردہ ہیں اور غالباً اس آیت اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ میں عماد سے مراد یہی اہرام مصر ہیں۔

اور کفر کی بیتی ہوئی مبانت شاہد ہے۔ کیا اہلِ دانش کے لیے یہ شہادت کافی نہیں (کہ بدکار کا انجام بُرا ہوگا) کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے منار بنانے والے عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟

مطلب یہ ہے کہ صبحِ رسالت طلوع ہو چکی ہے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر متحد ہو رہے ہیں۔ ایک سے دو اور دو سے چار بن رہے ہیں۔ علوم و فنون کی بنیاد ڈال رہے ہیں کفر و شرک کی ظلمتیں پھٹ رہی ہیں تو کیا ان حالات میں وُہ اقوام زندہ رہ سکتی ہیں جن میں تنظیم نہیں، وحدت نہیں۔ رسولِ مقبولؐ جیسا کوئی رہبر نہیں اور علوم کی طرف توجہ نہیں؟ اہلِ دانش کو یقین تھا کہ یہ تمام اقوام عاد و ارم کی طرح پھٹ جائیں گی اور آخر ایسا ہی ہُوا۔

جس طرح ایک کے عدد سے لامتناہی اعداد بنے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اسی طرح ایک خدا سے لاکھوں قسم کے موجودات نکلے اور پھر بھی وہ ایک کے ہندسے کی طرح بلا تغیر و تبدّل موجود ہے۔

ایک کا کوئی جزو نہیں اور نہ دیگر غیر متناہی اعداد میں اس کی کوئی اور مثال موجود ہے۔ بس یہی حال اللہ کا ہے کہ غیر منقسم بھی ہے اور بے مثال بھی۔

ایک کا عدد تمام دیگر اعداد کا منبع ہے۔ اسے مٹا دیجیے تو دیگر اعداد خود بخود مٹ جائیں گے۔ لیکن اگر باقی تمام اعداد مٹ جائیں تو بھی ایک کا عدد باقی رہے گا یہی تعلق خدا اور کائنات کا ہے۔

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (رحمٰن۔ ۲۶-۲۷)	تمام موجودات فنا ہو جائیں گے۔ لیکن بزرگ و برتر رب پھر بھی باقی رہے گا۔

الذّاریات | جب آفتاب پانی پر چمکتا ہے تو پانی بخارات کی صورت بدل کر فضائی رفعتوں میں جا پہنچتا ہے۔ وہاں سے برستا ہے تو زمین پر ہر سُو چمن زار کھِل جاتے ہیں۔ دریاؤں، نالوں اور ندیوں میں طغیانی آجاتی ہے جس میں بڑے بڑے پتھر بہہ نکلتے ہیں۔

رسول ایک آفتاب ہوتا ہے جو انسانی دنیا پر چمک کر قابل، کارکن اور سلیم الفطرت افراد
واقوام کو اخلاقی، تمدنی و سیاسی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے، جہاں سے وہ بارانِ رحمت بن کر
برستے ہیں۔ ہر طرف لالہ زار کھل جاتے ہیں اور کاہل و بے کار لوگ خس و خاشاک کی طرح اس
سیلاب میں بہ جاتے ہیں۔

آغازِ آفرینش سے اب تک ضابطۂ فطرت ایک رہا ہے۔ گو صحفِ مقدسہ کی بعض فروعی
ہدایات ایک دوسرے سے مختلف تھیں، لیکن اصول سب میں مشترک تھے۔ فضا میں کروڑوں
چھوٹے بڑے آفتاب مختلف گزرگاہوں پر نہایت تندی سے گھوم رہے ہیں۔ اُن کی حرکات
ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن سب کے سب ایک ہی آئین کو نباہ رہے ہیں۔ اسی طرح
تمام انبیائے کرام بعض فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی امرِ عظیم کی طرف دعوت دیتے
رہے اور ایک ہی آئین کو مختلف عبارتوں اور زبانوں میں پیش فرماتے رہے۔ اگر حرکاتِ
نجوم کے اختلاف پر نکتہ چینی کی کوئی گنجائش نہیں تو پھر مصلحین کرام کی مقدس تعلیم پر جہاں
اختلاف محض جزوی و فرعی ہے، یہ سر پھٹول کیوں ہو؟

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ
وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ
اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ
وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۙ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ
الْحُبُكِ ۙ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ
(الذاریات ۱ تا ۸)

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو ذراتِ غبار کو تکوینِ باراں کے لیے اڑاتی
ہیں، جو بادلوں کی ایک دنیا کندھوں پر لیے پھرتی ہیں۔ جو کسی روک
ٹوک کے بغیر چلتی اور ہر طرف قطراتِ باراں کو تقسیم کرتی پھرتی ہیں کہ
تم سے جو وعدے کیے گئے ہیں وہ پورے ہوں گے اور جزا و سزا کا آئین پورا ہو کر
رہے گا۔ مختلف گزرگاہوں والے آسمان کی قسم کہ تم تعلیمِ انبیاء
کے متعلق خواہ مخواہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہو۔

الطور | حضرت موسیٰ ؑ کوہِ طور پر اس لیے تشریف لے گئے تھے کہ نجاتِ انسانی کا ضابطہ
حاصل کریں۔ اسی مقصد کے لیے ہزارہا انبیاء گلۂ آدم کی طرف مبعوث ہوئے۔ کعبہ کی تعمیر کا مقصد

بھی یہی تھا کہ طبقاتِ انسانی ایک مرکز پہ جمع ہو کر وسائلِ امن وسلام پر غور کریں۔ یہ فضاؤں میں سیاروں کا محیّر العقول نظام ہماری تربیت کے لیے ہے بطنِ زمین میں کھولتے ہوئے سمندر اسی لیے رکھے گئے ہیں کہ یہ وقتاً فوقتاً ابل کر کموناتِ ارضی کے ذخائر ہم تک پہنچائیں۔ انصافاً کہو کہ کیا اِن بے شمار نعمتوں کو استعمال کرنے والے انسان سے اس کے اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا؟ کیا ضوابطِ انبیاء کے منکر، استعمالِ کعبہ سے ناآشنا، آفتابِ حیات کے پکائے ہوئے پھل کھا کر غافل سو جانے والا انسان پاداشِ عمل سے بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں!

وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ (طور۔ ۱تا۸)	کوہ طور کی قسم، کھلے کاغذات میں لکھی ہوئی کتاب (قرآن اور دیگر صحائف، جو اتحادِ تعلیم کی وجہ سے ایک ہی کتاب سمجھے جاتے ہیں) اور آباد کعبہ کی قسم، اس بلند آسمان اور ابلتے ہوئے سمندر کی قسم کہ اللہ کا عذاب آیا ہی چاہتا ہے، جسے روکنے والا کوئی نہیں۔

وَالنَّجْمِ | جس طرح ہر ستارہ انسانی دنیا کا رہبر ہے، اسی طرح آں حضرت صلعم ابنِ آدم کے ہادی و معلم تھے جس طرح ستارہ نور و ضیا کا منبع ہے، اسی طرح آں حضرت نورِ ہدایت کے مصدر تھے جس طرح ستارہ اپنی گذرگاہ پر سیدھا جاتا ہے، اسی طرح رسولِ مقبول اللہ کے معیّن کردہ صراطِ مستقیم پر سیدھے چلتے رہے جس طرح کہ ہر ستارے کی حرکت پر ایک نگران موجود ہے، اسی طرح آں حضرتؐ کا ہر لفظ کسی کی مشیّتِ قاہرہ سے سرزد ہو رہا تھا۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ اور جس طرح ستارہ غروب تو ہوتا ہے، لیکن فنا نہیں ہوتا، اسی طرح آں حضرت صلعم بعد از مرگ بھی اپنی بے پناہ تعلیم اور کروڑوں نام لیواؤں کی بدولت زندہ ہیں۔ آپؐ نے جس عظیم الشان شہنشاہت کی بنیاد ڈالی تھی، اس کے چند در و دیوار بدستور موجود ہیں۔ آپؐ کی بنائی ہوئی بین الملی جمہوریت آج پھر زندہ ہو رہی ہے اور دنیا چوٹ کھا کر آپؐ کے

اصولوں کی طرف دوبارہ لوٹ رہی ہے۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم۔ ۱تا۴)

هَوٰى کے معنی لغت میں طلوع و غروب ہر دو ہیں۔ هَوٰى هَوِيًّا اذا غرب و هُوِيًّا اذا علا و صعد۔

ترجمہ آیت: قسم ہے ستارے کی کہ جب وہ افق سے نکل کر اپنی گذرگاہ پر سیدھا چل پڑے کہ تمہارا دوست (رسولؐ) اپنی سیدھی راہ سے ذرہ برابر نہیں بھٹکا۔ وہ تم سے کوئی من گھڑت باتیں نہیں کہتا۔ بلکہ ہمارا دیا ہوا پیغام تمھیں سناتا ہے۔

ایک ارادت مند و با سعادت شاگرد اپنے استاد کے اخلاق و اطوار سے بسا اوقات یہاں تک متاثر ہوتا ہے کہ استاد کا اسوۂ عمل اس کی زندگی کے ہر پہلو پر چھا جاتا ہے اور وہ ہر بات میں استاد کی نقل کرتا ہے۔

ہمارے سامنے آں حضرتؐ صلعم جیسا شاگرد ہے اور خود خالق کائنات معلم۔ یہ شاگردی و استادی کا سلسلہ پہلے بذریعہ نامہ و پیام شروع ہوا اور پھر یہ ایک دوسرے کے اس قدر قریب آگئے کہ درمیان میں صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۝ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۝ (النجم۔ ۵-۱۰)

مفسرین کرام نے شدید القوٰی سے مراد جبریلؑ لیے ہیں اور فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ میں اوحٰی کا فاعل اللہ قرار دیا ہے جو محض تکلف ہے۔ میری ناقص رائے میں اگر شدید القوٰی سے مراد اللہ لیا جائے تو تفسیر میں زیادہ حسن پیدا ہو جاتا ہے اور فاوحٰی کا فاعل بھی تلاش کرنے سے نجات ہو جاتی ہے۔

ترجمہ آیت: آں حضرتؐ کو طاقت ور اور پُرہیبت رب نے تعلیم دی (پُرہیبت استاد سے

بھی یہی تھا کہ طبقاتِ انسانی ایک مرکز پر جمع ہو کر وسائلِ امن وسلام پر غور کریں۔ یہ فضاؤں میں سیاروں کا محیر العقول نظام ہماری تربیت کے لیے ہے بطنِ زمین میں کھولتے ہوئے سمندر اسی لیے رکھے گئے ہیں کہ یہ وقتاً فوقتاً اُبل کر مکوناتِ ارضی کے ذخائر ہم تک پہنچائیں۔ انصافاً کہو کہ کیا ان بے شمار نعمتوں کو استعمال کرنے والے انسان سے اس کے اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا؟ کیا ضوابطِ انبیاء کے منکر، استعمالِ کعبہ سے ناآشنا، آفتابِ ہدایت کے پکائے ہوئے پھل کھا کر غافل سو جانے والا انسان پاداشِ عمل سے بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں!

وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ (طور - ۱ تا ۸)	کوہ طور کی قسم، کھلے کاغذات میں لکھی ہوئی کتاب (قرآن اور دیگر صحائف، جو اتحادِ تعلیم کی وجہ سے ایک ہی کتاب سمجھے جاتے ہیں) اور آباد کعبہ کی قسم، اس بلند آسمان اور اُبلتے ہوئے سمندر کی قسم کہ اللہ کا عذاب آیا ہی چاہتا ہے، جسے روکنے والا کوئی نہیں۔

وَالنَّجْمِ | جس طرح ہر ستارہ انسانی دنیا کا رہبر ہے، اسی طرح آں حضرت صلعم ابنِ آدم کے ہادی و معلم تھے جس طرح ستارہ نور وضیا کا منبع ہے، اسی طرح آں حضرت نورِ ہدایت کے مصدر تھے جس طرح ستارہ اپنی گذرگاہ پر سیدھا جاتا ہے، اسی طرح رسولِ مقبول اللہ کے معین کردہ صراطِ مستقیم پر سیدھے چلتے رہے جس طرح کہ ہر ستارے کی حرکت پر ایک نگران موجود ہے، اسی طرح آں حضرت کا ہر لفظ کسی کی مشیتِ قاہرہ سے سرزد ہو رہا تھا۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ اور جس طرح ستارہ غروب تو ہوتا ہے، لیکن فنا نہیں ہوتا، اسی طرح آں حضرت صلعم بعد از مرگ بھی اپنی بے پناہ تعلیم اور کروڑوں نام لیواؤں کی بدولت زندہ ہیں۔ آپ نے جس عظیم الشان شہنشاہت کی بنیاد ڈالی تھی، اس کے چند در و دیوار بدستور موجود ہیں۔ آپ کی بنائی ہوئی بین الملی جمہوریت آج پھر زندہ ہو رہی ہے اور دنیا چوٹ کھا کر آپ کے

اصولوں کی طرف دوبارہ لوٹ رہی ہے۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم۔ ۱تا۴)

هَوٰى کے معنی لغت میں طلوع وغروب ہردو ہیں۔ هَوٰى هَوِيًّا اذا غرب و هُوِيًّا اذا علا و صعد۔

ترجمہ آیت: قسم ہے ستارے کی کہ جب وہ افق سے نکل کر اپنی گذرگاہ پر سیدھا چل پڑے کہ تمہارا دوست (رسولؐ) اپنی سیدھی راہ سے ذرہ برابر نہیں بھٹکا۔ وہ تم سے کوئی من گھڑت باتیں نہیں کہتا۔ بلکہ ہمارا دیا ہوا پیغام تمہیں سناتا ہے۔

ایک ارادت مند و باسعادت شاگرد اپنے استاد کے اخلاق و اطوار سے بسا اوقات یہاں تک متاثر ہوتا ہے کہ استاد کا اسوۂ عمل اس کی زندگی کے ہر پہلو پر چھا جاتا ہے اور وہ ہر بات میں استاد کی نقل کرتا ہے۔

ہمارے سامنے آں حضرت صلعم جیسا شاگرد ہے اور خود خالق کائنات معلم۔ یہ شاگردی و اُستادی کا سلسلہ پہلے بذریعہ نامہ و پیام شروع ہوا اور پھر یہ ایک دوسرے کے اس قدر قریب آگئے کہ درمیان میں صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۚ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۝ (النجم۔ ۵تا۱۰)

مفسرین کرام نے شدید القوٰی سے مراد جبریلؑ لیے ہیں اور فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ میں اوحی کا فاعل اللہ قرار دیا ہے جو محض تکلف ہے۔ میری ناقص رائے میں اگر شدید القوٰی سے مراد اللہ لیا جائے تو تفسیر میں زیادہ حُسن پیدا ہو جاتا ہے اور فاوحی کا فاعل بھی تلاش کرنے سے نجات ہو جاتی ہے۔

ترجمہ آیت: آں حضرتؐ کو طاقت ور اور پُرہیبت رب نے تعلیم دی (پُرہیبت استاد سے

طلبہ زیادہ مستفیض ہوتے ہیں، اللہ ایک بلند افق پر جلوہ فرما تھا، جہاں سے وہ نیچے اُترا اور قریب آتا گیا۔ یہاں تک کہ استاد و شاگرد میں صرف دو کمان کا فاصلہ رہ گیا۔

اس کے بعد اللہ نے اپنے پیارے بندے کو جو سمجھانا تھا، سمجھایا۔

سورۃ البلد | (الف) مکہ مکرمہ زمانۂ جاہلیت میں بھی بیت اللہ سمجھا جاتا تھا۔

ل حضرت مصنف نے شدید القویٰ سے اللہ تعالیٰ مراد لے کر نہایت مستحسن اقدام کیا ہے اور زیادہ غور فرماتے تو یہ اعتراض بھی اٹھ جاتا کہ اللہ تو ایک جگہ متحیز تھے، پھر وہاں سے انتقالِ مکانی فرمایا اور قریب تر ہوتے گئے۔ یہ عقیدہ قرآنی صراحتوں کے سامنے بالکل بے اصل ہے۔ ھو معکم اینما کنتم (سورہ حدید) فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (بقرہ) نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق) اس قرب و معیت پر راقم کا ایک مستقل مضمون بلاغ میں شائع ہو چکا ہے۔ یہاں ھُوَ کا مرجع النجم قرار دے لیں تو سب مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ترجمۂ آیات یوں ہوگا: "ستارے کی قسم (یا گواہی) جب وہ گرا، تمھارا ہم نشینؐ (اس نظارے میں) نہ بے راہ ہوا نہ غلطی کھائی، اس کا یہ کلام نفسانی نہیں ہے، محفوظ وحی ہے، مضبوط قوتوں والے صاحبِ حوصلہ خدا کی سکھائی ہوئی۔ سو وہ (تمہارا ہم نشینؐ ستارہ گرنے کے نظارے کی طرف) متوجہ ہوا۔ اس حال میں کہ وہ (ستارہ) بہت اونچے افق پر تھا۔ پھر وہ ستارہ (حضورؐ کے) نزدیک آیا، پھر (زمین پر) گر پڑا۔ سو وہ (محیط میں) دو کمانوں کی مقدار تھا یا اس کے قریب قریب۔ پھر اللہ نے (اس مشاہدہ کی حالت میں) اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی (یعنی سورۃ النجم)، اس مشاہدے کے الہامی بیان میں آپ کے دل نے جھوٹ نہیں بولا، پھر کیا تم اُسؐ کے اس مشاہدے میں اُسؐ سے جھگڑتے ہو اور بلاشبہ اُسؐ نے اس ستارے کو (گرنے کے مقام سے قریب ہو کر) مکرر معائنہ کیا (حدودِ مکہ کی) آخری بیری کے پاس، جہاں (مسافروں کے) پناہ لینے کا باغ ہے، جب بیری کو وہ چیز ڈھانکتی تھی جو ڈھانکتی تھی (یعنی ستارے کی دخشاں راکھ)، اس معائنہ میں آپؐ کی نگاہ نے کجی نہیں کی اور نہ وہ نگاہ حد سے متجاوز ہوئی، یہ اللہ کے بڑے بڑے نشانوں میں سے ایک نشان تھا جو آپؐ نے دیکھا۔"

اس ترجمے کی تائید سورۂ سابقہ "الطور" کے آخری رکوع سے ہوتی ہے۔ جہاں فرمایا ہے، "ان یروا کسفا من السماء ساقطاً یقولوا سحاب مرکوم۔ اگر یہ (کسی گرنے والے ستارے کا) کوئی ٹکڑا آسمان سے گرتا دیکھیں تو کہیں یہ تہ بہ تہ ہوا بادل ہے۔ اس کی تفصیل تفسیر 'بیان للناس' منزل ہفتم میں ملے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (البیان)

جہاں شکار، قتل اور جھگڑا ممنوع تھا، لیکن اہلِ مکہ اسی شہر میں آں حضرتؐ کو ایذا پہنچاتے تھے مگر دنیا کے مقدس ترین شہر میں ایک مقدس ترین انسان انسانی دست درازیوں سے محفوظ نہ رہ سکا تو دنیا کی باقی بستیوں میں عام انسانوں پہ کیا بیت رہی ہوگی؟

(ب) انسانی ولادت پر غور کرو۔ انسان ظلماتِ شکم میں نو ماہ تک رہنے کے بعد کس تکلیف سے جنم لیتا ہے اور کتنی مصیبتوں کے بعد پلتا ہے۔ زندگی کا کوئی مرحلہ کہ درد سے خالی نہیں۔ عیال داری کی اُلجھنیں، طلبِ علم و تلاشِ معاش کی صعوبتیں اور قلبی رانی و باربرداری کی مصیبتیں تادمِ واپسین پیچھا نہیں چھوڑتیں، تو پھر انسان جو حوادث کا یوں تختۂ مشق بنا ہوا ہے، کیوں نہ ذرا اور دکھ اٹھا کر سعادتِ جاوداں کی گھاٹی پر چڑھنے کی کوشش کرے۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۔

(ج) انسان کی تمام زندگی تلاشِ سکون میں کٹ جاتی ہے لیکن یہ نعمت اُسے پھر بھی حاصل نہیں ہوتی، تو معلوم ہوا کہ انسانی سعادت و شقاوت کی باگ کسی اور طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ (البلد ۵)

(د) انسان ہمیشہ شکایت کیا کرتا ہے کہ اُس نے لاکھوں روپے کمائے، لیکن اطمینان کی دولت سے پھر بھی محروم رہا۔ کاش اُسے معلوم ہوتا کہ اطمینان فراوانیِ دولت سے حاصل نہیں، بلکہ یہ نعمت اعضاء و جوارح کے صحیح استعمال سے میسّر ہوتی ہے۔ اعضاء کا صحیح استعمال کیا ہے؟ اس کا جواب صحفِ سماویہ کے علاوہ خود انسانی ضمیر میں بھی موجود ہے:
وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (ہم نے انسان کو سعادت و شقاوت کی دونوں راہیں دکھا دی ہیں)۔

(ہ) دنیا کے بڑے بڑے مُصلح بے شمار جسمانی اذیتیں سہتے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے، لیکن پھر بھی خوش تھے۔ یہ اس لیے کہ وہ اعضاء کا صحیح استعمال کرنے کے بعد اطمینانِ قلبی کی نعمت سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝ یَقُوْلُ اَھْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ۝ وَھَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۝ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا ھُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝ (بلد۔ ۱ تا ۲۰)

قسم ہے مکہ کی اور تم مکہ میں عن قریب فاتحانہ داخل ہوا چاہتے ہو (پیش گوئی) اور قسم ہے جننے والی ماں اور جنے ہوئے بچے کی کہ ہم نے انسان کو دکھوں میں پیدا کیا ہے۔ انسان کا یہ خیال کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں، غلط ہے۔ وہ چلاتا ہے کہ اس نے بے شمار دولت ضائع کی، لیکن اُسے چین نہ ملا کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کی کوششوں پر کوئی نگران موجود نہیں؟ وہ کیوں اپنے اعضاء کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتا؟ کیا ہم نے اُسے دو آنکھیں، زبان اور ہونٹ بلا وجہ عطا کیے ہیں؟ اور سعادت و شقاوت کی دو راہیں دکھاتے کو خواہ مخواہ مکلف کیا ہے؟ افسوس کہ انسان مسرت پائندار کی گھاٹی پر نہ چڑھا۔ جانتے ہو کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ غلام افراد و اقوام کو آزاد کرانا۔ رشتہ دار یتیموں اور خاک آلود مسکینوں کو ایامِ قحط میں کھانا کھلانا اور دنیا کو صبر و شفقت کا درس دینا کہ یہی لوگ نجات پائیں گے اور ہمارے احکام کی مخالفت کرنے والے عذاب جہنم کا شکار بنیں گے۔

الشمس فلاح انسانی کا انحصار تزکیۂ دل و دماغ پر ہے۔ یہ تزکیہ اعمالِ حسنہ اور مطالعۂ فطرت سے حاصل ہوتا ہے آفتاب و ماہتاب کی نور پاشیاں اور ارض و سما کے دیگر مناظر کا مطالعۂ انسانی دل و دماغ پر وہ کیفیت خشیت و حیرت طاری کر دیتا ہے کہ طائرِ تخیل ان جمیل فضاؤں کو چیر کر خیامِ قدس تک پہنچنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے

جس طرح حُسنِ کائنات آفتاب کا رہینِ منت ہے، اسی طرح بزمِ انسانی کی رونقیں تزکیۂ دل ودماغ پر موقوف ہیں، جس طرح بادل نورِ آفتاب کو روک لیتے ہیں، اسی طرح گناہوں کی ظلمتیں انوارِ نفس کو ڈھانپ لیتی ہیں اور دنیائے دل ایک ظلمت کدہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اعمالِ حسنہ میں سب سے بڑا عمل مطالعۂ کائنات ہے کہ اس سے جہاں انسان کی مخفی طاقتیں بے حجاب ہوتی ہیں، وہیں وہ فطرت کا سب سے بڑا راز یعنی اللہ متلاشی نگاہوں کے سامنے عُریاں ہو جاتا ہے۔

کُنتُ کنزاً مخفیاً فاردتُ ان اُعرف فخلقتُ آدم۔ (حدیث)	مَیں ایک مخفی خزانہ تھا۔ مَیں نے بے حجاب ہونا چاہا، تو اس مقصد کے لیے انسان کو پیدا کر دیا۔

چوں کہ فطرت میں ہر سُو نہایت حسین وجمیل مناظر بکھرے پڑے ہیں جن میں سے ہر ایک پر معبود ہونے کا دھوکا ہو سکتا ہے۔ اس لیے پیرِو ابراہیمؑ کو مطالعۂ کائنات کے وقت ابراہیمی نظر سے کام لینا ہوگا، نہ کہ مشرکانہ سطحیت سے، کہ کبھی چاند کے سامنے سر جھکا دیا اور کبھی سورج کے سامنے۔

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (آل عمران۔ ۹۵)	تم خدا پرست ابراہیمؑ کے پیچھے چلو اور یاد رکھو کہ وہ مشرک نہ تھا۔
وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۙ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۙ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۙ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۙ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۙ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۙ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۙ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ؕ (الشمس ۱ تا ۱۰)	حُسنِ کائنات کو بے نقاب کر دینے والے سورج، رات کو بقعۂ نُور بنانے والے چاند، روشنیوں پر حجاب پھینکنے والی رات، ارض وسما کے حسین وجمیل مناظر اور انسان کی فطرتِ کاملہ (جسے ہم نے گناہ و ثواب کی تمام راہیں بتا دی ہیں) کی قسم کہ تزکیۂ نفس باعثِ فلاح اور آلودگیٔ نفس باعثِ خسران ونامرادی ہے۔

. اللیل | ہماری زمین فضائی دنیاؤں کے مقابلے میں ایک ذرۂ دیقرا سی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی جب رات مناظر ارضی کو ڈھانک لیتی ہے تو پہنائے فلک کی لاتناہی دُنیاؤں کو عُریاں کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر دن زمینی نیرنگیوں کو بے حجاب کرتا ہے تو گردوں کے لاتعداد عوالم کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔

موت زندگی کی شام ہے جس کے آتے ہی اس دنیا کے مناظر اوجھل ہو جائیں گے اور وہ تمام اسرار جو نصف النہار حیات میں چشم بینا سے نہاں تھے، عیاں ہو جائیں گے۔

تھیں بنات النعش گردوں، دن کے پردوں میں نہاں
شب کو اُن کے جی میں کیا آئی کہ عُریاں ہو گئیں (غالب)

لیل و نہار اور مؤنث و مذکر کا اختلاف در اصل ایک اکمل و اجمل نظام کا حامل ہے جس طرح یہ اختلاف حسن فطرت ہے، اسی طرح قبائل انسانی کے ذوقی و رجحانی تنوع سے بزم انسان کی بہار قائم ہے۔ اقوام کا عمل، قبلہ، منہج، تمدن اور رنگ تفکر ایک دوسرے سے جدا جدا ہے اور اسی اختلاف سے رُوح مقابلہ زندہ ہے۔ ایک قوم کے عروج سے دوسری میں رشک پیدا ہوتا ہے اور اگر آج یہ جذبہ سرد پڑ جائے تو انسانوں کی دنیا ڈھوروں کی دنیا بن کر رہ جائے۔ اقوام و افراد ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش ترک کر دیں اور ہر سینے میں شرار جستجو بجھ جائے۔ کامیابی کوشش کا نام ہے، جو لوگ تعمیری کوششوں میں جانی و مالی ایثار سے کام لیتے ہیں، وہ کامران بن جاتے ہیں اور جو ان قربانیوں سے دُور بھاگتے ہیں، انھیں پیس دیا جاتا ہے۔

وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ۙ | سیاہ رات، روشن دن اور مذکر و مؤنث کے اختلاف کی قسم

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ۝ إِنَّ سَعْيَكُمْ
لَشَتَّىٰ ۝ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝ وَ
صَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ
إِذَا تَرَدَّىٰ ۝ (الیل۔ ۳تا۱۱)

کہ تم انسانوں کے اعمال میں اختلاف ہے جس قوم یا فرد نے مالی قربانی کی، نافرمانی کے نتائج سے ڈر اور حسنات کو اختیار کیا تو اُسے راحت و سعادت نصیب ہوگی اور جس نے بخل سے کام لیا، قوانینِ فوز و فلاح سے بے پروائی برتی اور ہر اچھی ہدایت کو جھٹلایا تو ہم اُسے مصائب کا شکار بنا دیں گے اور اس کی دولت اُسے تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔

الضحیٰ | حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ عرصے کے لیے آں حضرت صلعم پر وحی کا نزول بند ہو گیا تھا۔ اس سے آپ کی طبیعت مکدر رہنے لگی اور کفار طعنے دینے لگے کہ لو آپ کی رسالت ختم ہو گئی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔

جس طرح دنیا میں لیل و نہار کا سلسلہ قائم ہے اور ہر دو الٰہی رحمت ہیں۔ اسی طرح وحی کا آنا یومِ رسالت اور رُک جانا شبِ رسالت ہے اور ہر دو رحمت ہیں۔

جس اللہ نے اس یتیم پر اس قدر نوازشیں کیں کہ اُسے پالا، دشمنوں سے بچایا، تاجِ رسالت سر پر رکھا اور اُمّی یتیم سے سلطانِ عالم بنا ڈالا تو کیا آئندہ کے لیے اُسے اپنی نوازشوں سے محروم کر دے گا۔

وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا
وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ وَ
لَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝
وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝
أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ
ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا

روزِ روشن اور شبِ سیاہ کی قسم کہ اللہ نے تمھیں نہ رخصت کیا اور نہ وہ ناراض ہے تمھارا انجام آغاز سے بہتر ہوگا (دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی) اور تمھیں یوں کامیاب بنائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ تم ایک یتیم تھے۔ ہم نے تمھیں اپنی پناہ میں لیا۔ تم اصلاحِ قوم کے وسائل سوچنے میں حیران تھے۔ اسی ایک خیال میں کھوئے ہوئے تھے (ضالاً) ہم نے تمھیں فوز و فلاح کے

فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝	کے گرُ بتلائے (فضحیٰ) تم فقیر تھے اور ہم نے علم و سلطنت دے کر تمھیں دولت مند بنایا (تم یتیم رہ چکے ہو) اس لیے یتیموں پر رحم کیا کرو۔ سائل کو مت ڈانٹو اور الٰہی نعمتوں کا ہر جگہ ذکر کیا کرو۔

التّین | انجیر و تین، سریع الہضم، ملین، محلّل بلغم، گردوں کو صاف کرنے والا اور پتھری کو ریت بہالے جانے والا میوہ ہے۔ طور مشہور پہاڑ ہے، جہاں حضرت کلیمؑ کو اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہم کلامی حاصل ہُوا تھا۔ پہاڑ عموماً معادن کے خزائن ہوتے ہیں، لیکن طور مقامِ وحی بھی تھا۔ مکہ مولدِ رسول اور مقامِ کعبہ ہے۔

اگر اللہ میووں، پہاڑوں اور شہروں کو منبعِ برکات بنا سکتا ہے تو کیا انسان کی تخلیق ہی ناقص ہونا تھی۔

سرزمین بابل میں انجیر کی کثرت تھی اور یروشلم کے گرد و نواح میں زیتون کی فراوانی۔ طور کا تعلق حضرت موسیٰؑ اور مکہ کا آں حضرت صلعم سے ہے۔ ان چار چیزوں کا ذکر فرما کر اللہ نے ہمیں اُن چار انبیاء علیہم السّلام کی طرف متوجہ کیا، جو کفرستان میں پیدا ہونے کے باوجود اپنی بہترین فطرت کی بدولت شموسِ ہُدیٰ بن کر چمکے اور ظلمتِ عصیاں کو سیلِ نور بن کر بہالے گئے۔ اگر انسان کی فطرت ناقص ہوتی تو یہ مصلحین کرام اُس تاریک ماحول اور گناہ آلود دنیا سے پاک آب و تاب کیوں کر جلوہ گر ہوتے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التّین ۴)	(سرزمین) تین و زیتون اور طور و مکہ کی قسم کہ ہم نے انسان کو بہترین فطرت سے پیدا کیا ہے۔

العلق | اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (علق۔ ۱ تا ۵)

"عَلَّمَ الْاِنْسَانَ" میں اگر قلم کو عَلَّمَ کا فاعل سمجھا جائے تو تفسیر میں زیادہ حسن پیدا ہو

جاتا ہے یعنی، قلم نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جس سے وہ ناآشنا تھا۔ ظاہر ہے کہ تہذیب و تمدن کا ارتقا قلم کا رہینِ منت ہے۔ اگر اسلاف کے افکار ہم تک بذریعۂ قلم نہ پہنچتے، تو ہم بدستور تہذیب کے ابتدائی مراحل میں ہوتے۔

یہ وہ پہلی آیات ہیں، جو آں حضرتؐ پر غارِ حرا میں نازل ہوئی تھیں[۵]۔ غور فرمائیے کہ اس پہلے سبق ہی میں کس زور سے کائنات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ "تم اُس رب کے نام سے پڑھو جس نے جونک سے انسان بنایا....."

انسان ماں کے رحم میں ایک مرحلے پر ایک جونک تھا۔ رفتہ رفتہ انسان بنا اور پھر مختلف مدارج تہذیب و تمدن سے گزر کر سلطنت و نبوت کے درجے تک پہنچا تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جاہل عرب وحشت و بربریت کی ظلمتوں سے نکل کر فلاح و ہدیٰ کے جلوہ زاروں میں جا پہنچیں؟

ہم والد کی تعظیم اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا مُربّی اور بظاہر رزاق ہے۔ استاد کے سامنے اس لیے جھکتے ہیں کہ وہ اخلاقی مُعلّم ہے اور مُرشد کا ادب اس لیے کہ وہ ہادی و رہبر ہے۔ اللہ تعالیٰ میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ کمال بالذات موجود ہیں۔ وہ ہمارا خالق و رازق بھی ہے، ہادی و رہبر بھی ہے اور معلّم و مُربّی بھی ہے۔ اس لیے وہ بہت زیادہ تعظیم کے قابل ہے۔ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ۔

اللہ نے قلم کی قسم کھائی اور انسانی ذہن و زبان کو نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ تحریر احساساتِ ذہنی کی تصویر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہنی تصورات مٹ جاتے ہیں اور تحریر باقی رہتی ہے۔ بدیگر الفاظ قلم انسانی افکار و اذکار کا محافظ ہے اور اس لیے اسے بہت اہمیت

---

[۵] اس سورہ کی اندرونی شہادت (عبدا اذا صلی) کہہ رہی ہے کہ نماز اس سے پہلے پڑھی جاتی تھی جس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ کم از کم سورہ فاتحہ کا نزول ہو چکا تھا۔ بعض صحابہ بھی اس کے مصدق ہیں۔ (البیان)

حاصل ہے، اگر بے جان قلم سے اس قدر علوم و فنون دنیا میں پھیل رہے ہیں، تو جاندار عربوں سے یہ توقع بدرجۂ اعلیٰ ہونی چاہیے تھی۔ یہ آیات ایک طرح کی پیش گوئی معلوم ہوتی ہیں کہ عرب بہت جلد سیاست و تمدن کے منازل طے کرنے کے بعد دنیا کے معلّم و ہادی قرار پائیں گے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ بشارت کس طرح درست نکلی۔

ترجمہ آیت: پڑھ اللہ اس اللہ کا نام لے کر پڑھ جس نے انسان کو پہلے جونک اور پھر انسان بنایا۔ اس عزیز و معظّم رب کا نام لے کر پڑھ جس نے قلم کو علم دیا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جس سے وہ ناآشنا تھا۔

القدر | قدر کے معانی لغات میں یوں دیے ہوئے ہیں:

تقدیر، تکوین، تقسیم، تعیین، فیصلہ، اندازہ وغیرہ

قرآن حکیم کا نزول بلا ریب تقسیم نعمت، تعیین صراط اور تکوین ملت کا پیغام تھا۔ بدکرداروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا اٹل فیصلہ اور باعمل اقوام کے لیے دُنیوی و اُخروی کامرانیوں کا پُرزور اعلان تھا۔ اس محشر بداماں صحیفے کا مقصد سطح ارضی پر ایک زبردست اخلاقی و سیاسی انقلاب بپا کرنا تھا۔ پست کو بلند اور بلند کو پست بنانا تھا، اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ قرآن کریم کا نزول ایک ایسی رات میں ہوا جو اقوام عالم کے لیے فیصلہ کن رات تھی۔ قیصر و کسریٰ کے زوال اور پیروان رسولؐ کے عروج و ارتقا کی رات تھی۔ اس رات کے پردوں میں سے سینکڑوں انقلابات و ہیجانات اقوام مستقبل کو جھانک رہے تھے نظم کہن ٹوٹ رہا تھا اور نظام نو پورے شان و شکوہ کے ساتھ حریم انسانی میں داخل ہو رہا تھا۔

اُس وقت کفر و عصیان کی شب تاریک تمام عالم پر محیط تھی۔ اس رات کے آخری حصے میں قرآنی روشنیاں الہامی بلندیوں سے برسنا شروع ہوئیں تو جو رات کہ اہل زمین کی طرف آسمانی برکات کی بشارتیں لے کر آئی تھی، وہ یقیناً ہزاروں مہینوں سے بہتر تھی:

...... خَیرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ

اَلْفِ شَھْرٍ (ہزار ماہ) کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سے مراد زمانۂ جاہلیت لیا جائے۔ یُوں تو یہ زمانہ کئی سو سال لمبا تھا، لیکن آخری اَسّی برس بہ لحاظ سے نہایت تاریک تھے۔ دوم: آں حضرت صلعم نے ایک نوجوان قوم کی بنیاد ڈالی تھی۔ ہر چیز زندگی کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد کمال تک پہنچتی ہے۔ گندم کا پودا چھ ماہ اور آم کا درخت آٹھ برس کے بعد مکمل ہوتا ہے۔ اقوام کی نشو و نما و عروج پر بہت زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ برطانیہ کئی سو برس کے بعد ایک طاقتور سلطنت کا مالک بنا اور یہی حال دیگر اقوام کا ہے۔ اللہ نے الفِ شہر سے ہمیں بشارت دی تھی کہ تقریباً اسّی برس گزرنے کے بعد مسلمان ایک زبردست شہنشاہیت کی بنیاد ڈال چکے ہوں گے اور علوم و فنون کا آفتاب اسلامی اُفق سے طلوع ہو رہا ہوگا۔

اس حقیقت سے ایک عالم آشنا ہے کہ خاندانِ اُمیّہ کے آخری دور میں اسلامی سلطنت کی حدیں مشرق میں ملتان اور مغرب میں رودبار انگلستان تک پہنچ چکی تھیں، علوم و فنون کے چشمے پھوٹ رہے تھے اور بڑے بڑے مدبّر، محدّث، مفسّر، مورخ اور فلسفی اُبھر رہے تھے۔ پھر جب خاندانِ عباسیہ برسرِ اقتدار آیا، تو علوم کا گویا ایک سیلاب اُمنڈ پڑا۔ ہزارہا اہلِ قلم نے جنم لیا اور لاکھوں کتابیں تصنیف ہوئیں۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ بغداد میں ۳۶ دارالکتب موجود تھے اور بقول ڈریپر مصنف معرکۂ مذہب و سائنس، زبیدہ والدۂ امین کی ذاتی لائبریری میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔ ایک مرتبہ مامون اور شاہِ یونان کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس میں موخر الذکر کو شکست ہوئی۔ مامون کی علم نوازی دیکھیے کہ صرف ایک کتاب المجسطی لے کر تمام سلطنت شکست خوردہ بادشاہ کو واپس دے دی۔ اس دورِ شہنشاہیت میں علم کی سرپرستی زیادہ تر خود

اہلِ ایران نے سرانجام دی تھی۔ علماء، اطباء، حکماء اور فلاسفہ کی ایک کثیر تعداد ایرانی تھی اور اِس طرح آں حضرت صلعم کا وہ ارشاد بھی پورا ہو کر رہا کہ

لوکان العلم بالثریا لناله رجل من اھلِ فارس۔	اگر علم ثریا میں بھی ہوگا تو ایران کا مرد اُسے اُتار لائے گا۔

تو یہ تھی وُہ صبح، جس کا ظہور کوفہ و بغداد کے افق سے ہُوا تھا۔ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

علم کے بغیر کوئی حکمران قوم مہذب نہیں بن سکتی۔ تاتاریوں نے تھوڑی سی مدت میں تمام اسلامی ممالک کو روند ڈالا تھا، لیکن بے علم تھے۔ اِس لیے مؤرخ انھیں بدستور وحشی، غیر مہذب اور جاہل لکھتا ہے۔ علم افراد و اقوام ہر دو کی زینت ہے اور یہی وُہ آفتاب ہے، جس سے اِن کی شبِ تیرہ منوّر ہوتی ہے۔

آں حضرت نے عربستان کی اخلاقی و سیاسی تاریکیوں میں ایک قوم کی بنیاد ڈالی۔ عمل ارتقا جاری رہا، اور تقریباً ۲۰۰ برس بعد مشرقِ بغداد سے علم و حکمت کا آفتاب طلوع ہُوا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۗ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۗ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۠ (القدر)	ہم نے یہ قرآن ایک فیصلہ کن رات میں نازل کیا جانتے ہو کہ یہ شبِ فیصلہ کیا ہے؟ یہ رات (گذشتہ یا آئندہ) ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس میں الٰہی حکم سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں اور زندگی زمین پر اتر رہی ہے۔ یہ رات امن و سلام کا پیام لے کر آئی ہے اور طلوعِ سحر تک باقی رہے گی۔

العادیات گھوڑوں کا خالق اللہ ہے اور اللہ ہی نے اُن کی غذا پیدا کی۔ انسان صرف اتنا کرتا ہے کہ جنگل سے چارہ لا کر گھوڑے کے آگے ڈال دیتا ہے۔ گھوڑا اس چھوٹی سی مہربانی کا بدلہ یُوں ادا کرتا ہے کہ مالک کی خاطر دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتا ہے۔ سنگلاخ زمینوں میں یوں گرم سیر ہوتا ہے کہ اس کے سُموں سے شرارے چھوٹنے لگتے ہیں۔ برچھیوں

اور بھالوں کی پروا نہ کرتے ہوئے صفوفِ اعداء پر ٹوٹ پڑتا ہے اور گرد و غبار کے طوفانوں کو چیر کر نکل جاتا ہے۔ دوسری طرف انسان کو دیکھو کہ اللہ نے اِسے پیدا کیا نعمتِ عقل عطا فرمائی، اس کی پرورش کا حیرت انگیز سامان فراہم کیا اور آفتاب و ماہتاب تک اُس کے قبضے میں دے دیئے، لیکن یہ پھر بھی سرکش کا سرکش ہی رہا اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اتنا معاوضہ بھی ادا نہ کر سکا، جتنا گھوڑا اپنے مالک کی چھوٹی سی نوازش کا کیا کرتا ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ (العادیات۔ ۱ تا ۶)	قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتے ہیں، جن کے سُموں سے آگ نکلتی ہے، جو صبح دم دشمن پر دھاوا بولتے ہیں، جو گرد و غبار کی آندھیاں اٹھا کر صفوفِ اعدا میں جا گھستے ہیں کہ انسان اپنے پالنہار کا یقیناً باغی ہے۔

العصر دفاترِ تاریخ انسانی زیاں کاریوں، ناکامیوں اور تباہیوں سے لبریز ہیں۔ سینکڑوں اقوام دنیا بھر میں اُبھریں، پھلیں، پھولیں اور جُونہی آئینِ فطرت سے دُور ہٹیں، تو فطرت نے اُنھیں پیس کر رکھ دیا۔

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... (العصر)	تاریخ عالم شاہد ہے (والعصر) کہ انسان ہمیشہ ناکامی و نامرادی کا شکار رہا۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو الٰہی قانون پر عمل پیرا ہو گئے ......

الفیل ابرہہ بن الصباح نے صنعا میں ایک "کعبہ" بنوایا جس کا نام قلیس رکھا اور لوگوں کو اس "کعبے" کے طواف وغیرہ پر مجبور کیا۔ ایک مَنَّ چلا مکّی رات کے وقت موقعہ پاکر اس "کعبے" میں پاخانہ پھر گیا، جس پر ابرہہ بھڑک اٹھا اور ایک طاقتور فوج (جس میں

ہاتھی بھی تھے، سے کر کعبہ کو گرانے کی ٹھان لی۔ کہتے ہیں کہ مکہ کے قریب پہنچ کر ہاتھی رُک گئے، اگر انھیں صنعا کی طرف متوجہ کیا جاتا تو چل پڑتے، ورنہ بیٹھ جاتے۔

مکہ کے پاس عبدالمطلب (آں حضرتؐ کے جدِ امجد) کے دو سو اونٹ چر رہے تھے جنھیں ابرہہ نے پکڑ لیا۔ جب عبدالمطلب انھیں چھڑانے کے لیے آیا تو ابرہہ کہنے لگا: "تم قریش کے سردار ہو اور کعبہ کے متولی بھی۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کعبہ گرانے آیا ہوں۔ حیرت ہے کہ تمھیں اونٹوں کی تو فکر ہے، لیکن کعبے کی کوئی فکر نہیں"

عبدالمطلب نے کہا: "میں صرف اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے مجھے اُن کی فکر ہونی چاہیے۔ باقی رہا کعبہ، تو اس کا بھی ایک مالک موجود ہے، جو مجھ سے بہت زیادہ طاقت ور ہے، وہ خود اسے بچا لے گا۔ میں تمھاری خوشامد کیوں کروں"

اتنے میں ابابیل منہ میں کنکر لیے آپہنچے۔ یہ کنکر ہاتھیوں، گھوڑوں اور سپاہیوں کے جسم سے سیدھے پار نکل جاتے تھے۔

یہاں دو معمے حل طلب ہیں: (۱) ابابیل کا پتھر لے کر آنا (۲) پتھروں سے گھوڑوں وغیرہ کا ہلاک ہو جانا۔ پہلا معما بدستور حل طلب ہے اور انسانی علم ابھی اس راز سے نقاب اٹھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور دوسرے معمے کو آج قانونِ افتاد نے حل کر دیا ہے:

قانونِ افتاد: اگر ہم ہوائی جہاز سے جو دس ہزار فٹ کی بلندی پر اُڑ رہا ہو، ایک پتھر ٹپکائیں، تو کششِ ارضی کی وجہ سے ہر ثانیہ کے بعد اس پتھر کی رفتار بڑھتی چلی جائے گی۔ حساب کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ رفتار پہلے سیکنڈ میں صرف ۱۶ فٹ، دوسرے میں ۶۴، تیسرے میں ۹۶

اور چوتھے میں ۱۲۸ فٹ ہوگی۔ اصول یہ ہے:

ا سیکنڈ	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
×	×	×	×	×	×	×	×	×	×	×	×
۱۶	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲
۱۶	۶۴	۹۶	۱۲۸	۱۶۰	۱۹۲	۲۲۴	۲۵۶	۲۸۸	۳۲۰	۳۵۲	۳۸۴

یعنی پہلے سیکنڈ کو ۱۶ سے اور پھر ہر سیکنڈ کو ۳۲ سے ضرب دیتے جائیے، اُس سیکنڈ میں پتھر کی رفتار معلوم ہو جائے گی۔

اگر ہم ایسی بلندی سے پتھر ٹپکائیں کہ اسے زمین تک آتے آتے دو منٹ لگ جائیں تو آخری سیکنڈ میں اس کی رفتار ۳۸۴۰ فٹ ہوگی یعنی بندوق کی گولی کی رفتار سے تقریباً نصف۔

اگر ابابیل نے ایسی بلندی سے کنکر ٹپکائے ہوں جہاں سے زمین تک پہنچنے میں دو اڑھائی منٹ صرف ہو گئے ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کنکروں کی رفتار زمین کے قریب چار پانچ ہزار فٹ فی ثانیہ ہوگی، جو انسانوں اور حیوانوں کی ہلاکت کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۙ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ (الفیل)	اللہ نے ان پر ابابیل[۱۵] بھیجے، جو ان پر کنکر برساتے تھے اور اس طرح اللہ نے انھیں کھائے ہوئے چارے کی طرح روند کر رکھ دیا۔

---

۱۵ عموماً اس کے معنی سیاہ رنگ کا چھوٹا سا پرندہ سمجھے جاتے ہیں جن کے سینے کے پر سفید ہوتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ "اردو" کا لفظ ہے۔ عربی ابابیل، "ابالہ" کی جمع ہے جو ابل سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں متفرق گروہ۔ ڈاروں کے ڈار۔ اونٹوں کا بڑا گلہ، یعنی نہ یہ پرندوں سے مختص ہے نہ کسی خاص پرندہ سے۔ (البیان)

حکایت | ایک رات خواب میں حضرت اقبالؔ اور سرسید احمد خاںؔ رحمۃ اللہ علیہما سے ملاقات ہوئی۔ علامہ اقبالؔ فرمانے لگے "ذرا الفیل کی تفسیر تو سناؤ" میں نے تعمیلِ ارشاد کی تو سرہلا کر اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

خاتمۂ سخن | ہر ابتدا کی انتہا ہے اور آج "دو قرآن" طباعت کی چودہ منازل طے کرنے کے بعد انجام تک آ پہنچی۔ اس طویل عرصے میں بیسیوں خطوط اطرافِ ملک سے موصول ہوئے۔ کسی میں معجزاتِ تکوین و تدوین کی ان ایمان افروز تفاصیل پر مجھے شاباش دی گئی تھی اور کسی میں میری بعض کوتاہیوں کو بے حجاب کیا گیا تھا۔ میں ان ہر دو قسم کے بزرگوں کا بے حد شکرگزار ہوں۔ اوّل الذکر کا اس لیے کہ انھوں نے میری اس حقیر تحریر کو قابلِ توجہ سمجھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی اور مؤخر الذکر کا اس لیے کہ انھوں نے نہایت خلوص و محبت سے مجھے سیدھی راہ دکھائی۔ چوں کہ بحث میں اُلجھنا میرا وتیرہ نہیں، اس لیے ایک آدھ خط کا میں نے جواب نہ دیا۔ اس بداخلاقی کی معافی چاہتا ہوں۔

صحیفۂ کائنات کے بے شمار پہلو تشنۂ تکمیل رہ گئے۔ کچھ تو خوفِ طوالت سے نظرانداز کر دیے گئے ہیں اور کہیں میری کم علمی و بے بضاعتی حائل تھی۔ میں نے طلبۂ کائنات کو راہ دکھا دی ہے، بہت ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی زیادہ باہمت تمام پہلوؤں پر اس قدر روشنی ڈال سکے کہ متلاشیانِ علم کی تشنگی فرو ہو جائے۔ میں سائنس کا طالب العلم نہیں ہوں، اس لیے ممکن ہے کہ بعض مسائلِ طبیعیہ کو میں نے غلط بیان کر دیا ہو، لیکن بالفاظِ سعدیؒ اس قدر تعلّی کی اجازت دیجیے:

چو "تو لے پت" آیدت از ہزار | بمردی کہ دست از تعنّت مدار
ہمانا کہ در "ہند" انشائے من | چو مُشک است بے قیمت اندر ختن

میرے محترم بھائی مولانا غلام احمد صاحب پرویز نے شکایت کی تھی کہ مضمون بہت لمبا ہو چلا ہے اور ممکن ہے کہ بعض دیگر قارئین "البیان" بھی مجھے کوستے ہوں، لیکن :

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

شعرائے عرب جب کسی موضوع پر نظم لکھتے تھے تو محبوبہ کی تعریف سے شروع کیا کرتے تھے بعض اوقات اصل موضوع پر صرف چند اشعار ہوتے تھے اور محبوبہ کی تعریف میں تین چوتھائی سے زیادہ جب کعب ابن زہیر رسول اللہ صلعم کی خدمت عالیہ میں ۵۵ اشعار کا قصیدۂ مدحیہ پیش کرتا ہے تو محبوبہ کی شان میں ۴۰ اشعار کہہ جاتا ہے۔ طرفہ اپنی ناقہ کی تعریف میں ۳۶ اور لبید بن ربیعہ ۲۱ اشعار لکھ جاتا ہے۔ یہی حال امرء القیس، عمر بن کلثوم اور دیگر شعرائے عرب کا ہے۔ اگر آپ ان شعراء کی اس بے ربطی کو برداشت فرماتے رہے۔ اگر آپ کشاف معالم التنزیل، بیضاوی اور جلالین کی صرفی و نحوی موشگافیوں، علامہ فخر الدین رازی کی منطقیانہ نکتہ سنجیوں اور بعض دیگر مفسرین کی فقہی مطلب طرازیوں کو گوارا کرتے رہے ، تو مجھے امید ہے کہ انہی صنائع پر میری ان بے ربط تفاصیل کو بھی برداشت فرمائیں گے۔

ایک ہرے بھرے کھیت میں ایک زمیندار اپنے بیل کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ وہاں ایک ماہر اقتصادیات اور ایک عالم نباتات پہلے موجود ہیں۔ اب یہ تمام اس کھیت کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ بیل صرف آزادی کا منتظر ہے کہ مالک ٹلے اور وہ اس لہلہاتی ہوئی کھیتی سے پیٹ بھرے۔ زمیندار اندازہ لگا رہا ہے کہ اس دفعہ کتنا قرض بے باق ہو جائے گا۔ ماہر اقتصادیات یہ سوچ رہا ہے

کہ اس سال اس ملک کی خوش حالی پر اچھی فصلوں کا کیا اور کتنا اثر پڑے گا اور عالم نباتات ان پودوں کے عناصر ترکیبی، اختلافِ الوان، زمینی بکٹیریا اور پتوں کی حیرت انگیز مشینوں پر غور کر رہا ہے۔

قرآن حکیم اس کھیتی کی طرح ہے کسی نے اس کو متصوفانہ نگاہ سے دیکھا کسی نے اس کی سحر بیانی کی تعریف کی نیم خواندہ واعظوں نے دل چسپ کہانیاں انتخاب کیں۔ اسیرِ نفس ملا ذکرِ حور و شرابِ طہور پر مست ہو گیا، مفتیوں نے اسے مسائلِ فقہی کا ایک ضابطہ سمجھا۔ گدی نشینوں نے سجدۂ تعظیمی کے جواز پر آیات ڈھونڈیں۔ راہب نے ترکِ دنیا کے دلائل تلاش کیے اور بعض نے اسے منتر ول جنتروں اور تعویذوں کی کتاب بنا ڈالا۔ لیکن مجھے اس کتاب میں انسان کی سیاسی، اقتصادی و اخلاقی سعادت کے بے بہا گوہر ملے۔ میں نے گلستانِ گیتی کی اس میں تفصیل دیکھی اور مجھے حتماً معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول و فعل میں مکمل مشابہت ہے۔ کائنات کیا ہے؟ قرآن کی تفصیل اور قرآن کیا ہے؟ کائنات کا متن۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (زمر۔ ۲۳)	اللہ نے کتاب کائنات کی بہترین تفصیل (احسن الحدیث) نازل فرمائی۔ یہ کتاب کائنات سے ہر رنگ میں مشابہ بلکہ اس کا مثنیٰ (مثانی) ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان (طلبۂ کائنات) کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جن کے دلوں میں کیفیت خشیہ موجود ہے۔

حجلۂ گیتی میں شاہدِ ہستی مستور ہے اور مسلم کا فرض اسے بے نقاب کرنا ہے:

مرا دل سوخت بر تنہائی او   کنم سامان بزم آرائی او   (اقبالؒ)

میں نے اس عروس حجلہ نشین کو بے حجاب کرنے کے لیے یہ حقیر سی کوشش کی ہے۔ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں؟ مجھے معلوم نہیں۔ ہاں اس قدر یقیناً معلوم ہے

کہ وہ موجود ضرور ہے اور یہ گل و انجم کے جلوے اُسی کے پرتو ہیں۔

دور بینانِ بارگاہ الست   بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست

جس طرح اس کائناتی روح کو خلوت گہِ حجاب سے نکال کر جلوہ آرائے محفل بنانا انسانی کوشش کی انتہائی منزل ہے، اسی طرح خود انسانی قلب و دماغ میں بھی ایک رنگین دنیا آباد ہے جس کا ظہور تکمیل انسانیت ہے:

نمود اُس کی نمود تیری   نمود تیری نمود اُس کی
خدا کو تُو بے حجاب کردے   خدا تجھے بے نقاب کردے   (اقبال)

شکریہ | حد درجے کی احسان فراموشی ہوگی، اگر میں ادارۂ "البیان" کا شکریہ نہ ادا کروں، جن کی کرم فرمائی سے میری یہ تحریر ملک کے طول و ارض میں جا پہنچی غور و فکر کی نئی راہیں کھل گئیں اور مسلمانانِ ہند کو قرآن حکیم کے "تفصیلاً لِکُلِّ شَیْءٍ" ہونے کا یقین ہوگیا اور اگر ادارۂ "البیان" میری دست گیری نہ کرتا تو میری آواز میرے سینے میں یوں دبی رہتی جس طرح کوئی کلی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جائے اور اس کی عطریتوں سے کوئی مشام مستفید نہ ہو سکے جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

ماخذ | میں نے جن کتابوں سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، ان کے نام درج ذیل ہیں۔ بعض کتب کے صرف نام درج ہیں، مصنفوں کے نام حافظے سے اتر گئے ہیں اور اب ڈھونڈتا ہوں تو وہ کتابیں نہیں ملتیں:

(۱) تفسیر جواہر القرآن۔ ۲۵ جلد: علامہ جوہری طنطاوی مصری)
(۲) طبقات الارض (مطبوعۂ انجمن ترقی اردو ہند)
(۳) ہئیل قدیمہ (" " ")
(۴) انسان اور چوپایہ (ڈاکٹر ایم ایل سیٹھی)

(۵) نباتات اور نباتی خوراک (ڈاکٹر ایم ایل سیٹھی)

(۶) القمر (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند)

(۷) تذکرہ (علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی)

(۸) تفسیر بیان القرآن (سورۂ فاتحہ) (مولانا ابوالکلام آزاد)

انگریزی کتابیں

9. World of Plants.
10. Peeping inio the Universe.
11. Wonders of the sea.
12. War inventions.
13. Miracle of life.
14. How our bodies are made.
15. Wonders of Science.
16. Marvels of Life.
17. Great Design.
18. Science during the last3000 years.
19. Science from day to day.
20. A. B. C. of Chemistry
21. Animal World.
22. Starland.
23. Marvels of Geology.
24. Nature's Wonder Workers.

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

غلام جیلانی برق

ہماری بہترین کتابیں

برہان القرآن اہلحدیث جماعت، حدیثوں کو بھی قرآن مجید کی طرح وحی مانتی ہے، اور اسے 'وحی خفی' کا نام دیتی ہے۔ اس کے علاوہ آں حضرت صلعم کو خدا ہی کی طرح اصل مطاع بھی مانتی ہے۔ یہ دونوں عقیدے اسلام کی اصلی سپرٹ کے خلاف ہیں۔ اس موضوع پر حضرت خواجہ احمد الدین صاحب اور مولنا ثنا۔ اللہ صاحب کے درمیان ۱۹۲۲ء میں ایک تحریری مباحثہ ہوا تھا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو شکست فاش ہوئی تھی۔ "برہان القرآن" اس مباحثے کی مکمل رُوداد ہے۔ قیمت عہ

ریحان القرآن اُمتِ مُسلمہ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو وحی تسلیم نہیں کرتی اس لیے بعض اہلحدیث مولویوں نے اس کے مسلک پر مختلف رسالے لکھ کر اعتراض کیے ہیں۔ ریحان القرآن میں مولوی حبیب الرحمٰن مؤی کے رسالہ 'نصرت الحدیث'، مولوی قاسمی کے 'عقاید کفریہ' اور مولوی عبد اللہ کے 'عقاید چکڑالوی' وغیرہ کے مکمل جوابات دیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ہی جُملہ ضروریاتِ وحی کے کافی و کامل ہے قیمت ۶۔

برگ سبز (از خواجہ احمد الدینؒ) علم وراثت کے متعلق ایک نہایت اہم مقالہ ہے۔ قیمت ۳ر

تفسیر سورۂ فاتحہ اس چھوٹی سی کتاب میں سورۂ فاتحہ کے حُسن و جمال کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ اس میں بعض ایسے مطالب آ گئے ہیں جو آپ کو بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں بھی نہیں مل سکتے۔ جو اصحاب اسلام کی بنیادی صداقتوں کو سمجھنا چاہیں، وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

علم وراثت مسلمانوں کے موجودہ علم وراثت میں از روئے قرآن مجید چند شدید غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں مثلاً مروجہ قانونِ فقہ کی رُو سے یتیم پوتے کو ورثے میں کچھ نہیں ملتا۔ ضرورت تھی کہ اس قسم کی غلطیوں کی قرآن مجید کی روشنی میں تردید کی جائے۔ حضرت خواجہ احمد الدین مرحوم نے اس موضوع پر دو نہایت اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ 'الوراثت فی القرآن' جس کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ اور 'برگِ سبز' جس کی قیمت ۳ر ہے۔ ہر اُس مسلمان کے لیے جو قرآن مجید کی رو سے علم وراثت کو جاننا اور سمجھنا چاہے، ان کتابوں کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

ملّت ابراہیمؑ اس میں بتایا گیا ہے کہ دین در اصل ابراہیمؑ ہی کا دین ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے۔ اور اسی دین کی پیروی اور اتباع سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن بنی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی مکمل سیرت، یہاں تک کہ ان کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی ضرورت نہیں۔ دوسرے ایڈیشن میں قرآن مجید کی بیان کردہ صفات ابراہیمؑ کی تشریح و تفسیر کا بسوط اضافہ کیا گیا ہے، جو سیرت خلیلؑ سے متعلق نہایت اہم نکات اور معلومات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۵ر

علوم اسلام اور انکار حجیت حدیث | اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ حدیث مسلمانوں کے لیے شرعی حجت نہیں ثابت ہو سکتی۔ عرصے سے یہ کتاب نایاب تھی۔ اب حال ہی میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا گیا ہے۔ قیمت ۸ر

جنت کا گہنا | ایک نہایت سادہ، سلیس اور عام فہم نظم ہے جو بچیوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ نظم کسی خاص فرقے سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہر شریف عورت کا فرض ہے کہ وہ اس سبق آموز ٹریکٹ کو منگوا کر اپنی بچیوں کو پڑھائے، دیکھئے وہ دانائی کی باتوں سے ان کو فائدہ پہنچانے کا موقع دے قیمت ایک آنہ

اقبال کی پیش گوئیاں | اس رسالہ میں علامہ اقبالؒ کے کلام سے وہ اشعار منتخب کر لیے گئے ہیں جن کا تعلق موجودہ حالات اور آئندہ زمانے سے ہے۔ قیمت ۴ر

براہین وحی | چند سال ہوئے نیاز فتحپوری نے رسالہ نگار میں بعض مضامین لکھ کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے۔ براہین وحی ان ہی مضامین کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس میں علامہ اقبالؒ، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، ڈاکٹر [illegible]، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد اویس نگرامی، حکیم محمد حسین صاحب قرشی اور مولانا محمد منظور نعمانی وغیرہم کے نہایت مسکت اور مدلل مقالات شامل ہیں جن سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید انسانی تصنیف نہیں ہو سکتا، بلکہ صحیفہ آسمانی ہے۔ دوسرا ایڈیشن ضخامت ۲۴۴ صفحات۔ قیمت غیر مجلد عمر مجلد ۱۲ر

مقدمہ زندگانی محمدؐ | علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیمات مصر کی شہرہ آفاق کتاب "زندگانی محمدؐ" کے مقدمے کا اردو ترجمہ۔ یہ کتاب مصر اور ایران میں ہزاروں کی تعداد میں بار بار شائع ہو چکی ہے۔ یورپ کے عیسائیوں نے آں حضرت صلعم کی ذات مبارک پر جتنے اعتراض کیے ہیں، ان سب کے نہایت عقلی اور شافی جوابات کا اس میں مطالعہ کیجیے قیمت ار

قول احسن | اس کتاب میں قرآن مجید کی نصوص صریحہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو صرف مسلمان کہلانا چاہیے۔ شیعہ، سنی، حنفی، وہابی اور چکڑالوی وغیرہ نام منشائے قرآن کے خلاف ہیں اور ان سے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے۔ تیسرا ایڈیشن ۴ر

عظمت القرآن | اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان قرآن حکیم کی قدر و منزلت سے روشناس ہوں اور اس کے احکام پر عمل کریں قیمت ۴ر

حضرت محمدؐ رسول اللہ | اس میں واضح کیا گیا ہے کہ آں حضرت صلعم نے انسداد غلامی کے لیے کیا تعلیم فرمائی ۳ر

کامیاب زندگی | کامیاب زندگی یورپ کے شہرۂ آفاق مصنف ہربرٹ این کیسن کی مایہ ناز تصنیف CLIMBING UP کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنی زندگی کے تمام وہ تجربے بیان کر دیے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کی ترغیب حاصل کریں گے۔ اس کتاب کے گیارہ باب ہیں اور ہر باب میں ایسی صاف ستھری اور قیمتی معلومات دی گئی ہیں جو زندگی کے ہر میدان میں ہمارے کام آ سکتی ہیں۔ دوستی، ذمہ داری، انتظام، صحت، مطالعہ، سرمایہ کا استعمال، کاروبار چلانے کے نئے طریقے، ملازمت میں ترقی۔

حاصل کرنے کے لئے نہایت عمدگی اور نہایت خوبصورتی سے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے۔ ناممکن ہے کہ آپ اس کا مطالعہ کریں اور آپ کے دل میں عملی اور کامیاب زندگی بسر کرنے کا اشتیاق پیدا نہ ہو۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ اور جلد عمدہ۔ ضخامت ۱۷۵ صفحے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ محصول ڈاک ۶ر

مطالعہ حدیث اس کتاب میں تدوین حدیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

تحقیق قربانی اس کتاب میں قربانی کی قدیم تاریخ اور قرآن مجید سے رسم قربانی کے اصلاحی بیانات پوری تحقیق سے قلم بند کیے گئے ہیں۔ قیمت ۸ر

تصنیفات علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری

تعلیمات قرآن اس کتاب کے پڑھنے سے کامل طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے اور کسی انسانی تفسیر کا حقیقتاً محتاج نہیں۔ قیمت ۱۲ر

تاریخ القرآن قرآن مجید کے ابتدائے نزول سے آج تک کے تاریخی حالات اور مفید معلومات۔ قیمت ۴ر

ہمارے دینی علوم (حصہ اول) اس کتاب میں مسلمانوں کے پانچ مسائل شامل ہیں، جن میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ کی علمی و دینی حیثیت پر قرآن مجید کی روشنی میں محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک یہ کہ آپ تفسیر، حدیث اور فقہ کے معنی و مفہوم اور اصلیت و حقیقت سے باخبر ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ بھی جان سکیں گے کہ ان علوم کا قرآن مجید سے کیا تعلق ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ دینیات میں آپ نے جس قدر مطالعہ کیا ہے، اس بارے کی کتاب آپ نے نہیں دیکھی ہوگی۔ کتاب کا انداز بیان بے حد دلکش، زبان بہت ہی سلیس اور نفس مضمون نہایت قابل قدر ہے۔ ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ قیمت مجلد ۱۲ر

علم حدیث اس رسالہ میں علم حدیث پر نہایت دلنشین انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۳ر

تاریخ الامت یہ تاریخ اسلام کی مکمل، مستند اور مربوط تاریخ ہے جو نہایت تحقیق کے ساتھ سلیس اور صاف اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ اور بوجہ اپنی خوبیوں کے قومی تعلیمی نصاب مدارس و خارج ملک میں مقبول ہو چکی ہے۔

حصہ اول (سیرۃ الرسول) ۱۲ر

حصہ دوم (خلافت راشدہ) ۱۲ر

حصہ سوم (خلافت بنی امیہ) ۱۲ر

حصہ چہارم (خلافت عباسیہ) ۱۲ر

حصہ پنجم (عباسیہ بغداد) ۱۲ر

حصہ ششم (عباسیہ مصر) ۱۲ر

حصہ ہفتم (آل عثمان) ۱۲ر

حصہ ہشتم (تاریخ اسلام اور قرآن) ۱۲ر

مکتبہ امت مسلمہ (ہند) امرتسر

چند منتخب کتابیں

علامہ اقبالؒ

- بانگِ درا — للعہ
- ضربِ کلیم — سے
- بالِ جبریل — للو
- زبورِ عجم — للعہ
- اسرار و رموز — سے

مولانا ابوالکلام آزاد

- مقالاتِ آزاد — سے
- مضامینِ آزاد — سے
- خطباتِ آزاد — سے ۸ر
- جنگ اور اسلام — ۱۲ر

چودھری افضل حق

- میرا افسانہ — عا
- جواہرات — عا
- خطوطِ افضل حق — ۱۲ر

- زندگی — سے
- دینِ اسلام — عا
- محبوبِ خدا — عا

مولانا عبید اللہ سندھی

- مولانا عبید اللہ سندھی — للعہ
- شاہ ولی اللہ اور اُن کا فلسفہ — عا ۸ر
- شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک — عہ

محمد علی جناح

- ارشاداتِ جناح — عہ ۱۲ر
- خطباتِ جناح — عا

منشی پریم چند

- حُبِ وطن — عہ
- میدانِ عمل — للو
- واردات — عہ ۸ر

متفرق کتابیں

- مضامینِ عبد الماجد — للعہ
- پیاری زمین — عا ۴ر
- اقبال کا مطالعہ — عا ۸ر
- امام ابنِ تیمیہ — عہ ۸ر
- خطوطِ سرسید — سے ۱۲ر
- خطباتِ مدراس — عہ ۴ر
- حضرت مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید — عہ ۱۲ر
- مسلمانوں کا ماضی، حال اور مستقبل — عہ
- شاہ اسمٰعیل شہیدؒ — عہ ۸ر
- جمال الدین افغانی — ۶ر
- ترکی میں شرق و مغرب کی کشمکش — سے
- فیصلہ کن جنگیں — عا ۸ر
- کمپنی کی حکومت — للعہ
- اندرونِ ہند — سے ۸ر

خاتم النبیین

ختمِ نبوت کے موضوع پر بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں، لیکن حضرت خواجہ احمد الدینؒ کی کتاب "خاتم النبیین" اپنے محکم، مسکت اور مؤثر دلائل کے لحاظ سے فی الحقیقت ایک بے نظیر کتاب ہے۔

یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ قرآن مجید "ختمِ نبوت" کے مسئلے پر نہایت فیصلہ کن انداز میں روشنی ڈال چکا ہے اور اب مسلمانوں کا کسی مسیح اور مہدی کا منتظر رہنا اسلام کے منشاء کے قطعاً خلاف ہے۔

یہی وہ کتاب ہے جس نے قادیانیوں کی زبانیں گنگ کر دی ہیں۔ تیسرا ایڈیشن۔ قیمت ۸ر

مکتبہ اُمتِ مسلمہ۔ توحید باغ۔ امرتسر

امتِ مسلمہ امرتسر کی دینی خدمات

۱۔ ایک ماہوار رسالہ جاری کیا گیا، جو بیس سال سے قرآن حکیم کی خدمت و اشاعت میں مصروف ہے۔

۲۔ تبلیغی کاموں کے لیے ہزارہا روپے کے صرف سے ایک عظیم الشان مسجد، ایک مستقل دفتر اور متعدد عمارات تعمیر کر کے خدا کی راہ میں وقف کی گئیں۔

۳۔ اسلامی تہواروں کے علاوہ وقتاً فوقتاً ہزارہا تبلیغی پوسٹر شائع کیے گئے۔

۴۔ "بیان للناس" کے نام سے قرآن مجید کی ایک بہترین تفسیر شائع کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بیسیوں دینی کتابیں شائع کی گئیں۔

۵۔ مسلمانوں کی قومی و ملی اصلاح کے لیے صدہا کتابیں مفت تقسیم کی گئیں۔

۶۔ کئی سالانہ جلسے منعقد کیے گئے، جن کے ذریعے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء نے مسلمانوں کو اپنے خیالات سے مستفید کیا۔

۷۔ ایک لائبریری قائم کی گئی، جس سے سینکڑوں مسلمان علمی اور دینی فائدے حاصل کر رہے ہیں۔

۸۔ مدرسہ "تبلیغ القرآن" کے نام سے ایک قرآنی سکول جاری کیا گیا جس میں ترجمہ قرآن، اور صرف و نحو عربی کی تعلیم کا انتظام ہے۔

۹۔ بین الاقوامی درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا گیا جہاں ہر روز صبح ایک گھنٹے تک تفسیر و مذاکرہ رہتا ہے۔ دور و نزدیک سے طلبائے قرآن اور بعض دوسرے احباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ ہر مسئلے پر بڑی فراخ دلی، تہذیب اور آزادی سے گفتگو ہوتی ہے جس کی مثال عام مجالس درس میں نہیں ملتی۔

۱۰۔ متعدد روشن خیال مبلغ مقرر کیے، جن کے ذریعے سے ملک کے دور دراز گوشوں میں قرآن مجید کی آواز پہنچ رہی ہے۔

اگر یہ خدمات کسی بھی لحاظ سے آپ کے دل میں خدمت و اشاعت قرآن کا اشتیاق پیدا کر سکیں، تو ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ براہ کرم ہر ممکن تکلیف و ایثار گوارا کر کے دفتر امتِ مسلمہ کی مالی اور اخلاقی سرپرستی قبول فرمائیں۔ امداد کی صورتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) آپ کم از کم دو آنہ (۲ر) ماہوار چندہ دے کر مجلس کے رکن بن جائیں۔ (۲) تین روپے سالانہ چندہ بھیج کر ماہنامہ البیان اپنے نام جاری کرائیں۔ ایک، دو، تین، جتنے بھی ہو سکیں، جدید خریدار مہیا کر کے اُن کا چندہ بھجوا دیں۔ (۳) دفتر امت کی مطبوعات خریدیں۔ (۴) تبلیغی فنڈ میں اپنا اور اپنے دوستوں کا حصہ ارسال فرمائیں۔

ناظم امتِ مسلمہ (ہند) امرتسر

پبلشر عبدالحفیظ نے راما آرٹ پریس امرتسر میں باہتمام راما ساہتہ پرنٹر کے چھپوا کر دفتر امت مسلمہ توحید باغ امرتسر سے شائع کی